برف کے قیدی
اشفاق حسین

پی ارز پال ریڈ کی معروف کتاب ALIVE کا اردو ترجمہ

برف کے قیدی

مترجم

اشفاق حسین

ادارہ مطبوعات سلیمانی

رحمان مارکیٹ غزنی سٹریٹ، اردو بازار لاہور ۲

ابتدائیہ

زندگی کے کئی روپ ہیں، یہ کبھی معصومیت بن کر بچوں کے چہرے پر مسکراتی ہے، کبھی الھڑ جوانی کے روپ میں حسین دوشیزاؤں کے رخساروں پر اٹھلاتی ہے۔ کبھی غرور بن کر چوڑے چکلے سینوں میں جا سماتی ہے، کبھی تکبر بن کر کسی کی پیشانی میں جا الجھتی ہے۔ کبھی یہ کسی ویسے لبی کی صورت غریب کی کٹیا میں کسمساتی ہے اور کبھی کشادگی، خوشحالی، فراخی بن کر عالیشان گھروں کے سبزہ زاروں اور دالانوں میں ٹہلتی ہے۔ کبھی یہ عزم بن جاتی ہے کبھی درماندگی و خستگی۔

بنانے والے نے اسے اسی طرح بنایا ہے کہ نا امیدی کے مرجھائے ہوئے پودوں سے امید کی کونپل پھوٹے، افسردگی و ویرانی کی بوجھل بوجھل فضاؤں میں شگفتگی کے کنول کھلیں۔ ظلمتِ شب افق تا بہ افق ہر چیز کو اپنی لپیٹ میں لے لے تو کسی سمت سے روشنی کا ہالہ ابھرے، تاریکیوں کی کوکھ سے روشنی کی کرنیں جنم لیں۔ بے شک ہر مشکل کے بعد آسانی ہے۔ ہر مصیبت کے بعد راحت ہے۔

لیکن انسان ——— ؟

جب زندگی پھول بن کر مسکراتی ہے، کھڑی فصلوں کی طرح لہلہاتی ہے، بہتی ندیا کی طرح گنگناتی ہے تو مدہوش ہو جاتا ہے۔ خالق کو بھول کر خلقت کی بھول بھلیوں میں گم ہو جاتا ہے۔ ناشکرا ہے نا ——— ! اور خود ہی اس پر گواہ بھی۔

اور جب زندگی پلٹا کھاتی ہے، بہاریں خزاؤں سے، مسکراہٹیں آہوں سے اور شگفتگی اداسیوں سے بدلتی ہے تو سراپا شکایت بن جاتا ہے۔ عجلت پسند جو ہوا ——— حکم تو یہ ہے کہ کامرانیوں سے ہمکنار ہو تو شکر گزار ہو اور پریشانیوں میں گھر جاؤ تو زمانے کو برا مت کہو۔ خدا خالق زمانہ ہے یہ تو دن ہیں جنہیں وہ لوگوں کے درمیان گردش دیتا رہتا ہے۔

"برف کے قیدی" ایسے ہی لوگوں کی سچی کہانی ہے جو خوشیوں کی تلاش میں نکلے تھے لیکن مصیبتوں میں گھر گئے۔ جہاز کو حادثہ پیش آیا اور وہ ایسے پہاڑوں میں جا گرے۔ جہاں چاروں طرف برف ہی برف تھی۔ برف اور صرف برف ——— زندگی بچانے کے لیے ایک

ایسا مرحلہ آیا جب انہیں حادثے میں جاں بحق ہونے والے اپنے ہی ساتھیوں کے مردہ جسموں کا گوشت کھانا پڑا، یہ رونگٹے کھڑے کر دینے والی داستان ہے، قدم قدم پر لرزا دینے والے واقعات، چونکا دینے والے جملے۔ کبھی دل دھک سے رہ جاتا ہے، کبھی قاری سانس روکے صفحے کے صفحے پڑھتا چلا جاتا ہے کہ کہیں غیر متناسب سانسوں سے اس کردار کا پاؤں نہ پھسل جائے جو بلند و بالا چوٹیوں پر گہری گھاٹیوں کے کنارے پھونک پھونک کر قدم رکھتا اپنے ساتھیوں کی مدد کی تلاش میں جا رہا ہے۔ قدم قدم پر قاری کی نبضیں ڈوبتی ابھرتی ہیں۔ وہ خود کو بھی برف کا قیدی محسوس کرتا ہے اور اسے اس درد کی ٹیسیں اپنے جسم سے اٹھتی محسوس ہوتی ہیں جس سے جہاز کے مسافر دوچار تھے۔

مصنف پیئرز پال ریڈ برطانیہ کا رہنے والا ہے۔ لندن میں رہائش پذیر ہے پانچ ناولوں کا مصنف ہے۔ حادثے کے فوراً بعد یوراگوئے پہنچا۔ زندہ بچنے والے تمام افراد، ان کے اہل خانہ اور دیگر متعلقین سے ملا۔ ان افراد کے انٹرویو لیے جو کسی نہ کسی طور جہاز کی تلاش سے متعلق رہے تھے اور یوں تحقیق و جستجو کے بعد اس نے یہ کتاب لکھی اور سچ تو یہ ہے کہ لکھنے کا حق ادا کر دیا جب مسافروں کی بات کرتا ہے تو ایسے لگتا ہے جیسے وہ خود ان کے ساتھ تھا۔ والدین کی حالتِ زار کا نقشہ کھینچتا ہے تو یوں دکھائی دیتا ہے جیسے خود اس کا لختِ جگر گم ہو گیا ہو۔ کتاب الائیو ALIVE کے نام سے شائع ہوئی۔

میں نے یہ کتاب پڑھی تو چاہا کہ عزم و ہمت کی اس عظیم سچی کہانی کو اُردو قارئین سے بھی متعارف کروایا جائے۔ اس کے کچھ حصے محترم مجیب الرحمٰن شامی کی زیرِ ادارت نکلنے والے ماہنامے "قومی ڈائجسٹ" میں شائع ہوتے رہے ہیں۔ اب اسے کتابی شکل میں پیش کیا جا رہا ہے۔ قارئین یقیناً اسے پسند کریں گے۔

(میجر) اشفاق حسین (اے ای سی)
سکول آف آرمی ایجوکیشن
اپر ٹوپہ —— کوہسار مری

ترتیب

انتساب

پہاڑوں کے ان عمیق سلسلوں میں ہم پر جو کچھ گذری، لوگوں نے اس پر نت نئے افسانے تراش دیئے، نئی نئی افواہیں اڑائی گئیں۔ تب ہم نے فیصلہ کیا کہ یہ کتاب لکھی جائے تاکہ لوگ حقیقت جان سکیں ہم دکھوں کی یہ کہانی ——— دکھوں میں ایک دوسرے کے کام آنے کی کہانی، ان دوستوں کے نام کرتے ہیں جو ہمارے لیے مر مٹے اور ان کے والدین کے نام جنہوں نے ہمارا دکھ سمجھا، اور اس وقت ہمیں محبتوں اور شفقتوں سے نوازا جب ہمیں ان کی شدید ضرورت تھی۔

"پیڈرو الگورٹا۔ رابرٹو کینیسا۔ الفریڈ ڈیلگاڈو۔ دانیال فرنینڈیز۔ رابرٹو فرنکوئیس رائے ہارلے۔ جوز لوئیس انسیارٹی۔ جیویر متھول۔ الوارو مینگینو۔ کارلوس پکیز۔ فرنینڈو پیریڈو رمین سبیلا۔ ایڈولف سٹراچ۔ ایڈورڈ سٹراچ۔ انطونیو وزنطائن گسٹاف زربینو۔"

۳۰ اکتوبر ۱۹۷۳ء

تعارف

۱۲ اکتوبر ۱۹۷۲ء کو یوراگوئے ائیر فورس کا ایک طیارہ جو فیر چائلڈ کے نام سے موسوم تھا، یوراگوئے کے شہر مونٹی ویڈیو سے اڑا۔ اسے رگبی کے شوقینوں کی ایک ٹیم نے خاص طور پر چلی کے شہر سانٹیاگو پہنچنے کے لیے چارٹر کروایا تھا۔ اینڈیز کے پہاڑوں پر موسم کی خرابی کی رپورٹ ملی تو جہاز کو پہاڑوں کے اس طرف ارجن ٹینا کے شہر مینڈوزا میں اترنا پڑا۔ دوسرے دن موسم صاف ہو گیا جہاز دوبارہ اڑا اور جنوب کی طرف رخ کرتا درہ پلینچون کی طرف روانہ ہوا۔ تین بج کر اکیس منٹ پر پائلٹ نے سانٹیاگو کے ائیر ٹریفک کنٹرول کو اطلاع دی کہ وہ درہ پلینچون کے اوپر پہنچ چکا ہے۔ تین منٹ بعد اس نے بتایا کہ وہ چلی کے شہر کیوریکو پر پرواز کر رہا ہے۔ اسے اجازت دی گئی کہ وہ اپنا رخ شمال کی طرف موڑ لے اور سانٹیاگو کے ائیر پورٹ کی جانب پرواز کرتے ہوئے اپنی بلندی کم کرنا شروع کرے۔

ساڑھے تین بجے اس نے اطلاع دی کہ وہ پندرہ ہزار فٹ کی بلندی تک اتر آیا ہے۔ ایک منٹ بعد جب سانٹیاگو کے کنٹرول ٹاور نے فیر چائلڈ سے بات کرنے کی کوشش کی تو کوئی جواب نہ ملا۔

آٹھ دنوں تک چلی، ارجنٹینا اور یوراگوئے کی حکومتیں جہاز تلاش کرتی رہیں۔ جہاز میں رگبی ٹیم کے پندرہ افراد کے علاوہ ان کے پچیس رشتہ دار اور دوست بھی سوار تھے۔

تمام کا تعلق یوراگوئے کے کھاتے پیتے گھرانوں سے تھا۔ تلاش بے سود رہی۔ پائلٹ نے اپنی پوزیشن کا غلط اندازہ لگایا تھا۔ جب اس نے اپنی دانست میں سانٹیاگو کا رخ کرتے ہوئے جہاز کو شمال کی طرف موڑا، وہ کوہ اینڈیز کے درمیان ہی میں تھا۔ شمالی کرے میں بہار کی آمد آمد تھی۔

اینڈیز کے پہاڑوں پر اس سال برفباری بھی شدید رہی تھی۔ جہاز کی اوپری سطح پر سفید رنگ کا پینٹ کیا گیا تھا۔ کوئی امید نہیں تھی کہ جہاز کا کوئی سراغ مل سکے گا اور اس بات کا تو ذرہ بھر امکان بھی نہیں تھا کہ پینتالیس مسافروں اور جہاز کے عملے میں سے کوئی بھی شخص زندہ بچا ہوگا.... لیکن

دس ہفتے بعد کا ذکر ہے۔ اینڈیز کے دور دراز پہاڑی سلسلوں کی ایک عمیق وادی میں ایک کسان اپنے مویشی چرا رہا تھا کہ اس نے تند و پر شور پہاڑی نالے کے اس پار دو آدمیوں کی شبیہیں دیکھیں۔ وہ دیوانہ وار کچھ اشارے کر رہے تھے۔ گھٹنوں کے بل گر کر انہوں نے کسان سے قریب آنے کی التجا کی لیکن وہ سمجھا کہ شاید آوارہ گرد سیاح ہیں یا پھر دہشت پسند جو پہاڑوں کی کمین گاہوں سے نیچے اتر آئے ہیں۔ وہ بے نیازی سے اپنے مویشی ہنکا کر چلا گیا۔ دوسرے دن لوٹا تو دونوں آدمی وہیں موجود تھے۔ اسے دیکھا تو پھر قریب آنے کے اشارے کرنے لگے۔ کسان نالے کے کنارے پہنچا ایک پین اور کاغذ کا ایک ٹکڑا ایک رومال میں باندھ کر نالے کے اس پار پھینکا۔ کیچڑ میں لت پت ایک خستہ حال شخص نے اسے اٹھایا، کچھ لکھا اور کسان کی طرف پھینک دیا۔ اس پر لکھا تھا:

"میں اس جہاز کا مسافر ہوں جو پہاڑوں میں گرا تھا۔ میں یوراگوئے کا شہری ہوں ...."

صرف سولہ آدمی باقی بچے تھے۔ وہ کیوں کر زندہ رہے اور زندہ رہنے کے لیے انہیں کیا کیا کچھ کرنا پڑا، سہنا پڑا، یہ انہی دکھوں کی کہانی ہے۔

۱

آغازِ سفر

یوراگوئے براعظم جنوبی امریکہ کا ایک چھوٹا سا ملک ہے۔ یہ برازیل اور ارجنٹینا جیسے بڑے ملکوں کے درمیان فاصل ریاست کے طور پر دریائے پلیٹ کے مشرقی کنارے پر واقع ہے۔ معتدل آب و ہوا اور خوبصورت سبزہ زاروں کے اس خطے کو قدرت نے خودرو چراگاہوں سے مالا مال کیا ہے مویشی سیر ہو کر چرتے ہیں اور آزادی سے گھومتے ہیں۔ مونٹی ویڈو کے شہر میں تاجر، ڈاکٹر اور وکیل اپنی متوسط زندگی پر خوش ہیں۔ اور فطرت کے مقاصد کی نگہبانی کرنے والے پہاڑوں کے مکین اپنی آزاد زندگی پر نازاں۔

یوراگوئے کی انیسویں صدی کی تاریخ ارجنٹینا اور برازیل کے خلاف آزادی کی شدید جنگوں سے عبارت ہے۔ آزادی کے بعد بھی لوگوں کو سکون میسر نہ آسکا کہ اقتدار کی ہوس نے بلینکو اور کولوریڈو پارٹیوں کو آپس میں برسرِ پیکار رکھا اور دونوں کے درمیان شدید جھڑپیں جاری ہیں بلینکو پارٹی کے زیادہ تر کارکن اندرونی علاقوں سے متعلق تھے اور رجعت پسند کہلاتے تھے۔ جب کہ کولوریڈو پارٹی کی اکثریت مونٹی ویڈو شہر سے تھی اور اس کے کارکن لبرل کہلاتے تھے۔ ۱۹۵۴ء میں بلینکو پارٹی نے اپنی تمام تر قوت مجتمع کر کے غلبہ حاصل کرنے کی کوشش کی لیکن صدر "جوزی بیٹلے آرڈ ونیز" جو کولوریڈو پارٹی سے تھا، نے اسے بغاوت کا نام دے کر سختی سے دبا دیا اور بعد میں ایک سیکولر اور جمہوری ریاست کی بنیاد رکھی جو آنے والی کئی دہائیوں تک جنوبی امریکہ کی سب سے بہترین اور روشن خیال حکومت گنی جاتی رہی۔

اس فلاحی ریاست کی معیشت کا تمام تر دارومدار چراگاہوں اور زراعت کی پیداوار پر تھا۔ جب تک دنیا میں اون، گوشت اور چمڑے کی قیمتیں زیادہ رہیں، یوراگوئے خوشحال رہا لیکن ۱۹۵۰ء کی دہائی میں جب ان اشیاء کی قیمتیں گرنے لگیں تو یوراگوئے کی معیشت بھی بدحالی کا شکار ہوگئی۔

ملک میں بیروزگاری بڑھی، افراطِ زر کا بحران پیدا ہوا اور لوگوں میں بے چینی پھیلنے لگی۔

سول سروس میں ملازمین زیادہ تھے، تنخواہیں کم۔ وکلاء، ماہرین تعمیرات اور انجینئرز جو کبھی قوم کے اشراف میں سے تھے۔ بیکار ہو کر رہ گئے۔ جو کام ملتا تھا اس کی اجرتیں انتہائی کم ہو گئیں۔ کئی لوگ اپنے اصل پیشے چھوڑ کر چھوٹے موٹے کاموں میں لگ گئے۔ خوشحالی صرف ان لوگوں کے لیے رہ گئی جو اندرونی علاقوں میں اپنی زمینوں کے مالک تھے باقی لوگوں کو جیسا بھی کام ملتا، صبر شکر کر کے، کر لیتے۔ معیشت پر جمود طاری تھا اور انتظامیہ بدعنوانی کے ہاتھوں مفلوج۔ اس سب کچھ کے نتیجے میں ایک مشہور تنظیم "ٹیوپا میروز" ابھر کر سامنے آئی۔ یہ شہر کے گوریلے انقلابیوں پر مشتمل تھی جن کی خواہش یہ تھی کہ بلینکو اور کولوریڈو پارٹی کی شکل میں جو چند لوگ یوراگوئے پر مسلط ہیں ان سے چھٹکارا پایا جائے۔ کچھ دیر تک تو بات چلتی رہی۔ انہوں نے سرکاری افسروں اور سفارت کاروں کو اغوا کیا۔ انہیں یرغمال بنا کر تاوان وصول کیے۔ پولیس فورس میں نفوذ کیا اور اس طرح وہ قوت جو ان کے خلاف استعمال ہو سکتی تھی، غیر موثر کر دی گئی بالآخر حکومت نے فوج کی مدد لی جس نے متوسط گھرانوں کے ان انقلابیوں کو جڑ سے اکھاڑ پھینکا۔ تحریک دبا دی گئی اور ٹیوپا میروز کے انقلابی نظر بند کر دیئے گئے۔

۱۹۵۰ء کے شروع میں کیتھولک عقائد سے متعلق چند والدین کو اس بات پر تشویش ہوئی کہ ریاست کے سکولوں میں معلمین کا رجحان لادینیت کی طرف ہے۔ ان مدرسین کے انگریزی پڑھانے کو ناپسند کرتے ہوئے انہوں نے آئرلینڈ میں اپنے ہم مذہب بھائیوں سے اپیل کی کہ وہ مونٹی ویڈیو میں ایک سکول شروع کریں۔ اس اپیل کا خاطر خواہ اثر ہوا اور آئرلینڈ کے پانچ افراد بیونوس آئرز کے راستے یوراگوئے پہنچ گئے۔ انہوں نے کیراسکو کے مضافات میں "سٹیلا میریز کالج" کے نام سے ایک تعلیمی ادارہ کھولا جو نو سے سولہ سال کے بچوں کے لیے تھا۔ مئی ۱۹۵۵ء میں جنوبی بحر اوقیانوس کے ساحل پر واقع ایک گھر میں بھی کلاسوں کا اجراء ہوا۔

آئرلینڈ سے آنے والے یہ افراد گرچہ ٹوٹی پھوٹی ہسپانوی بولتے تھے لیکن جو کام انہوں نے اپنے ذمے لیا تھا، اس کے وہ پوری طرح اہل تھے۔ یوراگوئے آئرلینڈ سے دور تو تھا لیکن تھا اسی کی طرح ایک چھوٹا سا ملک۔ دونوں کی معیشت کا انحصار زراعت پر تھا۔

دونوں ملکوں میں زندگی کی رفتار یکساں تھی۔ دھیمی دھیمی مدھم مدھم ——— یوراگوئے کے معاشرے کا وہ حصہ جہاں یہ آئے تھے ان کے لیے اجنبی نہیں تھا۔ وہ کنبے جو مونٹی ویڈیو کے ان خوشگوار مضافات، یعنی کیراسکو کے بلند بالا چیڑ کے درختوں کے درمیان بنے ہوئے

آرام دہ گھروں میں آباد تھے، کافی بڑے بڑے خاندان تھے۔ ماں باپ اور بچوں میں پیار کے وہ مضبوط رشتے استوار تھے جو بچپنے سے ڈھلتی عمروں تک قائم رہتے تھے۔ یہی محبت، یہی احترام، جو بچے اپنے ماں باپ کے لیے دلوں میں رکھتے تھے، اساتذہ کی طرف منتقل ہو گیا اور یہ استاد اور شاگردوں میں خوشگوار تعلق پیدا کرنے کے لیے کافی تھا۔ آئرش عیسائیوں نے اپنے شاگردوں کے والدین کے کہنے پر اس ڈنڈے کا استعمال بھی ترک کر دیا جو مدت مدید سے زیر استعمال چلا آ رہا تھا۔

یوراگوئے میں یہ بات عام تھی کہ لڑکے لڑکیاں اسکول کی تعلیم مکمل کرنے کے بعد بھی اپنے والدین کے ساتھ رہتے رہیں۔ شادی سے پہلے اپنے آبائی گھر چھوڑنے کے واقعات شاذ و نادر ہی ہوا کرتے۔ آئرش استاد اکثر سوچا کرتے کہ اس دور میں جبکہ نئی اور پرانی نسل کے درمیان بُعد بڑھتا ہی جاتا ہے، یوراگوئے کے شہری یا کم از کم کیراسکو کے مکین اس وبا سے کیوں کر محفوظ ہیں۔ یوں لگتا تھا جیسے شمال میں برازیل کے خشک صحرا اور جنوب اور مغرب میں دریائے پلیٹ کا گدلا پانی نہ صرف یوراگوئے کے لیے قدرتی نالے بن گئے تھے بلکہ انہوں نے اسے وقت کی تمام آندھیوں سے بھی محفوظ کر دیا تھا۔

ٹیوپا میروز کی انقلابی تنظیم نے بھی سٹیلا میریز کالج پر ہاتھ نہیں ڈالا۔ یہاں جو طلبہ آتے تھے ان کیتھولک خاندانوں کے چشم و چراغ ہوا کرتے، جنہیں روایتی طور طریقے اور پرانی روایات پسند تھیں۔ سیاسی کشمکش تو دوسروں کے ہاں جنم لے سکتی تھی جو ذہن افراد کو اسی مقصد کے لیے تیار کرتے تھے۔ ان آئرش اساتذہ کا مقصد تو طلبہ میں سیرت کردار پیدا کرنا تھا۔ اور اس کام کے لیے جسمانی سزاؤں کا طریقہ وہ پہلے ہی والدین کی درخواست پر چھوڑ چکے تھے۔ اب لے دے کے ان کے پاس رگبی ہی رہ گیا تھا۔

جب آئرش برادرز یوراگوئے آئے تو وہاں رگبی کا کوئی نام بھی نہ لیتا تھا۔ وہاں تو فٹ بال نہ صرف قومی کھیل تھا۔ بلکہ ایک جذباتی مسئلہ تھا۔ گوشت کھانے میں ماہر ہونے کے علاوہ یہ وہ واحد میدان تھا جس میں یوراگوئے کے باشندے دنیا کی تمام بڑی قوموں کو پیچھے چھوڑ گئے تھے۔ وہ ۱۹۳۰ء اور ۱۹۵۰ء میں عالمی کپ جیت چکے تھے اور یوراگوئے کے نوجوانوں کو کسی اور کھیل کی طرف راغب کرنا بالکل ایسے ہی تھا جیسے انہیں ان کی روزمرہ کی خوراک، گوشت چھوڑ کر روٹی اور آلوؤں پر گذارہ کرنے کو کہا جائے۔

آئرش برادرز ڈنڈے کا استعمال تو ترک کر چکے تھے لیکن وہ رگبی فٹ بال سے دستبردار ہونے کو تیار نہیں تھے۔ ان کا کہنا یہ تھا کہ فٹ بال صرف ہنسی مذاق کا کھیل ہے لیکن رگبی فٹ بال بچوں کو مشکلات کا عادی بناتا ہے، انہیں دکھ سہنے اور مل کر کام کرنے کا درس دیتا ہے۔ والدین نے پہلے پہل تو اس کی مخالفت پر اصرار کیا لیکن پھر چپ چاپ مان گئے اور وقت کے ساتھ ساتھ وہ اس کھیل کی خوبیوں کے قائل ہوتے چلے گئے۔ جہاں تک ان کے بیٹوں کا تعلق تھا وہ پورے ذوق وشوق سے اسے کھیلتے تھے بلکہ جب کالج کا پہلا گروپ یہاں سے فارغ التحصیل ہوا تو کئی گریجویٹ ایسے تھے جو رگبی چھوڑنے کے لیے تیار تھے نہ سٹیلا میریز کالج۔ آخر اس مادرِ علمی کے قدیم طلبا کا ایک گروپ قائم کرنے کا خیال پیدا ہوا اور ۱۹۶۵ء میں کالج کے قیام کے ٹھیک دس سال بعد 'اولڈ کرسچن کلب' کے نام سے ایک تنظیم قائم کی گئی جس کی سب سے بڑی سرگرمی اتوار کی خوشگوار دوپہروں میں رگبی کھیلنا تھا۔

وقت گذرتا گیا اور یہ کھیل مقبول ہوتا گیا بلکہ فیشن کی شکل اختیار کر گیا۔ ہر موسم گرما 'اولڈ کرسچن کلب' کے لیے نئے ممبروں کی ایک بڑی تعداد ساتھ لاتا اور ایک بہترین ٹیم کے انتخاب کے لیے کھلاڑیوں کی وافر تعداد میسر آگئی۔ رگبی بذات خود یوراگوئے میں مقبول ہونے لگی اور اولڈ کرسچن کلب کے پہلے پندرہ کھلاڑی، اپنی علامتی پھولدار قمیضوں کے ساتھ ملک کی بہترین ٹیم بن گئے۔ ۱۹۶۸ء میں انہوں نے یوراگوئے کی نیشنل چیمپئن شپ جیتی اور ۱۹۷۰ء میں دوبارہ یہ اعزاز حاصل کیا۔

اس ٹیم نے ارجنٹینا کی ٹیم سے کھیلنے کے لیے دریائے پلیٹ کے دہانے کے پار تک سفر کیا اور ۱۹۷۱ء میں انہوں نے ارادہ کیا کہ وہ نئے میدان آزمائیں اور چلی میں جا کر کھیلیں۔

اخراجات کم رکھنے کی خاطر کلب نے یوراگوئے ایئر فورس کا ایک طیارہ چارٹر کیا جو رگبی ٹیم کو مونٹی ویڈو سے سانٹیاگو لے جا سکے۔ ٹیم کے علاوہ جو نشستیں بچیں وہ ٹیم کے ارکان کے دوستوں اور رشتہ داروں میں فروخت کر دی گئیں یہ دورہ بہت کامیاب رہا۔ ٹیم نے چلی کی قومی ٹیم اور "اولڈ بوائز گرینج" کے پہلے پندرہ کھلاڑیوں سے دو میچ کھیلے۔ ایک میچ جیتا، ایک ہارا۔ اسی دوران انہیں بیرونِ ملک مختصر چھٹیاں گذارنے کا موقع بھی ملا۔ کئی لوگوں کے لیے ملک سے باہر جانے کا یہ پہلا موقع تھا اور پہلی بار انہوں نے اینڈیز کے پہاڑوں پر گلیشیروں کی وادیاں اور برف سے مستور چوٹیاں دیکھیں۔ یہ سفر اتنا دلکش اور سہانا لگا کہ مونٹی ویڈو واپس آتے ہی انہوں

نے آئندہ سال دوبارہ سفر کی منصوبہ بندی شروع کر دی

○

اگلے سیزن کے اختتام سے پہلے ان کے منصوبے کئی بار امید وبیم کا شکار ہوئے۔ اولڈ کرسچین ٹیم میں ضرورت سے زیادہ اعتماد ان کے لیے آفت بن گیا۔ قومی چیمپئن شپ وہ ایک ایسی ٹیم کے ہاتھوں ہار بیٹھے جو ان سے بدرجہا کمتر تھی۔ اور اب کلب کے کچھ افسروں کی رائے یہ تھی کہ ٹیم کسی بھی طرح چلی کے دورے کی مستحق نہیں ہے۔ ایک اور مسئلہ ائیر فورس کے طیارے فیر چائلڈ ایف ۲۲۷ کی باقی چالیس نشستوں کو پر کرنا تھا۔ طیارے کو چارٹر کرنے پر ۱۷۰۰۰ امریکی ڈالر خرچ ہونے تھے۔ اگر تمام نشستیں پر ہوتیں تو ہر مسافر کو سانٹیاگو جانے اور آنے کا کرایہ چالیس ڈالر پڑتا جو عام کرایوں کے ایک تہائی سے بھی کم تھا۔ جتنی نشستیں خالی رہتیں، اتنی ہی لاگت زیادہ ہوتی جب کہ جانے والوں کو چلی میں گذارنے کے لیے پانچ دنوں کے اخراجات کی ضرورت بھی تھی

ان ہی دنوں یہ افواہ گشت کرنے لگی کہ شاید دورہ منسوخ کر دیا جائے جب کہ جانے کے شوقین اپنے دوستوں، رشتہ داروں اور طالب علم ساتھیوں میں ٹکٹیں فروخت کرنے کی سرتوڑ کوشش کر رہے تھے۔ چلی جانے کے حق میں بھرپور دلائل دیے جا رہے تھے۔ اکنامکس کے سنجیدہ طلبہ کو دعوت دی گئی کہ وہ صدر ایلنڈے کے تحت چلنے والی جمہوری مارکسزم کی معیشت کا مطالعہ کریں جب کہ کھلنڈرے طلبہ کو کم اخراجات میں زیادہ سے زیادہ عیاشی کے دلائل سے بہلایا پھسلایا گیا۔ چلی کی کرنسی کمزور تھی اور ڈالر کی بلیک مارکیٹ میں زیادہ قیمت تھی اور کھلاڑی ہونے کے ناطے ان سے یہ رعایت تو روا رکھی جاتی کہ وہ اپنی کرنسی سرکاری نرخوں پر نہ بھنائیں۔ رگبی کے کھلاڑیوں نے اپنے دوستوں کو چلی کی بے باک اور حسین دوشیزاؤں کے لالچ دیے، وہاں کے سواحل سمندر کی منظر کشی کی۔ سکی انگ کے نقشے کھینچے۔ غرض ہر طرح کے جال بچھائے گئے ان کی باتوں میں آجانے والوں میں ایک لڑکے کی ماں اور بہن اور ایک اور لڑکے کے دو کزن بھی شامل تھے رقم جمع کروانے کی آخری تاریخ تک وہ اتنی ٹکٹیں فروخت کر چکے تھے کہ طیارہ چارٹر کرنے کی لاگت پوری ہو سکے۔

۱۲، اکتوبر ۱۹۷۲ء کی تاریخ تھی، جمعرات کا دن، جب اولڈ کرسچین، کی طرف سے چلی کا دورہ کرنے والے ان مسافروں کی چھوٹی چھوٹی ٹکڑیاں صبح سویرے چھ بجے ہی سے کیراسکو

ایئر پورٹ پہنچنا شروع ہوئیں وہ کاروں یا ٹرکوں میں آرہے تھے۔ الوداع کہنے والوں میں کچھ تو والدین تھے اور کچھ گرل فرینڈز۔ ان کی گاڑیاں ایئرپورٹ کی عمارت کے باہر ناریل کے اونچے اونچے درختوں کے نیچے کھڑی تھیں۔ یوں لگ رہا تھا جیسے یہ ایئرپورٹ نہیں، گالف کھیلنے والوں کی کوئی کلب ہے گرچہ یہ منہ اندھیرے کا وقت تھا لیکن لڑکوں کے چہروں پر بشاشت صاف دکھائی دے رہی تھی۔ رنگ برنگے کپڑوں میں ملبوس انہوں نے پوری گرمجوشی سے ایک دوسرے کو خوش آمدید کہا۔ والدین بھی ایک دوسرے کے جانے پہچانے لگتے تھے۔ پچاس ساٹھ آدمیوں کی تیز تیز باتیں اور فلک شگاف قہقہے، یوں لگتا تھا جیسے کسی نے ایئرپورٹ پر کوئی پارٹی دے رکھی ہو۔

ان ہنگاموں سے الگ تھلگ، ناٹے قد کے دو آدمی بالکل پُرسکون کھڑے تھے۔ ان میں سے ایک مارسیلو پیریز تھا جو ٹیم کا کپتان تھا اور دوسرا دانیال جوآن، اولڈ کرسچین کلب کا صدر دونوں ٹیم کو الوداع کہنے آئے تھے۔ پیریز یقیناً خوش تھا۔ اسی کی کوششوں سے چلی کا یہ دورہ ممکن ہوسکا تھا اور اسی کو اس کے منسوخ ہونے کی اطلاع پر سب سے زیادہ تشویش تھی۔ اس موقع پر بھی جب کہ دورہ شروع ہوا چاہتا تھا۔ جب کوئی مسئلہ اسے بتایا جاتا تو اس کی فراخ پیشانی پر تفکرات کی شکنیں نمودار ہوجاتیں۔ ایک مسئلہ یہ تھا کہ جانے والوں میں سے ایک شخص گلبرٹو غیر حاضر تھا، مقررہ وقت پر اس نے باقی ساتھیوں سے ملاقات بھی نہیں کی تھی، ایئرپورٹ بھی نہیں آیا تھا، اس کے گھر فون کیا گیا تو کوئی فون اٹھاتا ہی نہیں تھا۔

مارسیلو جانتا تھا کہ وہ زیادہ دیر انتظار نہیں کرسکتے۔ روانگی جلد ہونا ضروری تھی کیونکہ دوپہر کے وقت انیڈیز پر اڑنا خطرے سے خالی نہیں ہوتا۔ اس وقت ارجنٹینا کے میدانوں کی ہوا گرم ہوکر بلند ہونا شروع ہوجاتی ہے اور اوپر جاکر پہاڑوں کی ٹھنڈی ہواؤں سے ٹکراتی ہے اور فضا پرسکون نہیں رہتی۔ فیر چائلڈ سول ایئرپورٹ سے ملحق فوجی اڈے کے رن وے پر سے ٹیکسی کرتا اپنی مخصوص جگہ آن پہنچا تھا۔

یہاں جمع ہونے والے لڑکے بظاہر تو الگ الگ ہی نظر آتے تھے کہ ان کی عمریں اٹھارہ سے چھبیس برس تک تھیں لیکن ان کی اکثریت میں ایک بات مشترک تھی۔ وہ زیادہ تر اولڈ کرسچین کے ممبر تھے اور جو ممبر نہیں تھے ان کی اکثریت مونٹی ویڈو کے مسیحی کالج کی پڑھی ہوئی تھی۔ ٹیم کے ارکان اور ان کے ملاحوں کے علاوہ اس مجمع میں ان کے دوست بھی تھے، دوستوں کے کزن بھی، قانون، زراعت، معاشیات اور فن تعمیرات کے طلبہ بھی ——— تین طلبہ میڈیکل کے تھے جن میں سے دو

ٹیم کی طرف سے کھیلتے بھی تھے۔ ان میں سے کچھ ایک دوسرے کے پڑوسی بھی تھے اور سب سے بڑھ کر یہ کہ وہ سب معاشرے کے ایک ہی طبقے اور مذہب سے تعلق رکھتے تھے۔ بلا استثنا وہ سوسائٹی کے خوشحال گھرانوں سے تھے اور مذہباً رومن کیتھولک۔

وہ مسافر جو یوراگوئے کے ایئرپورٹ پر جمع ہوئے تھے، تمام کے تمام اولڈ کرسچن کے ممبر یا نوجوان نہیں تھے۔ ان میں ادھیڑ عمر کی ایک توانا عورت سنیورا ماریانی بھی تھی جس نے اپنی بیٹی کی شادی میں شرکت کے لیے چلی جانا تھا۔ دو درمیانی عمر کے جوڑے تھے اور ایک سرو قد، تیکھے نقش و نگار کی لڑکی تھی سوسنا پیریڈو۔ بیس سال کی یہ لڑکی اپنی ماں، اپنے بھائی نیندو اور باپ کے ساتھ کھڑی تھی جو انہیں الوداع کہنے آیا تھا۔

سامان کی بکنگ کے بعد یہ سب ایئرپورٹ کی عمارت کے اوپر واقع ریسٹورنٹ میں گئے اور ناشتے کا آرڈر دیا۔ ان کی میز سے ہٹ کر معاشیات کے دو طالب علم بیٹھے تھے۔ وہ کھردرے کپڑوں میں ملبوس تھے۔ جیسے اپنے سوشلسٹ ہونے کا تاثر دینا چاہتے ہوں۔ جب کہ سوسنا پیریڈو فر کے خوبصورت کوٹ میں لپٹی ہوئی تھی۔ یہ کوٹ بارہ سنگھے کی کھال سے بنا ہوا تھا اور سفر سے ایک دن پہلے ہی خریدا گیا تھا۔ اس کی ماں ایوجینیا پیریڈو یوکرائن میں پیدا ہوئی تھی۔ سوسنا اور اس کا بھائی، دونوں ہی خاصے بلند قامت تھے، دونوں کے بال باریک اور سنہری تھے، آنکھیں نیلی اور چہرے روسیوں کی طرح گول۔ انہیں دلربا نہیں کہا جا سکتا تھا۔ نیندو ڈھیلے ڈھالے جسم والا شرمیلا سا جوان تھا، اس کی دور کی نظر بھی کمزور تھی جس کی وجہ سے اسے چشمہ لگانا پڑتا۔ سوسنا جوان تھی، دیکھنے میں اچھی لگتی تھی، متناسب الاعضاء تھی لیکن اس کے چہرے پر عشوہ طرازیوں کے تاثر کی جگہ ایک سنجیدگی پھیلی رہتی۔ جب وہ کافی پی رہی تھی تو پرواز کے مسافروں کو جہاز میں بیٹھنے کی درخواست کی گئی۔ پیریڈو خاندان کے افراد، دونوں سوشلسٹ اور ریسٹورنٹ میں موجود ہر شخص نیچے روانگی والے کمرے میں پہنچا۔ کسٹم کی رسموں سے فراغت کے بعد پاسپورٹ چیک کیے گئے اور ہر شخص تارمک پر نکل آیا جہاں لش لش کرتا سفید جہاز انہیں چلی لے جانے کے لیے تیار کھڑا تھا۔ آہستہ آہستہ قدم اٹھاتے ہوئے مسافر سیڑھیوں کے ذریعے اوپر گئے اور جہاز کے اندر داخل ہو گئے۔ دونوں جانب دو دو نشستوں کا انتظام تھا، درمیان میں رستہ تھا، تمام مسافر اپنی اپنی نشستوں پر براجمان ہو گئے۔

آٹھ بجکر پانچ منٹ پر یوراگوئے ایئرفورس کا یہ طیارہ فیرچائلڈ نمبر ۱۷۵ کراسکو ایئرپورٹ

سے فضا میں بلند ہوا۔ اس میں چالیس مسافر اور عملے کے پانچ افراد سوار تھے۔ جہاز کا کمانڈر اور پائلٹ کرنل جولیو سیزر فیریڈاس تھا۔ ایئر فورس میں شمولیت اختیار کیے اسے بیس سال سے زائد عرصہ بیت چکا تھا، پرواز کا تجربہ ۵۱۱۷ گھنٹے تھا اور انڈیز کے پُر فریب پہاڑی سلسلوں پر وہ ۲۹ بار پرواز کر چکا تھا۔ اس کے معاون پائلٹ لیفٹیننٹ دینتے ہیکٹر لیگوریرا کی عمر تو اس سے زیادہ تھی لیکن وہ اتنا تجربہ کار نہیں تھا۔ اسے ایک بار ایمرجنسی میں ٹی۔۳۳ جیٹ جہاز سے پیرا شوٹ کی مدد سے چھلانگ لگانا پڑی تھی اور اب وہ یوراگوئے ایئر فورس کے رواج کے مطابق مزید تجربے کی خاطر فیریڈاس کی براہ راست نگرانی میں فیر چائلڈ اڑا رہا تھا۔

یہ جہاز فیر چائلڈ ایف۔ ۲۲۷ جسے اس وقت وہ اڑا رہا تھا، دو انجنوں والا جہاز تھا۔ امریکہ میں تیار کیا گیا تھا اور یوراگوئے ایئر فورس نے صرف دو سال پہلے ہی خریدا تھا۔ فیریڈاس خود اسے میری لینڈ سے اڑا کر لایا تھا۔ اب تک یہ صرف ۷۹۲ گھنٹے اڑا تھا۔ فضائی معیار کے مطابق یہ گویا نیا ہی تھا۔ پائلٹوں کے ذہن میں اگر کوئی فکر تھی تو جہاز کی کارکردگی کے بارے میں نہیں بلکہ انڈیز کے پہاڑوں پر بے اعتبار موسم کی طرف سے تھی۔ صرف بارہ تیرہ ہفتے پہلے چار انجنوں والا ایک کارگو جہاز جس میں چھ افراد سوار تھے، ان پہاڑوں میں لاپتہ ہو گیا تھا۔ چھ میں سے تین یوراگوئے کے شہری تھے۔

لیگوریرا نے پرواز کا جو منصوبہ پیش کیا تھا۔ اس کے مطابق اس نے فیر چائلڈ کو مونٹی ویڈیو سے بیونس آئرز اور مینڈوزا کے رستے براہ راست سانٹیاگو لے جانا تھا۔ کل فاصلہ نو سو میل بنتا تھا۔ فیر چائلڈ ۲۴۰ ناٹ کی رفتار سے اڑ سکتا تھا۔ اس طرح ان کا کل سفر تقریباً چار گھنٹوں کا تھا۔ آخری آدھ گھنٹہ انہیں انڈیز کے پہاڑوں پر پرواز کرنا تھی تاہم آٹھ بجے پرواز شروع کرنے کے بعد پائلٹوں کو توقع تھی کہ وہ دوپہر سے پہلے پہلے پہاڑوں پر پہنچ جائیں گے اور نصف النہار کے بعد ان پہاڑوں پر جو طوفانی ہوائیں چلتی تھیں وہ ان سے محفوظ رہیں گے۔ ان کی ساری فکر انڈیز کو عبور کرنے کے بارے میں ہی تھی۔ یہ پہاڑ گرچہ سو میل سے بھی کم چوڑے ہیں لیکن ان کی اوسط بلندی تیرہ ہزار فٹ اور چوٹیاں بیس ہزار فٹ تک چلی گئی ہیں۔ ایک پہاڑ اکون گگوآ جو مینڈوزا اور سانٹیاگو کے درمیان واقع ہے، ۲۲۸۳۴ فٹ بلند ہے۔ مغربی کرے میں یہ سب سے اونچا پہاڑ ہے اور دنیا کی بلند ترین چوٹی ماؤنٹ ایورسٹ سے صرف چھ ہزار فٹ نیچا ہے۔

فیر چائلڈ زیادہ سے زیادہ ساڑھے بائیس ہزار فٹ کی بلندی تک جا سکتا تھا اور اسی لیے

اسے انڈیز کے ایک درے سے گذرنا تھا جہاں بلندیاں نسبتاً کم تھیں۔ جب مطلع صاف ہوا کرتا اور نظری پرواز ممکن ہوتی تو پائلٹوں کے لیے چار راستے کھلے ہوتے جنگل، ریلویریڈو، نیوس یا پلینچون مطلع ابر آلود ہوتا اور پرواز آلات کی مدد سے ہوتی تو فیرچائلڈ کو پلینچون سے گذرنا پڑتا جو منڈوزا سے قریباً سو میل جنوب کی طرف ہے۔ آلاتی پرواز کے وقت جنگل سے گذرنے کے لیے کم از کم بلندی ۲۶ ہزار فٹ رکھنا ہوتی اور نیوس اور ریلویریڈو پر کوئی ایسا انتظام نہیں تھا جو جہاز کی رہنمائی میں کسی قسم کی مدد کر سکتا۔ صرف یہی خطرہ نہیں تھا کہ جہاز کسی چٹان سے ٹکرا جائے گا بلکہ موسم کا بھی کوئی اعتبار نہیں تھا۔ مشرق سے گرم ہوائیں اوپر اٹھتیں تو خطِ بارو سے اوپر چودہ سے سولہ ہزار فٹ کی بلندیوں پر برفانی موسم ہوتا۔ عین اسی وقت مغرب کی سمت سے بحرالکاہل سے اٹھنے والی طوفانی ہوائیں وادیوں سے گذرتی اوپر آجاتیں۔ سرد اور گرم ہوائیں آپس میں ٹکراتیں تو وہ طوفانی جھکڑ چلتے کہ الاماں والحفیظ اگر کوئی جہاز ان سرکش آندھیوں میں پھنس جاتا تو خزاں رسیدہ پتے کی طرح اس کے پرخچے اڑ جاتے۔ ان تمام باتوں کو ذہن میں رکھتے ہوئے لیگوریرا نے منڈوزا کے گراؤنڈ کنٹرول سے رابطہ قائم کیا۔

مسافروں کے حصے میں کسی تشویش کے کوئی آثار نہیں تھے۔ لڑکے ہنس کھیل رہے تھے لطیفے سُن سُنا رہے تھے۔ کچھ تاش کھیل رہے تھے۔ مارسیلو پیریز ٹیم کے ارکان سے رگبی پر بحث کر رہا تھا۔ سوسنا پیریڈو اپنی ماں کے ساتھ بیٹھی تھی جو اپنے اردگرد بیٹھے لڑکوں میں ٹافیاں بانٹتی جاتی تھی۔ ان کے پیچھے نیندو پیریڈو اپنے گہرے دوست پنچائتو ایبل کے ساتھ بیٹھا تھا۔ یہ دونوں دوست اپنی گہری دوستی کے لیے مشہور تھے دونوں تاجروں کے بیٹے تھے اور اپنے اپنے باپ کی فرموں میں کام کرتے تھے۔ پیریڈو تالوں اور چٹخنیوں کی تجارت کرتا تھا اور ایبل تمباکو کی۔ بظاہر یہ بے جوڑ سی دوستی تھی۔ ایبل خوبصورت تھا، وجیہہ تھا اور امیر بھی۔ یوراگوئے کے بہترین رگبی کھلاڑیوں میں اس کا شمار ہوتا تھا اور اولڈ کرسچن کی طرف سے کھیلتا تھا۔ پیریڈو ڈھیلا ڈھالا اور شرمیلا سا تھا۔ گرچہ دیکھنے میں اچھا لگتا تھا لیکن خوبصورت نہیں تھا۔ رگبی کے میدان میں وہ دفاعی کھلاڑیوں میں سے تھا۔

رگبی اور بزنس کے علاوہ ان کی مشترکہ دلچسپیاں کاریں اور لڑکیاں تھیں اور اسی وجہ سے وہ دونوں 'پلے بوائز' کے نام سے مشہور ہو گئے تھے۔ یوراگوئے میں کاریں خاصی مہنگی تھیں لیکن دونوں کے پاس ایک ایک کار تھی۔ پیریڈو کے پاس رینالٹ۔ ۴ تھی، ایبل کے پاس چھوٹی کوپر۔ دونوں

کے پاس موٹر سائیکلیں بھی تھیں۔ دونوں ساحلوں پر جایا کرتے تو ان کے پیچھے ایک ایک لڑکی بیٹھی ہوتی۔ یہاں پھر دونوں کی دوستی بے ڈھب سی لگتی۔ جہاں تک ایبل کا تعلق ہے یوراگوئے میں کوئی لڑکی ہی ایسی ہوگی جو ایبل کے ساتھ نہ پھرنا چاہتی ہو جب کہ پیریڈو سے ملنا ملانا کوئی خاص فخر کی بات نہیں تھی۔ اس میں ایبل کی سی دلفریبی اور سحر آفرینی نہیں تھی۔ بس وہ وہی کچھ تھا جو نظر آتا تھا۔ اس کے برعکس ایبل کے کھلنڈرے پن اور قہقہوں میں ایک پرسوز سی اداسی تھی جو کبھی کبھار اس کے چہرے سے پرچھائیں بن کر گزر جاتی لیکن اس سے اس کی کشش میں اور اضافہ ہو گیا تھا۔ لڑکیاں اس کی تعریف کرتی تھیں تو وہ بھی اپنا وقت دل کھول کر ان پر لٹاتا تھا۔ اپنے قد، قوت اور مہارت کی وجہ سے رگبی ٹیم میں اسے کچھ فوقیت حاصل تھی۔ اسے تربیت پر باقی کھلاڑیوں جتنی محنت بھی نہیں کرنی پڑتی تھی اور اس طرح جو وقت اس کے پاس بچ رہتا وہ اسے خوبصورت لڑکیوں، کاروں، موٹر سائیکلوں، اچھے کپڑوں کی خرید و فروخت اور پیریڈو کی دوستی میں صرف کرتا۔

پیریڈو کو ایبل پر ایک فوقیت حاصل تھی جس کی خاطر ایبل اپنا سب کچھ پیریڈو سے بدلنے کے لیے تیار ہو سکتا تھا اور وہ یہ کہ پیریڈو ایک ہنستے مسکراتے اور متحدہ خاندان سے تعلق رکھتا تھا۔ جب کہ ایبل کے والدین میں طلاق ہو چکی تھی۔ باہمی شادی سے پہلے بھی دونوں شادی شدہ رہ چکے تھے اور دونوں کے پہلی شادیوں سے بچے بھی تھے۔ اس کی والدہ والد کی نسبت کافی کم عمر تھی لیکن ایبل نے اپنے والد کے ساتھ رہنا ہی پسند کیا تھا جس کی عمر اس وقت ستر سے بھی اوپر تھی طلاق کا ایبل پر بہت برا اثر پڑا تھا۔ اس کے چہرے پر پھیلنے والی اداسی کی پرچھائیاں بلاوجہ نہیں تھیں۔

○

جہاز ارجنٹینا کے لامتناہی میدانوں پر اڑ رہا تھا۔ کھڑکیوں کے قریب بیٹھنے والے زمین پر پھیلے ہوئے سبزے سے لطف اندوز ہو رہے تھے۔ یہ سبزہ کبھی تو لہلہاتی فصلوں کا ہوتا اور کبھی اونچے درختوں کے کسی جھنڈ کا۔ چھوٹے چھوٹے مربع نما گھروں کے اردگرد لگے ہوئے درخت بھی عجب بہار دے رہے تھے۔ آہستہ آہستہ منظر بدلنے شروع ہوئے۔ سبزہ زار خشکیوں میں بدل چلے اور سیرا س پہاڑیوں کے آغاز میں زمین بنجر نظر آنے لگی۔ اب کہیں کہیں ہل چلائے کھیت نظر آتے تھے اور غالباً یہ قدرتی چشموں کے پانی کی وجہ سے سبز تھے۔

اچانک انہوں نے اپنے سامنے انڈیز کے پہاڑ بلند ہوتے دیکھے برف سے ڈھکی ہوئی پہاڑی چوٹیاں یوں دکھائی دیتی تھیں جیسے کسی بہت بڑے آرے کے دندانے ہوں۔ پہاڑوں کے یہ خوفناک سلسلے اتنے دہشت ناک تھے کہ بڑے سے بڑا تجربہ کار سیاح بھی انہیں دیکھ کر ڈر جاتا۔ یوراگوئے کے ان نوعمر کھلاڑیوں کی حقیقت ہی کیا تھی۔ ان میں سے اکثر نے چھوٹے موٹے ٹیلوں کے علاوہ کبھی کوئی پہاڑ نہیں دیکھا تھا۔ جب وہ جی کڑا کر کے ان ہشت ناک پہاڑوں کو دیکھ رہے تھے تو جہاز کا سٹیورڈ پائلٹ کے کیبن سے باہر آیا اور لاؤڈ سپیکر پر اعلان کیا کہ موسم کی خرابی کی وجہ سے پہاڑوں کو عبور کرنا ممکن نہیں ہے۔ ابھی تھوڑی دیر میں وہ مینڈوزا کے ہوائی اڈے پر اترنے والے ہیں۔ موسم صاف ہونے تک وہ وہیں انتظار کریں گے۔

مسافروں کے کمپارٹمنٹ میں مایوسی کی لہر پھیل گئی۔ ان کے پاس کل پانچ دن تھے اور وہ وقت کا کوئی لمحہ یا ڈالروں میں سے کوئی پیسہ ارجنٹینا میں خرچ کرنا نہیں چاہتے تھے لیکن کوئی اور چارہ کار نہیں تھا۔ انہوں نے سیٹ بیلٹ باندھ لیں اور لینڈنگ کے لیے تیار ہو گئے مینڈوزا ایئرپورٹ پر فیر چائلڈ نے کافی دھچکوں کے ساتھ لینڈ کیا۔

جب فیر چائلڈ ایئرپورٹ بلڈنگ کے سامنے آکر رکا اور فیریڈاس کاک پٹ سے باہر آیا۔ تو ایک کھلاڑی رابرٹو کینیسا نے "خوبصورت لینڈنگ" پر اسے مبارکباد دی۔

فیریڈاس مسکرایا اور معاون پائلٹ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بولا۔ "مجھے مبارکباد مت دو۔ تعریف کا مستحق لیگوریرا ہے"

"اور ہم چلی کب چلیں گے؟" ایک اور لڑکے نے بے صبری سے پوچھا۔ کرنل نے شانے اچکائے اور بولا، "مجھے کیا معلوم! موسم سے پوچھو"۔

پائلٹ اور جہاز کا عملہ جب تک کسٹم کنٹرول میں نہیں آگیا، لڑکے بالے ان کی جان کو آئے رہے۔ ایئرپورٹ سے پہاڑوں کی یک لخت بلند ہوتی چوٹیاں صاف نظر آرہی تھیں اور ان کے سامنے ایئرپورٹ کی عمارت، آئل ٹینک اور بلند و بالا درخت۔ تمام کے تمام بونے نظر آرہے تھے لیکن لڑکوں کا شوق دیدنی تھا۔ انہیں تو بس چلی پہنچنے کی دھن سوار تھی ——— جب دیکھا کہ ان کا اصرار کسی کام نہ آئے گا تو سوچا کہ چلو ارجنٹینا کی سیر ہی سے لطف اندوز ہوا جائے۔

چھوٹی چھوٹی ٹکڑیوں میں بٹ کر وہ ایئر پورٹ سے باہر آ گئے۔ کچھ نے ٹیکسی پکڑی۔ کچھ بسوں میں سوار ہو گئے۔

دوپہر کے کھانے کا وقت تھا۔ لڑکوں کو سخت بھوک لگی تھی۔ زیادہ تر تو سفر کی خوشی میں ناشتہ کیے بغیر ہی چل پڑے تھے، جنہوں نے ناشتہ کیا تھا، وہ کب کا ہضم ہو چکا تھا۔ فیر چائلڈ میں کھانے پینے کی کوئی چیز نہیں تھی ـــــ کچھ لڑکوں نے سیدھا ایک ریسٹورنٹ کا رخ کیا۔ پتہ چلا کہ ریسٹورنٹ کا مالک یوراگوئے سے آ کر یہاں آباد ہوا ہے۔ اس نے باوجود اصرار کے کھانے کے پیسے لینے سے انکار کر دیا۔ اور لوگ بھی کھا پی کر بازاروں میں نکل آئے اور جی بھر کر مینڈوزا کی سیر کی۔ مینڈوزا ارجنٹینا کے قدیم ترین شہروں میں سے ایک ہے۔ اسے ہسپانیوں نے ۱۵۶۱ء میں قائم کیا۔ استعماری دور میں اس کے حسن کو چار چاند لگ گئے اس کی گلیاں کشادہ تھیں جن کے دونوں طرف خوبصورت درخت لگائے گئے تھے۔

موسم خوشگوار تھا۔ موسم بہار کے آغاز کے باوجود ہوا میں خوشگوار حدت تھی اور اس میں پھولوں کی خوشبو بسی ہوئی تھی۔ بازاروں میں خوبصورت دکانیں سجی ہوئی تھیں، ہوٹلوں میں بھیڑ تھی اور شہر کے مضافات میں انگور کے باغات تھے جہاں جنوبی امریکہ کی بہترین شراب تیار کی جاتی تھی۔

پیریڈو، ایبل، میریانی اور دوسرے ادھیڑ عمر کے جوڑے پہلے تو ایک اچھے سے ہوٹل میں گئے لیکن کھانا کھا کر مختلف سمتوں میں نکل گئے۔ پیریڈو اور ایبل کو شہر کے باہر کاروں کی ریس کی خبر ملی تو دونوں ادھر بھاگے۔ شام کو مارسیلو پیریز سے آن ملے۔ تینوں نے مل کر ایک فلم دیکھی۔ کچھ اور نوجوانوں کو ارجنٹینا کی کچھ لڑکیوں کا ایک گروپ مل گیا جو کالجوں سے چھٹی پر آئی ہوئی تھیں۔ وہ ان کے ساتھ رقص گاہوں میں چلے گئے۔ غرض مینڈوزا کے حسن نے ان مسافروں کو اتنا مسحور کیا کہ وہ رات گئے تک اس کے بازاروں اور کلبوں میں پھرتے رہے۔ کچھ تو صبح چار بجے کے قریب اپنے ہوٹلوں کو لوٹے۔

دوسرے دن تمام لوگ دن چڑھے تک بستروں میں دبکے رہے۔ لیکن جب ایئر پورٹ سے جانے کی کوئی خبر نہ آئی تو وہ نہا دھو کر مینڈوزا کی بھول بھلیوں میں گم ہو گئے۔ کارلیٹوز پیئز جو اپنی دانست میں ہر وقت بیمار رہتا تھا، اسپرین اور دوسری دوائیں خرید خرید کر دستی بیگ بھرتا رہا۔ کسی نے چاکلیٹ خریدے اور کسی نے اپنے لائٹر کے ریفل۔ نیندو پیریڈو نے اپنے ایک

بھانجے کے لیے سرخ جوتوں کا ایک خوبصورت جوڑا خریدا اور اس کی ماں نے چلی میں رہنے والی سہیلیوں کے لیے بڑھیا شراب کی کچھ بوتلیں خرید کر پیر بڈرو کو دیں۔ اس نے انہیں اپنے بیگ میں ٹھونس لیا۔

میڈیکل کے دونوں طالب علم رابرٹو کنیسا اور گسٹاف زربینو ایک کیفے میں گئے جہاں کرسیاں اور میزیں درختوں کے جھرمٹوں میں قرینے سے لگی ہوئی تھیں۔ انہوں نے ناشپاتیوں کا جوس پیا اور ناشتے میں مزے مزے کی چیزیں کھائیں۔ تھوڑی دیر بعد جب وہ کافی پی رہے تھے انہوں نے اپنے کپتان مارسیلو پیریز اور دونوں پائلٹوں کو اپنی طرف آتے دیکھا۔

"اوئے ـــــ ہم اب روانہ ہو سکتے ہیں یا نہیں ؟"

دونوں پکارے۔ کرنل فیر یداس مسکرایا اور بولا،

"نہیں نہیں، ابھی نہیں"۔

"کیا بزدلی ہے !" کنیسا بولا۔

فیر یداس پہچان گیا کہ یہ وہی شخص ہے جس نے ایک دن پہلے جہاز کی لینڈنگ پر اسے "مبارک باد" دی تھی۔ اسے کچھ غصہ آیا اور بولا، "تم یہ چاہتے ہو کہ تمہارے ماں باپ اخباروں میں یہ خبر پڑھیں کہ یوراگوئے کے پینتالیس افراد پہاڑوں میں کھو گئے"؟

"نہیں۔ نہیں، میں چاہتا ہوں وہ پڑھیں کہ یوراگوئے کے پینتالیس افراد انڈیز کے پہاڑ بالآخر عبور کر ہی گئے"۔

فیر یداس اور لیگوریرا ہنسے اور چل دیے۔ دونوں ایک عجیب صورت حال سے دوچار تھے انہیں لڑکوں کی طنز کی فکر نہیں تھی لیکن موسم بھی سمجھ نہیں آ رہا تھا۔ موسم کی رپورٹ کی مطابق انڈیز پر مطلع صاف ہو رہا تھا۔ جنگل کا درہ گرچہ بند تھا لیکن دوپہر سے کچھ پہلے پینچون کے کھلنے کا واضح امکان تھا۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ وہ انڈیز کو ایسے وقت عبور کرتے جو عام طور پر پریشان کن ہوا کرتا تھا لیکن انہیں یقین تھا کہ وہ طوفانی جھکڑوں سے بالا بالا رہ کر پہاڑوں کے ان سلسلوں کو عبور کر سکیں گے۔ متبادل راستہ صرف یہ تھا کہ وہ مونٹی ویڈیو لوٹ جائیں کیونکہ ارجنٹینا کے قوانین کے مطابق کسی غیر ملکی طاقت کا فوجی طیارہ چوبیس گھنٹوں سے زیادہ ان کی سرزمین پر نہیں ٹھہر سکتا تھا۔ اس سے نہ صرف جہاز کے مسافروں کو مایوسی کا سامنا ہوتا بلکہ یوراگوئے کی فضائیہ کو جو آمدنی ہونا تھی وہ بھی ضائع جاتی۔ تمام پہلوؤں پر غور کرنے کے بعد انہوں نے کپتان کی معرفت تمام مسافروں کو پیغام بھیجا کہ وہ ایک بجے تک ایئرپورٹ پہنچ جائیں۔

مسافر بتائے گئے وقت پر ائیر پورٹ پہنچے تو دیکھا کہ جہاز کے عملے یا ارجنٹینا کے افسروں میں سے کسی کی دور دور بھی کوئی خبر نہیں۔ وہ ائیر پورٹ کی بلڈنگ میں ادھر ادھر بکھر گئے۔ کچھ تصویریں اتارنے لگے، کچھ نے اپنا وزن کرنا شروع کر دیا، کچھ ایک دوسرے کو دھمکانے لگے کہ آج تیرہ تاریخ ہے خدا خیر کرے ــــ اچانک فیر یداس اور لیگو ریرا نمودار ہوئے، دونوں نے منڈوزا شراب کی بوتلیں اٹھائی ہوئی تھیں۔ سب لوگ ان کی طرف لپکے۔

"شرابی" ایک نے طنز کی۔

"سمگلرز" دوسرے نے فقرہ کسا۔

کینیسا سے بھی رہا نہ گیا بولا۔ "ذرا دیکھنا، ہمارے نصیب میں کس قسم کے پائلٹ آئے ہیں"۔

فیر یداس اور لیگو ریرا ان پھبتیوں سے بے نیاز نظر آ رہے تھے۔ وہ ابھی تک حیص بیص میں تھے کہ پرواز کریں یا نا۔ انہیں ڈر تھا کہ اگر مسافروں کو احتیاطی تقاضوں کا مشورہ دیا گیا تو وہ ان کی مہارت پر شک کریں گے۔ عین اس وقت ایک جہاز ائیر پورٹ پر اترا۔ یہ ایک کارگو جہاز تھا۔ ٹیکسی کرتے ہوئے اس کے انجنوں سے بے تحاشا شور اٹھ رہا تھا۔ جب اس کے پائلٹ ائیر پورٹ بلڈنگ میں آئے تو کرنل فیر یداس ان کے پاس گیا اور ان سے مشورہ مانگا۔

پائلٹ سانٹیاگو ہی سے آ رہا تھا۔ اس نے بتایا کہ گرچہ انڈیز پر ہوا خاصی تیز ہے لیکن فرچائلڈ کے لیے شاید کوئی مسئلہ نہ ہو کیونکہ اس میں جدید ترین آلات نصب تھے بلکہ اس پائلٹ نے تو یہاں تک کہا کہ وہ سانٹیاگو تک ڈائریکٹ روٹ اختیار کریں۔ اس سے ان کی ڈیڑھ سو میل کی بچت ہو جاتی۔

تاہم کرنل فیر یداس نے احتیاطاً یہی فیصلہ کیا کہ وہ جنوب کی طرف جا کر پلینچون درے پر سے گذریں گے جب پرواز کا اعلان کیا گیا تو لڑکوں میں خوشی کی ایک لہر دوڑ گئی۔ ارجنٹینا کے افسروں کا ابھی تک کوئی پتہ نہیں تھا۔ مسافروں کو کاغذات اور سامان کی چیکنگ کروانے کے لیے بہرحال ان کا انتظار کرنا تھا۔

اس دوران کارگو جہاز دھواں اڑاتا، شور مچاتا۔ اپنی نئی منزل کی طرف پرواز کر گیا۔ مسافروں میں سے دو لڑکے ارجنٹینا کی دو لڑکیوں کے ساتھ کھڑے تھے۔ پچھلی رات وہ ان کے ساتھ رقص کرتے رہے تھے اور اب وہ انہیں الوداع کہنے ائیر پورٹ آئی تھیں۔ دونوں ان لڑکیوں سے بولے، "اچھا اب پتہ چلا کہ ارجنٹینا کے پاس کس قسم کے ہوائی جہاز ہیں"۔

"تمہارے جہاز سے تو بہتر ہی ہیں۔ کم از کم انڈیز کو تو بلا جھجک عبور کر لیتے ہیں۔" ایک لڑکی نے ترکی بہ ترکی جواب دیا۔

○

منڈوزا کے مقامی وقت کے مطابق دو بج کر اٹھارہ منٹ پر فیر چائلڈ فضا میں بلند ہوا تو جہاز کا کنٹرول لیگوریرا کے ہاتھوں میں تھا۔ اس نے پہلے چائلو سائٹو کی طرف پرواز کی اور پھر جہاز کا رخ ملارگو کی طرف کر دیا۔ یہ پلینچون درہ کے نیچے ارجنٹینا والی طرف ایک چھوٹا سا قصبہ ہے۔ جہاز اٹھارہ ہزار فٹ کی بلندی پر اڑ رہا تھا اور اس کی سمت پرواز کی طرف چلنے والی ہوا (TAIL WIND) کی رفتار بیس سے ساٹھ ناٹ تک تھی۔ ان کے نیچے زمین خشک اور بنجر تھی۔ کہیں کہیں دریاؤں کی گذرگاہیں اور نمکین جھیلیں بھی نظر آ جاتیں جن کے اردگرد دلدل وزردوں کے نشانات تھے۔ ان کے دائیں جانب آسمان سے باتیں کرتی پہاڑوں کی چوٹیاں تھیں۔ نیچے میدان خشک تھے تو یہ پہاڑ بھی بھیانک صحراؤں سے کم نہیں تھے۔ بھورے، مٹیالے اور زردی مائل پہاڑ جن پر روئیدگی کا کوئی نام ونشان نہیں تھا۔ بلندی کی وجہ سے، بحرالکاہل سے اٹھنے والی ہوائیں ان تک پہنچ ہی نہیں پاتی تھیں۔ اس لیے چٹانوں کے درمیان کہیں کوئی مٹی کا قطعہ نظر آتا بھی تو جا بجا اس پر آتش فشانی لاوے کی تہیں جمی نظر آتیں۔ کوئی درخت، کوئی جھاڑی، کوئی گھاس، کچھ بھی تو نہیں تھا۔ برف کے علاوہ کوئی بھی ان بے جان بلندیوں کو چھو نہیں سکتا تھا۔ تیرہ ہزار فٹ کی بلندیاں تو ہر وقت برف تلے دبی رہتیں لیکن اس سال برفباری زیادہ ہونے کی وجہ سے برف کافی نیچے تک اتر آئی تھی۔ وادیوں میں تو سو سو فٹ تک برف جمی ہوئی تھی۔

پرواز میں مدد دینے کے لیے فیر چائلڈ جدید ترین آلات سے مزین تھا۔ راستہ دکھلانے کے لیے اس میں خود کار رہبر (آٹومیٹک ڈائریکشن فائنڈر) لگا ہوا تھا۔ ایک ریڈیو کمپاس تھا اور سب سے بڑھ کر یہ کہ دور دراز علاقوں سے راستے کا پتہ لگانے والا آلہ وی او آر (VHF OMNIDIRECTIONEL RANGE) بھی موجود تھا۔ ان تمام آلات کی موجودگی میں یہ ایک عام سی بات تھی کہ پائلٹ نے تین بج کر آٹھ منٹ پر ملارگو پر پرواز کرتے ہوئے زمین پر نصب ریڈیو بیکن سے رہنمائی حاصل کی اور پھر اٹھارہ ہزار فٹ کی بلندی برقرار رکھتے ہوئے جی۔ ۱۷ کے فضائی راستے پر، یہ جہاز انڈیز کو عبور کرنے کے لیے دائیں جانب مڑ گیا۔ لیگوریرا نے اپنی دانست میں پلینچون سے سانتیاگو کو اپنی آمد کی اطلاع دی۔ اس وقت تین بج کر اکیس منٹ ہوئے تھے۔

اس کے بعد جب وہ پہاڑوں کے اوپر پرواز کر رہا تھا بادلوں کی ایک تہہ نے زمین کو ڈھانپ لیا۔ یہ کوئی تشویش کی بات نہیں تھی۔ بادلوں کے اوپر نگاہ دور تک کام کرتی تھی لیکن بادل نہ بھی ہوتے تو پہاڑوں پر ایسے نشانات نہیں تھے جو پلینچون درے کو پہچاننے میں کوئی مدد کرتے۔ البتہ ایک واضح تبدیلی محسوس ہوتی تھی۔ جہاز کی سمت میں چلنے والی ہوا مخالف سمت سے چلنا شروع ہو گئی تھی اور اس کی رفتار بھی خاصی تیز تھی۔ اس لیے جہاز کی زمینی رفتار ۲۱۰ ناٹ سے کم ہو کر ۱۸۰ ناٹ رہ گئی تھی۔

تین بجکر اکیس منٹ پر لیگوریرا نے سانٹیاگو کے ایئر کنٹرول کو بتایا کہ وہ درہ پلینچون پر اڑ رہا ہے اور اس کا اندازہ ہے کہ وہ تین بج کر تینتیس منٹ پر کیوریکو پہنچ جائے گا۔ یہ انڈیز کے مغربی طرف چلی کا ایک چھوٹا سا قصبہ ہے۔ صرف تین منٹ بعد فیرچائلڈ کا رابطہ پھر سانٹیاگو سے قائم ہوا اور پائلٹ نے بتایا کہ وہ کیوریکو کے قریب سے گذر کر میٹیو کی طرف جا رہا ہے۔ اس کے بعد جہاز نے اپنی سمت تبدیل کی پہلے راستے کو چھوڑ کر جہاز اپنے دائیں جانب مڑ گیا اور شمال کی طرف پرواز کرنے لگا۔ سانٹیاگو کے کنٹرول ٹاور نے پائلٹ کی بات کو ٹھیک جانتے ہوئے اسے اجازت دی کہ وہ پوڈا ہیول ایئر پورٹ کی طرف آتے ہوئے جہاز دس ہزار فٹ تک نیچے لے آئے۔ ساڑھے تین بجے سانٹیاگو نے فیرچائلڈ کی بلندی چیک کی۔ جواب آیا۔ "لیول ۱۵۰"

اس کا مطلب یہ تھا کہ لیگوریرا اس وقت تک جہاز کو تین ہزار فٹ نیچے لے آیا تھا۔ اسی بلندی پر جہاز ایک بادل میں داخل ہو گیا تھا اور طوفانی جھکڑوں کے سامنے اس نے ہچکولے لینے شروع کر دیے تھے۔ لیگوریرا نے مسافروں کے کیبن میں ایک سائن روشن کیا جس میں مسافروں کو ہدایت کی گئی تھی کہ وہ سیفٹی بیلٹ باندھ لیں اور سگرٹیں بجھا دیں۔ پھر وہ سٹیورڈ کی طرف مڑا جو کرنل فیرپلاس کے لیے کھانے کی کوئی چیز لایا تھا۔ اس نے اسے ہدایت کی کہ وہ پیچھے جائے اور یقین کرے کہ سب مسافروں نے اپنی بیلٹیں باندھ لی ہیں۔

مسافروں کے کمپارٹمنٹ میں چھٹیوں کا سا ماحول تھا۔ کئی لڑکے تو درمیانی راستے میں چہل قدمی فرما رہے تھے۔ کئی کھڑکیوں پر جھکے ہوئے تھے کہ بادل ہٹیں تو انہیں پہاڑوں کی کوئی جھلک نظر آئے۔ سب کو شوخیاں سوجھ رہی تھیں بلکہ کچھ نے تو رگبی کی گیند نکال کر مسافروں کے سروں پر سے ایک دوسرے کی طرف اچھالنا شروع کر دی۔ پچھلے حصے میں کچھ لڑکے بیٹھے تاش کھیل رہے تھے۔ ان سے بھی پرے سٹیورڈ عملے کے دوسرے افراد کے ساتھ ایک کھیل میں مشغول تھا۔ سٹیورڈ مارٹنیز پائلٹ کیبن سے نکلا تو اس نے درمیانی راستے میں گھومتے لڑکوں کو بیٹھنے کا اشارہ کیا اور بولا،

آگے موسم کچھ خراب ہے۔ جہاز تھوڑی بہت اچھل کود کرے گا لیکن فکر کی کوئی بات نہیں۔ ہمارا رابطہ سانٹیاگو سے قائم ہے اور ابھی تھوڑی دیر میں ہم لینڈ کر جائیں گے۔"

وہ گیلری میں پہنچا تو تاش کھیلتے لڑکوں کو آگے جا کر بیٹھ جانے کو کہا۔ وہ خود بھی ایک اور شخص کے ساتھ بیٹھ گیا۔

جہاز ایک اور بادل میں داخل ہوا تو اس زور سے دھچکا لگا کہ کئی مسافر ہراساں ہو گئے۔ گھبراہٹ چھپانے کے لیے ایک دو لطیفے بھی ہوئے۔ ایک لڑکے نے جو پیچھے بیٹھا ہوا تھا مائیکروفون اٹھایا اور بولا" خواتین و حضرات! اپنے اپنے پیراشوٹ باندھ لیجئے۔ ہم ان پہاڑوں پر اترنے والے ہیں"

سامعین اس کے اعلان سے لطف اندوز نہ ہو سکے کیونکہ عین اس وقت جہاز ایک اور ایئر پاکٹ سے جا ٹکرایا اور سینکڑوں فٹ نیچے گرتا چلا گیا۔ رابرٹو کینیسا جسے خود بھی پریشانی لاحق تھی، راستے کے دوسری جانب بیٹھی ہوئی سنورا نکولا سے مخاطب ہوتے ہوئے بولا۔ "کیا تمہیں ڈر لگ رہا ہے؟"

"ہاں! مجھے تو لگ رہا ہے"۔ وہ بولی۔

پیچھے سے لڑکوں نے "کونگا، کونگا" کے نعرے لگانے شروع کر دیے۔ کینیسا بھی ان کے ساتھ مل گیا۔ پھر اس نے اپنے ہاتھوں میں تھامی رگبی کی گیند، ڈاکٹر نکولا پر اچھال دی۔ اس نے اسے دوسری طرف پھینک دیا۔

ایوجنیا پیریڈو ایک کتاب پڑھنے میں مشغول تھی۔ اس نے نظریں اٹھائیں۔ کھڑکی سے بادلوں کی دھند کے سوا کچھ نظر نہ آتا تھا۔ اس نے دوسری طرف دیکھا، سوسنا کا رنگ زرد تھا۔ اس نے اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے لیا۔ ان کے پیچھے نینڈو پیریڈو اور پنچا نیتو اپیل کسی گرما گرم بحث میں مصروف تھے۔ پیریڈو نے تو اپنی سیٹ بیلٹ بھی نہیں باندھی تھی۔ جب جہاز دوسری بار ایک ائیر پاکٹ سے ٹکرایا اور ایک پتھر کی طرح نیچے گرا، تب بھی اسے بیلٹ باندھنے کا خیال نہ آیا۔ دوسری بار جہاز نیچے آیا تو بادلوں سے باہر نکل آیا لیکن نیچے چلی کے سرسبز کھیتوں کے مناظر نہیں تھے بلکہ برف سے مستور چوٹیاں تھیں۔ جن سے جہاز کے بازو کا فاصلہ دس فٹ سے زیادہ نہیں تھا۔

"کیا پہاڑوں پر اتنا قریب پرواز کرتے ہیں؟ ایک نے پوچھا

"میرے خیال میں تو نہیں" دوسرے نے جواب دیا۔

کئی مسافروں نے دعا مانگنی شروع کر دی۔ دوسرے اپنی اپنی نشستوں پر تن کر بیٹھ گئے۔

جہاز کبھی بھی لمحے ٹکرا سکتا تھا۔ جونہی فیر چائلڈ نے دوبارہ بلند ہونے کی کوشش کی، انجن غرائے اور پورا جہاز ہل کر رہ گیا۔ یہ تھوڑا سا بلند تو ہوا لیکن ناگہانی ایک جگر پاش خراش کی آواز آئی۔ اس کا دایاں بازو پہاڑ سے ٹکرا گیا تھا۔ فوراً ہی یہ بازو ٹوٹ کر الگ ہو گیا اور جہاز نے فضا میں قلابازیاں کھانا شروع کر دیں۔ پھر جہاز کی ٹیل الگ ہوئی۔ سٹیورڈ اور جہاز کا سمت دار تاش کے پتوں سمیت یخ بستہ ہواؤں میں بکھر گئے۔ ان کے بعد تین لڑکے اپنی نشستوں سمیت باہر جا گرے۔ دوسرے ہی لمحے بایاں بازو بھی الگ ہو گیا اور جہاز کے گرنے سے پہلے اس کے پنکھوں کا ایک پر ٹوٹ کر جہاز کے ڈھانچے میں دھنس گیا۔

جہاز کے ڈھانچے میں باقی رہ جانے والوں میں خوفناک چیخیں بلند ہو رہی تھیں۔ ہر کوئی مدد کے لیے پکار رہا تھا۔ پروں اور دم کے بغیر، باقی رہ جانے والا یہ ڈھانچہ، پتھریلے پہاڑوں پر گر رہا تھا لیکن بجائے اس کے کہ یہ کسی چٹان سے ٹکرا کر پاش پاش ہو جاتا یہ پیٹ کے بل ایک گہری وادی میں گرا اور برفانی گاڑی کی طرح ڈھلوان پر پھسلتا چلا گیا۔

وادی میں گرتے وقت اس کی رفتار تقریباً ۲۰۰ ناٹ تھی لیکن پھر بھی یہ پرزے پرزے نہیں ہوا تاہم ہوا کی قوت سے دو اور لڑکے دم کی جانب خلا کے راستے باہر کھنچے چلے گئے۔ باقی ڈھانچے کے اندر ہی تھے جو پوری قوت سے نیچے کی جانب پھسلتا جا رہا تھا۔ رفتار کم ہوئی تو جہاز کی نشستیں فرش سے اکھڑ کر آگے کی سمت پھسلنے لگیں اور وہ لوگ جو ان نشستوں کے درمیان گر پڑے تھے، بری طرح سے کچلے گئے۔ جب بہت سی نشستیں ایک ساتھ سامنے والی دیوار سے ٹکرائیں تو سامان اور مسافروں کے درمیان حائل پارٹیشن بھی اکھڑ گئی۔ اس پر مستزاد یہ کہ یخ بستہ ہواؤں کے تھپیڑے مسافروں کو بدحال کر رہے تھے، جن کے حواس ابھی تک باقی تھے وہ ڈھانچے کے کسی چٹان سے ٹکرانے کے منتظر تھے۔ نشستوں کی دھات اور پلاسٹک یکدم ٹھنڈی ہو کر ان کے جسم میں پیوست ہوئی جا رہی تھی۔ اس سے نجات پانے کے لیے کچھ لڑکوں نے اپنے سیفٹی بیلٹ کھول کر کھڑا ہونا چاہا لیکن صرف گسٹاف زربینو اس میں کامیاب ہو سکا۔ اس نے اپنے قدم مضبوطی سے فرش پر جمائے اور چھت کو پوری قوت سے تھام کر یسوع مسیح کو پکارنے لگا۔

"او یسوع ہماری مدد کر ــــ او مسیحا ہمیں بچا لے۔"

کارلیٹوز جہاز کے بازو ٹکرانے کے وقت سے ہی حضرت مریمؑ کی دعائیں پڑھ رہا تھا۔ جونہی اس نے دعا کے آخری الفاظ ختم کیے، جہاز رک گیا۔ چند لمحے تو موت کی سی خاموشی طاری رہی۔

پھر آہستہ آہستہ کیبن کے چاروں طرف سے زندگی کی آوازیں ابھریں ـــــ آہیں ـــــ سسکیاں ـــــ کراہ ـــــ دعائیں اور مدد کے لیے چیخ و پکار۔

جب جہاز وادی میں گرا تھا تو کینیسا اپنا سر اپنے بازوں میں چھپائے اگلی نشست پر جھک گیا تھا۔ اس کا خیال تھا کہ بس، اب کسی بھی لمحے موت اسے آ لے گی۔ اس نے کوئی دعا نہیں کی۔ اس کے ذہن میں تو بس یہ تھا کہ جہاز کس رفتار سے اڑ رہا تھا اور کس قوت سے یہ کسی چٹان سے ٹکرا کر پرزے پرزے ہو جائے گا۔ لیکن اچانک اسے محسوس ہوا کہ جہاز تھم چکا تھا۔

وہ چلایا، "ارے، یہ تو رک گیا"۔ پھر وہ اپنے ساتھ بیٹھے ہوئے لڑکے کی طرف مڑا اور اس سے پوچھا کہ کیا وہ ٹھیک ٹھاک ہے۔ وہ ذہنی صدمے سے دوچار تھا۔ اس نے سر ہلا کر ہاں کہی جس پر کینیسا اسے چھوڑ کر اپنے ایک اور دوست دانیال بیسپون کی طرف بڑھا جو اپنی نشست سے نکلنے کی کوشش کر رہا تھا۔ پھر دونوں نے مل کر دوسروں کی مدد شروع کی۔ پہلے تو انہوں نے یہ سمجھا کہ تمام مسافروں میں سے صرف وہ دو ہی سلامت ہیں۔ کیونکہ چاروں طرف سے چیخ و پکار کی آوازیں آ رہی تھیں لیکن پھر ملبے سے اکا دکا مسافر اپنے قدموں پر کھڑے ہونے شروع ہوئے۔ سب سے پہلے گستاف زربینو برآمد ہوا، پھر ٹیم کیپٹن مارسیلو پیریز ـــ اس کا چہرہ زخمی تھا اور اس کے گال میں درد کی ٹیسیں بھی اٹھ رہی تھیں لیکن اپنے منصب کے پیش نظر اس نے اپنا درد بھلا یا اور فوراً ہی امدادی کام میں مصروف ہو گیا۔ میڈیکل کے دونوں طالب علم جنی المقدور زخمیوں کی مدد میں جت گئے۔

جہاز رکتے ہی کچھ لڑکوں نے پٹرول کی بو سونگھ کر یہ اندازہ لگایا کہ اب جہاز میں آگ لگ جائے گی اور اس کے پرخچے اڑ جائیں گے۔ وہ دم کی طرف کھلے رستے سے ہوتے ہوئے باہر بھاگے لیکن رانوں تک برف میں دھنس گئے۔ بوبی فرنکوئس جو سب سے پہلے باہر آیا تھا۔ بالآخر ایک سوٹ کیس پر چڑھا اور سگریٹ سلگا کر کارلیٹوس پینیڑ سے بولا، "برے پھنسے"۔ پینیڑ اس کے پیچھے پیچھے ہی باہر آیا تھا۔

باہر ویرانی سی ویرانی تھی؟ ان کے چاروں طرف برف تھی اور آگے تین جانب پہاڑوں کی مٹیالی عمودی چٹانیں تھیں۔ جہاز کا ڈھانچہ ایک ہلکے سے موڑ پر آ کر رکا تھا۔ اس کا رخ نیچے وادی کی طرف تھا جس کے آگے پہاڑ ذرا فاصلے پر تھے اور اس وقت دھند کی وجہ سے صاف دکھائی نہیں دیتے تھے سردی انتہائی سخت تھی اور بہت سے لڑکے صرف قمیصوں میں ملبوس تھے۔

کچھ نے سیلوٹیکس کوٹ پہن رکھے تھے، کچھ نے بلیزر۔ کسی نے بھی نقطہ انجماد سے نیچے کے درجہ حرارت سے بچاؤ کا اہتمام نہیں کر رکھا تھا۔ نظر آنے والے سوٹ کیسوں کی تعداد بہت کم تھی۔ امید تھی کہ ان سے کچھ کپڑے برآمد ہوسکیں گے جو سردی سے بچاؤ کے کام آسکیں۔

لڑکوں نے سامان کی تلاش میں پیچھے نگاہ دوڑائی تو دیکھا ایک سایہ پہاڑ سے نیچے اتر رہا تھا۔ قریب آیا تو دیکھا کہ وہ ان کا ساتھی کارلوس ویلیٹا تھا۔ انہوں نے بآواز بلند اسے پکارا اور اپنی طرف بلانے لگے۔ لیکن ایسا لگتا تھا کہ وہ انہیں دیکھ سکتا تھا نہ سُن سکتا تھا۔ ہر قدم پر وہ رانوں تک برف میں دھنس جاتا تھا۔ صرف چٹان کی تیز ڈھلوان اسے آگے بڑھنے میں مدد دے رہی تھی۔ لڑکوں نے دیکھا کہ جس سمت وہ جا رہا تھا، وہ اسے جہاز سے اور دور لے جائے گی اس لیے انہوں نے اور زور سے چیخنا چلّانا شروع کر دیا کہ اس کی توجہ اپنی طرف دلا سکیں۔ پینیڑا اور سٹارم نے تو اس کے پاس جانے کی کوشش بھی کی لیکن برف میں چلنا ناممکن تھا اور وہ بھی اوپر کی طرف چڑھنا۔ وہ بے بس تھے اور بے کسی سے ویلیٹا کو وادی کی گہرائیوں کی جانب لڑکھڑاتا دیکھ رہے تھے۔ ایک دفعہ یوں محسوس ہوا کہ اس نے جہاز کو دیکھ لیا ہے اور وہ اپنا رُخ بدل رہا ہے لیکن پھر وہ پھسلا اور چٹان کی ڈھلوان پر پھسلتا ہوا برف کی پہنائیوں میں گم ہو گیا۔

جہاز کے اندر جو چند لڑکے سلامت تھے، انہوں نے زخمیوں کو نشستوں کے درمیان سے نکالنے کی کوشش کی۔ سخت سردی اور برفانی ہوا کی وجہ سے انہیں ہر کام کے لیے دہری قوت صرف کرنے پڑ رہی تھی۔ جنہیں معمولی زخم آئے تھے وہ بھی ذہنی صدموں سے دوچار تھے۔ جب زخمیوں کو کھینچ کھینچ کر باہر نکالا گیا تو ان کے لیے مزید کچھ نہ کیا جاسکتا تھا۔ میڈیکل کے دونوں طالب علم کینیسا اور زربینو ابھی ناپختہ تھے تیسرا ڈیگو سٹارم ذہنی صدمے سے سنبھل نہیں پایا تھا۔ زربینو ابھی سال اوّل کا طالب علم تھا اور اس میں سے بھی پہلے چھ مہینے اس نے نفسیات اور سوشیالوجی کی کلاسوں میں گذارے تھے۔ کینیسا نے دو سال کی تربیت لی تھی لیکن کل کورس کا یہ ایک چوتھائی حصہ تھی۔ پھر بھی دونوں کو شدید احساس تھا کہ اس صورت حال میں ان پر کیا ذمہ داری آن پڑی ہے۔

کینیسا ایک عورت کے کچلے ہوئے جسم کے معائنے کے لیے گھٹنوں کے بل اس پر جھکا۔ یہ یوجینیا پیریڈ وتھی جو مر چکی تھی۔ اس کے پہلو میں اس کی بیٹی سوسنا پیریڈ وتھی جو زندہ تو تھی لیکن سخت زخمی ہونے کی وجہ سے بے ہوش تھی۔ اس کی پیشانی پر گہرا زخم آیا تھا۔ جس سے خون بہہ بہہ کر

ایک آنکھ کے حلقے میں جمع ہو گیا تھا۔ کینیسا نے خون صاف کیا اور اسے فرش کے اس حصے پر لٹا دیا جس پر نشستوں کے حصے بکھرے نہیں بکھرے ہوئے تھے۔ اس کے قریب ہی ایبل پڑا ہوا ملا۔ اس کی کھوپڑی میں شدید ضرب آئی تھی۔ وہ کچھ کچھ ہوش میں تھا۔ کینیسا اسے دیکھنے کے لیے اس پر جھکا تو اس نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا اور نقاہت کے عالم میں بولا، "مجھے اکیلا نہ چھوڑنا ـــــ دیکھنا مجھے مرنے نہ دینا۔"

اور لوگ بھی مدد کے لیے پکار رہے تھے۔ کینیسا زیادہ دیر اس کے پاس نہیں ٹھہر سکتا تھا۔ اس نے زربینو کو ایبل کے قریب آنے کا اشارہ کیا اور خود نیندو پیریڈو کی طرف بڑھا جو اپنی نشست سے اچھل کر جہاز سے باہر جا گرا تھا۔ اس کا چہرہ خون سے لت پت تھا۔ اور کینیسا نے سوچا کہ شاید وہ مر چکا ہے۔ لیکن اس نے نبض ٹٹولی تو اس کی پوروں کو خون کی مدھم سی گردش محسوس ہوئی۔ پیریڈو زندہ تھا لیکن اس کا زندہ رہنا ناممکنات میں سے تھا اور چونکہ اس کے لیے کچھ نہ کیا جا سکتا تھا، اسے اس کے حال پر چھوڑ دیا گیا۔

ایوجینیا پیریڈو کے قریب ہی دو اور مسافر دم توڑ گئے۔ یہ ڈاکٹر نکولا اور اس کی بیوی تھی دونوں کی نشستیں اکھڑ کر سامنے والی دیوار سے جا ٹکرائی تھیں اور دونوں نے ایک دوسرے کے پہلو میں دم دے دیا تھا۔ عارضی طور پر ان کی نعشیں جہاں پڑی تھیں، پڑی رہنے دی گئیں اور میڈیکل کے طالب علم زندہ رہ جانے والوں کی مدد میں لگ گئے۔ جہاز کی نشستوں کو سروں کے تیل اور چکنائی وغیرہ سے محفوظ رکھنے کے لیے جو کپڑے ڈال دیتے ہیں، انہیں پھاڑ پھاڑ کر انہوں نے پٹیاں بنائیں لیکن اتنے بہت سے زخمیوں کے لیے یہ ناکافی تھیں۔ ایک لڑکے ریفائیل ایشیورن کے دائیں پاؤں کی پنڈلی کا گوشت اڑ گیا تھا اور پوری پنڈلی یوں گھوم گئی تھی کہ اگلا حصہ پیچھے اور پچھلا حصہ آگے چلا گیا تھا۔ ہڈی بالکل صاف نظر آ رہی تھی۔ زربینو نے خون بہاتے حصے کو مضبوطی سے پکڑا، گھما کر اسے اپنی جگہ پر بٹھایا اور پھر ایک سفید قمیض سے اس کی ٹانگ باندھ دی۔

ایک اور لڑکا انریق پلیٹر و خود چل کر زربینو کے پاس آیا۔ اس کے پیٹ میں لوہے کی ایک ٹیوب کھب گئی تھی۔ زربینو اسے دیکھ کر پہلے تو کانپ اٹھا لیکن پھر اسے وہ سبق یاد آئے جس میں پڑھایا گیا تھا کہ ڈاکٹر کا کام اپنے مریضوں میں اعتماد پیدا کرنا ہے۔ چنانچہ اس نے اپنے حواس درست کیے۔ پلیٹرو کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر اپنی آواز میں بھرپور اعتماد پیدا کرتے ہوئے بولا،

"بھئی انریق! تم تو بالکل ٹھیک ٹھاک دکھائی دیتے ہو۔"

"اچھا! تمہاری یہ رائے ہے۔" اپنے پیٹ میں گھسے ہوئے لوہے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بولا۔" اور اس کے بارے میں کیا خیال ہے ؟"

"اس کی فکر نہ کرو۔ تم کافی صحت مند ہو۔ آؤ میرا ہاتھ بٹاؤ"۔ زربنیو بولا۔

پلیٹرو اس کی بات سے مطمئن سا ہو گیا اور نشستوں کی طرف مڑا۔ عین اسی وقت زربنیو نے پھرتی سے ٹیوب پکڑی، اپنا گھٹنا اس کے جسم پر رکھا اور پوری قوت سے ٹیوب باہر کھینچ لی ٹیوب تو باہر آگئی لیکن اس کے ساتھ چھ انچ لمبی ایک آنت بھی تھی۔ پلیٹرو نے مایوسی کے عالم میں اپنے پیٹ کی طرف دیکھا لیکن اس سے پہلے کہ وہ کچھ کہتا۔ زربنیو بولا۔" انرلق۔ شاید تم سوچو کہ تمہاری بری حالت ہے لیکن یہاں تم سے بھی زیادہ زخمی موجود ہیں۔ اس لیے بزدل مت بنو۔ آؤ میری مدد کرو۔ اسے کسی قمیض سے کس کر باندھ لو۔ اسے میں بعد میں دیکھوں گا!"

شکایت کا کوئی حرف زبان پر لائے بغیر پلیٹرو نے اس کے کہے پر سر جھکا دیا کینیسا فرینینڈو ویز کوئیز کی طرف مڑا۔ وہ اس کے ساتھ ہی بیٹھا ہوا تھا کینیسا نے دیکھا کہ جہاز کے ایک پرنے جو ڈھانچہ میں دھنس گیا تھا، اس کی ٹانگ کے دو ٹکڑے کر دیے ہیں۔ ایک بڑی رگ کٹ جانے سے اس کا خون بہہ گیا تھا اور وہ مر چکا تھا۔

نشستیں اکھڑنے اور ایک دوسرے سے ٹکرانے کی وجہ سے زیادہ تر لڑکوں کی ٹانگیں ہی زخمی ہوئی تھیں۔ ایک کی ٹانگ تین جگہوں سے ٹوٹ گئی تھی، اس کا سینہ بری طرح زخمی ہوا تھا اور اب وہ بے ہوش پڑا تھا۔ ہوش میں رہنے والے زیادہ تکلیف میں تھے کہ درد ٹیسیں بن بن کر اٹھ رہا تھا۔ پنچا مینو ایبل، سوسانا پیریڈو اور سب سے بری حالت ادھیڑ عمر کی عورت سنورا ماریانی کی تھی جس کے بارے میں لڑکوں کو کوئی خبر ہی نہیں تھی۔ اس کی دونوں ٹانگیں ٹوٹ گئی تھیں اور وہ ٹوٹی ہوئی کرسیوں کے ڈھیر کے نیچے دبی پڑی تھی۔ وہ مدد کے لیے چلائی لیکن کسی میں اتنا دم خم نہیں تھا کہ وہ اسے کرسیوں کے نیچے سے نکال سکتا۔

للیا نامتھول، جہاز میں موجود پانچویں عورت کا چہرہ خون سے لت پت تھا۔ اسے کافی خراشیں آئی تھیں۔ لیکن زخم معمولی تھے۔ اس کا شوہر جیویر، پنچا ٹو ایبل کا کزن، بھی محفوظ تھا لیکن بلندی کی وجہ سے اس کا سر چکرا رہا تھا اور انفلوئنزا بھی ہو گیا تھا۔ اس نے باقی لوگوں کی مدد کی کوشش کی لیکن اسے چکر پہ چکر آ رہے تھے، قے آتی محسوس ہوتی تھی، اس لیے وہ اپنی جگہ سے ہل نہ سکا۔ دوسروں کی حالت بھی کم و بیش یہی تھی۔ پیڈرو الگورٹا پر مدہوشی طاری تھی۔

جسمانی طور پر وہ ٹھیک تھا اور کرسیاں اٹھا اٹھا کر ایک طرف رکھ بھی رہا تھا لیکن اسے کچھ پتہ نہ تھا کہ وہ ہے کہاں اور کر کیا رہا ہے۔ ایک اور کے سر میں شدید چوٹ آئی تھی۔ اس نے کئی بار جہاز سے بھاگ کر پہاڑ سے اترنے کی کوشش کی۔ لیکن دوسرے اسے پکڑ لیتے۔

جہاز تقریباً ساڑھے تین بجے گرا تھا۔ بادلوں کی وجہ سے روشنی پہلے ہی کم تھی۔ تقریباً چار بجے برفباری بھی شروع ہو گئی۔ پہلے پہل تو برف کے گالے لفافے سے تھے لیکن پھر یہ موٹے موٹے گالوں میں بدل گئے اور پہاڑ نظر آنے بند ہو گئے۔ برفباری کے باوجود مارسیلو پیریز نے ہدایت کی کہ تمام زخمیوں کو اٹھا کر باہر لے جایا جائے تاکہ ڈھانچے میں رہ جانے والی جگہ کو صاف کیا جا سکے۔ یہ ایک عارضی سا بندوبست تھا۔ ان تمام کو یقین تھا کہ اب تک جہاز کی گمشدگی کی خبر مل چکی ہو گی اور امدادی پارٹیاں بس آتی ہی ہوں گی۔

انہوں نے سوچا کہ گروہ ریڈیو سے سگنل بھیجیں تو امدادی پارٹیوں کو تلاش کرنے میں آسانی رہے گی لیکن کرسیوں کا ڈھیر پائلٹ کیبن کے دروازے پر رکاوٹ بنا کھڑا تھا۔ دوسری طرف سے آہوں اور کراہوں سے پتہ چلتا تھا کہ کسی پائلٹ میں زندگی باقی ہے۔ اس لیے ایک لڑکے مونچو سبیلا نے فیصلہ کیا کہ وہ جہاز کے باہر سے پائلٹ کیبن تک جائے اور پائلٹوں سے بات کرے۔

برف پر چلنا ناممکنات میں سے تھا لیکن مونچو نے ایک ترکیب ڈھونڈ نکالی۔ اس نے کرسیوں کے کشن نکالے برف پر ڈالے اور ان پر قدم رکھتا جہاز کے اگلے حصے تک جا پہنچا۔ جہاز کا اگلا حصہ پچک گیا تھا لیکن اوپر چڑھ کر کاک پٹ میں جھانکنا مشکل نہیں تھا۔ مونچو اوپر چڑھا اور کاک پٹ میں جھانک کر دیکھا تو کرنل فیریڈاس اور لیگوریرا کو کرسیوں میں جکڑا ہوا پایا۔ جہاز کے آلات والا بورڈ ان کے سینوں تک پچک گیا تھا۔ فیریڈاس مر چکا تھا لیکن لیگوریرا زندہ تھا۔ اس نے سبیلا کو دیکھا تو مدد کی التجا کی۔ لیکن سبیلا کیا کر سکتا تھا وہ لیگوریرا کو ایک انچ بھی نہیں ہلا سکتا تھا۔ تاہم پانی مانگنے کے جواب میں اس نے تھوڑی سی برف اپنے رومال میں باندھی اور اوپر سے رومال اس کے منہ پر لٹکا دیا۔ پھر اس نے ریڈیو کو ہلایا جلایا لیکن وہ خاموش تھا۔ سبیلا واپس لوٹ آیا اور دوسروں کی حوصلہ افزائی کی خاطر بولا کہ اس نے سانٹیاگو ایئر کنٹرول سے بات کی ہے۔

بعد میں کینیسا اور زربینو سبیلا کی طرح گدیوں پر پاؤں رکھتے آگے گئے اور پائلٹ کو باہر نکالنے کی کوشش کی لیکن وہ ایک انچ بھی نہ ہلا۔ خود لیگوریرا کی نشست فرش سے منسلک تھی۔ وہ اتنا ہی کر سکے کہ لیگوریرا کی پشت سے کرسی کی گدی کھینچ لیں۔ اس طرح

لیگوریرا تھوڑا سا پیچھے ہٹا تو اسے آلات کے بورڈ کے بوجھ سے قدرے نجات ملی۔ جب وہ اسے اس کی نشست سے آزاد کرانے کی کوشش کر رہے تھے، لیگوریرا کے منہ سے بار بار ایک ہی فقرہ نکل رہا تھا، "ہم نے کیوریکو کراس کر لیا تھا، ہم نے کیوریکو کراس کر لیا تھا۔" جب دیکھا کہ کچھ نہیں ہو سکتا تو اس نے لڑکوں سے کہا کہ وہ اس کے بیگ سے اس کا ریوالور اسے لا دیں۔ بیگ کا کوئی اتہ پتہ نہیں تھا لیکن اگر وہ مل بھی جاتا تو زربینو اور کینیسا اسے ریوالور کبھی بھی نہ دیتے کیونکہ کیتھولک عیسائی ہونے کی حیثیت سے ان کے نزدیک خودکشی جرام تھی۔ اس کی بجائے انہوں نے لیگوریرا سے ریڈیو کے استعمال کے بارے میں سوالات کیے تاکہ وہ مدد کے لیے کوئی پیغام بھیج سکیں۔ لیگوریرا انہیں بتاتا رہا اور وہ اس کی ہدایات پر عمل بھی کرتے رہے لیکن ریڈیو خاموش تھا۔

لیگوریرا اپنا ریوالور مانگتا رہا۔ پھر اس نے پانی مانگا۔ کینیسا کاک پٹ سے باہر گیا۔ تھوڑی سی برف لایا اور اس کے منہ میں بھر دی لیکن اس کی پیاس بجھ نہ پائی۔ اس کی ناک سے خون جاری تھا اور کینیسا کو معلوم تھا کہ وہ زیادہ دیر زندہ نہیں رہے گا۔

دونوں ڈاکٹر کرسی کی گدیوں پر قدم رکھتے واپس آئے۔ وہ جہاز کے پچھلے حصے تک گئے اور پھر واپس اس "سرنگ" میں داخل ہو گئے جہاں انسانیت سسک رہی تھی۔ دم توڑ رہی تھی۔

زخمی باہر برف پر لیٹے ہوئے تھے اور جو ٹھیک ٹھاک تھے، جہاز کے اندر رہی سہی کرسیوں کو اکھاڑ کر فرش پر جگہ بنانے کی کوشش کر رہے تھے۔ دن کی روشنی تیزی سے غائب ہو رہی تھی۔ چھ بجے تک چاروں طرف اندھیرا چھا گیا اور درجہ حرارت نقطہ انجماد سے بھی نیچے گر گیا۔ یہ بات واضح تھی کہ اس دن کوئی مدد نہ مل سکتی تھی چنانچہ زخمیوں کو اندر لایا گیا اور زندہ بچ جانے والے بتیس افراد نے رات گذارنے کا اہتمام کرنا شروع کیا۔

○

لیٹنا تو درکنار، وہاں کھڑا ہونے کی جگہ نہیں تھی۔ پائلٹ کیبن سے پچھلے حصے تک جو دم ٹوٹ جانے کی وجہ سے کھلا ہوا تھا، کل بیس فٹ جگہ ہو گی جس میں سے زیادہ ترٹوٹی ہوئی نشستوں کے ملبے نے گھیر رکھی تھی جسے ہٹانے کی قوت لڑکوں میں نہیں تھی۔ انہوں نے ڈھانچے کے دروازے کے پاس بمشکل تھوڑی سی جگہ صاف کی تھی اور زیادہ زخمی لوگوں کو یہیں پر لٹا دیا گیا۔ ان میں سوسنا، اس کا بھائی نینندو پیریڈو اور نیچاٹو ابیل شامل تھے۔ انہیں ایک دوسرے کے پہلو میں افقی طور پر

لٹا یا گیا تھا ــــــ برفباری جاری تھی۔ دروازے سے ہڈیوں کو برفا دینے والی ہوا بدستور اندر آ رہی تھی۔ مارسیلو پیریز نے ایک اور لڑکے کی مدد سے دروازے پر سوٹ کیسوں اور ٹوٹی ہوئی کرسیوں کی مدد سے رکاوٹ کھڑی کرنے کی کوشش کی لیکن ذرا ہوا تیز چلتی تو یہ دیوار نیچے آ جاتی۔

پیریز، ہارلے اور دوسرے صحیح سلامت لڑکے ایک دوسرے سے پیوست ہوئے دروازے کے پاس بیٹھے ہوئے تھے اور خود کو گرم رکھنے کے لیے وہ سوٹ کیسوں اور کرسیوں کی دیوار کو سہارا بھی دیے ہوئے تھے لیکن وہ بار بار گرتی اور وہ پھر سے انہیں ایک دوسرے پر جما دیتے۔

سب سے آرام دہ جگہ پائلٹ کیبن کے ساتھ سامان رکھنے والی جگہ تھی کہ یہاں ہوا بہت کم تھی۔ للیانہ متھول سمیت جتنے لوگ یہاں سما سکتے تھے، سما گئے۔ یہاں بھی منڈوزا شراب کی بوتلیں چل رہی تھیں۔ جو باقی بچ رہے وہ سکڑ سکڑا کر نشستوں میں دبک گئے۔ کچھ لڑکوں نے آدھے بازوں کی قمیضیں پہن رکھی تھیں۔ گرم رہنے کے لیے وہ ایک تو منڈوزا شراب حلق میں انڈیل رہے تھے دوسرے ایک دوسرے کے جسموں کی مالش کرتے جاتے تھے۔ کبھی کبھار وہ ایک دوسرے کو ہلکے ہلکے مکے بھی مارتے کہ گرم رہنے کا یہ بھی ایک بہانہ تھا۔

اچانک کینیسا کو ایک تدبیر سوجھی۔ اس نے دیکھا کہ نشستوں کی فیروزی رنگ کی گدیاں اور ان کے پوشش ایک زپ سے کرسیوں سے منسلک تھے۔ انہیں اگر کسی طرح الگ کر لیا جاتا تو وہ چھوٹی چھوٹی چادروں اور کمبلوں کا کام دے سکتی تھیں۔ نقطہ انجماد سے بھی نیچے درجہ حرارت میں ان کی کوئی حیثیت نہیں تھی لیکن کچھ نہ ہونے سے کچھ ہونا تو بہتر تھا۔

سردی سے بھی زیادہ وحشت ناک وہ کیفیت تھی جو اس اندھیرے جہاز میں ماحول پر طاری تھی ــــــ گھپ اندھیرا، ہڈیوں کو چیرتی سنسناتی ہوا، اور اس پر درد کی کراہیں، سسکیاں۔ ہر کوئی یہ سمجھ رہا تھا کہ اسے سب سے زیادہ چوٹ آئی ہے۔ ایک لڑکا، جس کی ٹانگ ٹوٹ گئی تھی، سب سے زیادہ آہ و زاری کر رہا تھا۔ جو نہی کوئی اس کے قریب آتا وہ زور زور سے چلاتا اور گالیاں بکنا شروع کر دیتا۔ اس کا خیال تھا کہ جو بھی اس کے پاس آیا وہ ضرور اس کی ٹانگ پر پاؤں رکھ دے گا وہ خود تو چلاتا رہا لیکن جب اسے پیاس نے ستایا تو وہ دوسروں کی پرواہ کیے بغیر انہیں پھلانگتا جہاز سے باہر گیا کہ کچھ برف کھا کر پیاس بجھا سکے۔ مارسیلو پیریز نے بڑی مشکلوں سے اسے واپس اس کی جگہ پر پہنچایا۔ ادھر رائے ہارلے پر جھنجلاہٹ طاری تھی۔ وہ کتنی ہی بار دروازے پر دکھی رکاوٹ کھڑی کر چکا تھا لیکن وہ ہر بار گر جاتی۔

سامان والے حصے کے قریب ٹیگو برا کی چیخیں صاف سنائی دے رہی تھیں۔ وہ کبھی تو بڑبڑاتا۔ "ہم کیوریکو سے گذر آئے تھے، ہم کیوریکو سے گذر آئے تھے"۔ کبھی پکارتا "پانی، پانی، ہائے پانی"۔ اور پھر مایوسی کے عالم میں التجائیں کرتا کہ کوئی اسے اس کا ریوالور دے دے۔

مسافروں کے کیبن میں سب سے دلدوز چیخیں سنیورا ماریانی کی تھیں۔ وہ اپنی ٹوٹی ہوئی ٹانگوں سمیت ابھی تک کرسیوں کے ملبے کے نیچے دھنسی ہوئی تھی۔ ایک آدھ بار اسے نکالنے کی کوشش بھی کی گئی لیکن بے سود۔ جب وہ اسے نکالنے کی کوشش کرنے لگے تو اس کی چیخیں اور بلند ہو گئیں اور وہ بولی کہ اگر انہوں نے اسے گھسیٹ کر نکالا تو وہ مر جائے گی۔ صبح کے انتظار میں کوششیں ترک کر دی گئیں تاہم اس کا جی رکھنے کو ربفائیل شیلو یرن (جس کی پنڈلی ٹوٹ کر گھوم گئی تھی) اور مونچھ سبیلا نے اس کے ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لے لیے اور اسے تسلیاں دینے لگے۔ کچھ دیر تو وہ بے چاری چپ رہی لیکن درد کے ہاتھوں مجبور ہو کر پھر چیخنے چلانے لگی۔

"خدا کے لیے چپ ہو جاؤ۔ اوروں کی بھی یہی حالت ہے"۔ جہاز کے پچھلے حصے سے کسی کی ڈانٹ سنائی دی۔

اس پر اس کی چیخ و پکار اور بھی بڑھ گئی۔

"شٹ اپ" کار لیٹو زینیر چلایا۔ "ورنہ میں آکر تمہارا منہ توڑ دوں گا"۔

لیکن وہ روتی رہی، سسکتی رہی یہاں تک کہ نقاہت سے اس پر غنودگی طاری ہو گئی ——— لیکن پھر ایک لڑکے نے جو دروازے کی طرف جانے کی کوشش کر رہا تھا، اس کے جسم پر پیر رکھ دیا اور وہ پھر چیخنے لگی "یہ مجھے مار ڈالے گا او، اسے پکڑ لو"۔ وہ ہذیانی حالت میں کہے جا رہی تھی۔

اس "قاتل" ایڈورڈ وسٹراچ کو اس کے کزن نے کھینچ کر فرش پر بٹھا لیا۔ وہ کچھ دیر تو بے سدھ بیٹھا رہا لیکن پھر ایسے اٹھا جیسے کوئی سوتے میں چلتا ہو، اس نے دوسروں کے جسموں پر پیر رکھتے ہوئے کرسیوں کے ڈھیر پر چڑھنا شروع کر دیا۔ اس کوشش میں اس کا پیر عملے کے ایک رکن کارلوس روق پر جا پڑا۔ وہ جہاز میں مکینک تھا۔ اس پر پیر رکھا گیا تو خالص فوجی انداز میں چلایا، "اپنی پہچان کراؤ، اپنی پہچان کراؤ ——— میں کہتا ہوں اپنے کاغذات نکالو"۔

لیکن جب ایڈورڈ وسٹراچ نے اپنا پاسپورٹ اسے نہ دکھایا اور بدستور دروازے کی طرف جانے کی کوشش میں اس کے جسم سے ٹکراتا رہا تو وہ چیخا، "مدد، مدد یہ پاگل ہے، یہ

پاگل ہے۔ یہ مجھے مار ڈالے گا۔"

ایڈورڈ وسٹراچ کے کزن نے ایک بار پھر ہمت کی اور اسے کھینچ کر اپنے پاس گرا لیا۔

جہاز کے ایک اور حصے میں ایک لڑکا پونچو ڈیلگاڈو اچانک اٹھا اور یہ کہتے ہوئے دروازے کی طرف چلا یا، "میں ذرا دکان تک جا رہا ہوں ــــ کوکا کولا لے کر ابھی لوٹا۔"

کارلیٹو ز پیئز بولا، "جا تو تم رہے ہو۔ میرے لیے سوڈا واٹر لیتے آنا۔"

کہتے ہیں نیند کانٹوں پر بھی آ جاتی ہے۔ اس وحشت ناک ماحول میں بھی چند لڑکوں نے پلکیں موند لیں اور کچھ اونگھ بھی لیئے۔ لیکن رات بہت طویل تھی۔ آہیں اور سسکیاں جاری تھیں۔ کچھ خاموشی ہوتی تو کسی کو پیاس ستاتی۔ گھپ اندھیرے میں وہ دروازے کی طرف جانے کی کوشش کرتا کہ برف کھا کر پیاس بجھائے۔ ہاتھ کو ہاتھ سجھائی نہ دیتا تھا۔ کسی کے ہاتھ پر پاؤں پڑتا کسی کے منہ پر اور پھر چیخ و پکار کا سلسلہ جاری ہو جاتا۔ جو ٹھیک ٹھاک تھے وہ بھی سبک رہے تھے۔

جو جاگ رہے تھے، جڑے بیٹھے تھے مصنوعی رکاوٹ کے علاوہ جہاز کے ڈھانچے کی دیواروں میں جو سوراخ ہو گئے تھے، ہوا ان سے بھی اندر آ رہی تھی۔ سب سے زیادہ تکلیف میں وہ تھے، جو دروازے کے قریب بیٹھے تھے۔ ان کے جسم سُن ہو چکے تھے اور برف کے گالوں سے ان کے رخسار جلنے لگتے تھے۔ وہ ایک دوسرے کے ہاتھ اور پیر ملتے کہ گردش خون جاری رہے۔ سب سے بُری حالت نینڈو پیریڈو، اس کی بہن سوسنا اور ایبل کی تھی۔ وہ ایک دوسرے کی کوئی مدد نہیں کر سکتے تھے۔ زخم تینوں کے گہرے تھے لیکن صرف نینڈو بے ہوش تھا، دکھوں سے بے نیاز وہ بے سدھ پڑا تھا۔ ایبل بے بسی سے پکارتا، "مدد، مدد۔ اف کتنی سردی ہے۔ خدا کے لیے مدد مدد۔" لیکن کون اس کی مدد کو آتا۔

سوسنا بار بار ماں کو پکار رہی تھی، "ماں ــــ ماں۔ آؤ یہاں سے چلیں ــــ ماں یہ بھی کوئی جگہ ہے۔ آؤ بھاگ چلیں۔ ماں۔ ماں۔ آؤ گھر چلیں ــــ ماں ــــ ماں" ــــ

پھر وہ نرسری سکول کا کوئی گیت الاپنے لگتی۔

رات کو میڈیکل کے تیسرے طالب علم ڈیگو سٹارم کو خیال آیا کہ نینڈو پیریڈو کو زیادہ زخم نہیں آئے اسے ذہنی صدمہ زیادہ پہنچا ہے۔ اس نے اپنے ساتھیوں سے بات کی، اسے کھینچ کر اپنے درمیان لٹایا اور مالش کر کر کے اسے گرم کرنے کی کوشش کرنے لگے۔

رات ختم ہونے کا نام نہ لیتی تھی۔ ایک بار تو زربینو سمجھا کہ شاید صبح ہو گئی۔ مصنوعی دیوار سے

اسے سحر کی کچھ سپیدی نظر آئی تھی۔ اس نے گھڑی کے ڈائل پر نگاہ ڈالی تو ابھی رات کے صرف نو بجے تھے بعد میں جہاز کے درمیانی حصے میں کچھ لوگوں کو یوں لگا جیسے باہر انہوں نے کسی اجنبی کی آواز سنی ہے وہ سمجھے کہ شاید کوئی امدادی پارٹی آن پہنچی لیکن بعد میں معلوم ہوا کہ یہ سوسنا تھی جو انگریزی میں دعائیں مانگ رہی تھی۔

○

بالآخر صبح ہوئی۔ ۱۴ اکتوبر کا سورج طلوع ہوا تو انہوں نے دیکھا کہ برفباری سے فیرچائلڈ کا آدھا ڈھانچہ برف میں چھپ گیا ہے۔ یہ ڈھانچہ ساڑھے گیارہ ہزار فٹ کی بلندی پر چلی کے ٹنگوی ریریکا کے آتش فشاں پہاڑ اور ارجنٹینا کے کیرو سوسنیاڈو کے پہاڑ کے درمیان پڑا تھا۔ یہ انڈیز کے وسط میں تباہ ہوا تھا۔ تاہم اس کی پوزیشن ارجنٹینا کی سرحدوں سے قریب تھی۔ ڈھانچہ ترچھا پڑا ہوا تھا۔ اس کی ناک زمین میں دھنس گئی تھی جس کا رخ نیچے کی طرف تھا جہاں وادی گہری ہوتی چلی گئی تھی۔ باقی تین اطراف میں برف کی دبیز تہوں کے اس پار بلند ہوتے پہاڑوں کی دیواریں تھیں۔ ڈھلانیں بالکل عمودی نہیں تھیں لیکن ان کے پھیلاؤ سے خوف آتا تھا۔ کہیں کہیں آتش فشانی چٹانوں کا مٹیالا یا سرخ ساحصہ بھی نظر آتا تھا لیکن روئیدگی کہیں نہ تھی۔ کوئی گھانس پھونس، کوئی جھاڑی، کوئی پودا، کچھ نہیں تھا۔ جہاز جہاں گرا تھا وہ صرف پہاڑ ہی نہیں صحراؤں کا منظر بھی پیش کر رہا تھا۔

سب سے پہلے ٹیم کیپٹن مارسیلو پیریز اور ایک اور کھلاڑی رائے ہارلے باہر آئے۔ تمام رات وہ جس رکاوٹ کو کھڑی کرنے کی کوشش کرتے رہے تھے، اسے انہوں نے ٹھوکروں سے اڑا دیا۔ باہر نکلے تو دیکھا کہ برفباری تھم چکی ہے تاہم آسمان پر بادل چھائے ہوئے تھے۔ کہر اور پالے کی وجہ سے برف جم چکی تھی اور وہ اس قابل تھے کہ ادھر ادھر چل پھر کر صورت حال کا جائزہ لے سکیں۔

ڈھانچے کے اندر کینیسا اور زربینو نے پھر زخمیوں کا معائنہ شروع کیا تو دیکھا کہ رات رات میں تین اور افراد لقمہ اجل بن گئے تھے۔ پنچائتو ابل سوسنا پیریڈو کے جسم پر ساکت پڑا تھا۔ سردی سے اس کے پیر کالے ہو گئے تھے۔ ایک لمحے کو انہوں نے سمجھا کہ سوسنا بھی مر چکی ہوگی لیکن جب انہوں نے ابل کو ہٹایا تو دیکھا کہ وہ ابھی زندہ تھی اور ہوش میں تھی۔ سردی کی وجہ سے اس کے پیر بھی نیلے

پڑ چکے تھے۔ اور وہ کہہ رہی تھی۔ " ماں ـــــ ماں، میرے پیر دکھ رہے ہیں۔ ماں آؤ گھر چلیں، تم بولتی کیوں نہیں؟"۔ ماں ہمیشہ ہمیشہ کے لیے خاموش تھی۔

کینیسا سوسنا کی کچھ مدد نہ کر سکتا تھا۔ پالے سے اس کے پاؤں منجمد ہو گئے تھے۔ اس نے مالش کر کر کے ان میں خون کا دوران جاری کرنے کی کوشش کی لیکن کوئی فائدہ نہ ہوا۔ اس نے اس کی آنکھوں پر لگے خون کے لوتھڑے ہٹائے تو سوسنا اسی بات پر خوش ہو گئی کہ اس کی بینائی باقی تھی اور وہ مری نہیں تھی۔ اس نے کینیسا کا شکریہ ادا کیا۔ کینیسا کو معلوم تھا کہ اس کے چہرے پر آنے والی خراشیں تو معمولی ہیں، اسے زیادہ تر گم چوٹیں آئی تھیں ـــــ لیکن وہ کر کیا سکتا تھا۔ جہاز میں کوئی سہولت تھی نہ دوائیں۔ صرف وہ گولیاں میسر تھیں جو کارلیٹوس پیئیز نے منڈوزا میں خریدلی تھیں یا پھر ایک بیگ سے لبریم اور ویلیم کی کچھ گولیاں ملی تھیں۔ جن کے بازو یا ٹانگیں ٹوٹ گئی تھیں، انہیں سہارا دے کر باندھنے کے لیے کھپچیاں تک نہیں تھیں اس لیے کینیسا نے ایسے تمام لوگوں کو ہدایت کی کہ وہ سوجن کم کرنے کے لیے اپنے ٹوٹے ہوئے اعضا برف پر رکھیں۔ نشستوں پر پڑے ہوئے کپڑوں سے جو پٹیاں بنائی گئی تھیں، کینیسا انہیں زور سے باندھتے ہوئے بھی ڈرتا تھا، مبادا سخت سردی میں خون کی گردش ہی رک جائے۔

جب وہ سنورا ماریانی کے پاس آیا تو سمجھا کہ شاید وہ مر چکی ہے وہ گھٹنوں کے بل جھکا اور اسے نکالنے کی کوشش کی لیکن وہ چیخ اٹھی۔ "مجھے مت ہاتھ لگاؤ ـــــ تم مجھے مار ڈالو گے۔ دور رہو مجھ سے۔" کینیسا اسے چھوڑ کر چلا گیا ـــــ وہ دوبارہ اس کے پاس آیا تو وہ کھوئی کھوئی نظروں سے چھت کو گھور رہی تھی اور خاموش تھی۔ کینیسا نے اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالیں تو اس نے حسرت سے اسے دیکھا اور اس کی پتلیاں چڑھ گئیں۔

کینیسا کا تجربہ زربینو سے ایک سال زیادہ تھا لیکن وہ کسی کے بارے میں یہ کہنے کی ہمت نہ پاتا تھا کہ فلاں مر گیا۔ اس نے زربینو کو بلایا اور ماریانی کا خیال رکھنے کو کہا ـــــ زربینو اس پر جھکا اور کان اس کے سینے سے لگا کر دل کی دھڑکنیں سننے کی کوشش کی لیکن وہ اپنی زندگی پوری کر چکی تھی۔ تب لڑکوں نے نائلن کی ایک بیلٹ نکالی، اس کے شانوں میں پھنسائی اور دو تین نے مل کر اسے کرسیوں کے ملبے سے باہر کھینچا اور باہر برف پر لٹا دیا ـــــ انھوں نے کارلیٹوز پیئیز کو بتایا کہ ماریانی مر گئی تو وہ چہرہ اپنے ہاتھوں میں چھپا کر رونے لگا۔ وہ گذشتہ رات کہے گئے سخت الفاظ پر نادم تھا۔

گستاف زربنیو نے انرلیق پلیپٹرو کے پیٹ کا معائنہ کرنے کے لیے پٹی کھولی گذشتہ روز اس کے پیٹ سے لوہے کی ٹیوب نکال کر باندھی گئی تھی۔ اب جو قمیض کی پٹی کھولی تو دیکھا کہ ٹیوب کے ساتھ باہر آنے والی آنت ویسے ہی لٹک رہی ہے اور اس سے خون رس رہا ہے۔ خون روکنے کے لیے زربنیو نے اسے ایک دھاگے سے کس کر باندھ دیا اور جراثیم کا اثر روکنے کے لیے زخم پر یوڈی کلون چھڑک دیا پھر اس نے پلیپٹرو کو کہا کہ وہ اس آنت کو پیٹ میں واپس ڈالنے کی کوشش کرنے۔ پلیپٹرو نے بڑے صبر کے ساتھ یہ کارروائی برداشت کی اور اس کے کہے پر عمل کرنے لگا۔

دونوں ڈاکٹروں کو ایک "نرس" کی خدمات بھی میسر آگئیں۔ للیانہ متھول کا چہرہ گرچہ خراشوں سے نیلا پڑ گیا تھا لیکن حتی المقدور وہ ان کی مدد کر رہی تھی۔ وہ سانولے رنگ کی چھوٹے سے قد کی عورت تھی اس نے ساری عمر اپنے شوہر کی خدمت اور چار بچوں کی پرورش میں گذار دی تھی۔ شادی سے پہلے جیویر کو ایک حادثہ پیش آیا تھا۔ وہ موٹر سائیکل سے گرا تھا اور ایک کار اس کے اوپر سے گذر گئی تھی۔ وہ کئی ہفتے بے ہوش رہا اور ہوش میں آنے کے بعد بھی کئی ماہ ہسپتال میں رہا۔ اس کی یادداشت مکمل طور پر کبھی واپس نہ آئی۔ اس کی دائیں آنکھ کی بینائی بھی جاتی رہی تھی۔ اس کی بدقسمتی کی داستان یہیں پر ختم نہیں ہوتی تھی۔ جب وہ اکیس سال کا تھا تو اس کے خاندان نے تمباکو کی پیداوار اور مارکیٹنگ میں اعلیٰ تعلیم کے لیے اسے کیوبا اور پھر امریکہ بھجوایا۔ شمالی کیلیفورنیا کے ایک قصبے ولیس میں ایک طبی معائنے کے دوران اسے بتایا گیا کہ اسے ٹی بی دق ہے۔ اس وقت وہ اس بیماری کے اس مرحلے میں تھا کہ اس کے لیے یوراگوئے واپس آنا مشکل تھا۔ چنانچہ اسے پانچ مہینے شمالی کیلیفورنیا کے ایک سینی ٹوریم میں گذارنے پڑے۔ واپس آکر بھی چار مہینے وہ بستر پر پڑا رہا۔ یہاں اس کی گرل فرینڈ متھول للیانہ اس کی عیادت کو آیا کرتی اور اس کا حوصلہ بڑھایا کرتی۔ وہ بیس سال کی عمر سے اسے جانتا تھا۔ ۱۶ر جنوری ۱۹۶۰ کو ان کی شادی ہو گئی۔ ہنی مون منانے کے لیے وہ برازیل گئے۔ اس کے بعد سے وہ صرف ایک دفعہ پردیس گئے تھے اور جنوبی ارجنٹینا میں جھیلیں دیکھ کر آئے تھے۔ اب وہ دونوں اپنی شادی کی بارہویں سالگرہ منا رہے تھے جیویر للیانہ کو چلی کی سیر کے لیے لے جا رہا تھا۔ حادثے کے بعد سب سے پہلے للیانہ ہی نے محسوس کیا کہ جیویر متھول کو بلندی کی وجہ سے چکر آ رہے ہیں۔ اسے متلی محسوس ہوتی تھی، سر چکراتا تھا، دل گھبراتا تھا۔ نقاہت حد سے زیادہ تھی۔ اس کے قدم بوجھل بوجھل تھے اور دماغ سو گیا تھا۔ اسے کہیں بھی جانا ہوتا، للیانہ اسے سہارا دیتی لے جاتی اور مسلسل حوصلہ بڑھاتی۔

دوسرے لڑکوں کے لیے بھی وہ شفقت اور راحت کی علامت تھی۔ ان میں سے اکثر کی عمر بیس سال سے زائد نہیں تھی اور زیادہ تر ایسے تھے جن کی مائیں اور بہنیں ابھی تک ان کے نخرے برداشت کرتی تھیں وہ چھوٹی چھوٹی چیزوں پر مچلتے تھے۔ مایوسی اور وحشت بھرے اس ماحول میں فطری طور پر ان کی نظریں لِلیانہ کی طرف ہی اٹھتی تھیں جو سوسنا کے بعد زندہ رہ جانے والوں میں واحد عورت تھی وہ ان کی پکار کا جواب دیتی۔ شفقت سے بات کرتی اور ان کے حوصلے بڑھانے میں لگی رہتی۔ پہلی رات تو مارسیلو اور اس کے دوستوں کے کہنے پر وہ جہاز کے بہتر حصے میں جا لیٹی لیکن دوسری رات اس نے اصرار کیا کہ اس سے باقی لوگوں جیسا سلوک ہی کیا جائے۔ گرچہ کچھ لڑکوں کا کہنا تھا کہ عورت ہونے کے ناطے اسے الگ جگہ دی جائے لیکن جگہ کی کمی کی وجہ سے انہیں خود ہی احساس ہو گیا کہ محض جنس کی بنیاد پر کسی سے بھی ترجیحی سلوک نہیں کیا جا سکتا تھا۔

ڈاکٹروں اور نرس کو پندرہ کھلاڑیوں میں سے سب سے کم عمر انطونیو وزنطین کی طرف متوجہ کیا گیا۔ یوں معلوم ہوتا تھا کہ اسے کوئی دماغی چوٹ آئی ہے۔ وہ گم سم تھا۔ اور اسے سامان والے حصے میں لوا ڑ پر لٹایا گیا تھا۔ حادثے کے دوسرے دن اس کی آستین سے خون بہتا دیکھا گیا۔ اس سے پوچھ گچھ ہوئی تو بولا کہ نہیں میں ٹھیک ٹھاک ہوں۔ لیکن للیانہ نے اس کی جیکٹ ہٹا کر دیکھی تو قمیض خون میں تر تھی۔ دونوں ڈاکٹروں کو بلایا گیا۔ جیکٹ اتارنے کی کوشش ناکام ہو گئی تو ایک چھوٹے سے چاقو سے اسے کاٹ دیا گیا۔ جونہی قمیض ہٹائی تو خون کا ایک فوارہ ابل پڑا۔ انہوں نے ٹورنی کیٹ باندھا۔ معلوم ہوا کہ اس کی ایک رگ بھی کٹ گئی ہے۔ ڈاکٹر جانتے تھے کہ وہ زیادہ دیر نہیں جی سکے گا جو کچھ ان کے بس میں تھا انہوں نے کیا اور پھر بے کسی کے عالم میں اسے دوبارہ لوا ڑ پر لٹا دیا۔ وزنطین کو کوئی درد محسوس نہ ہوتا تھا البتہ نقاہت کی وجہ سے وہ بیٹھ بھی نہیں سکتا تھا۔

ان کا آخری راؤنڈ پائلٹ کیبن کی طرف تھا۔ صبح سویرے سے ہی کاک پٹ سے کوئی آواز نہیں آئی تھی جب وہ سامان والے حصے سے بمشکل راستہ بناتے کاک پٹ میں پہنچے تو دیکھا لیگوریرا مر چکا تھا اور اس کے ساتھ ہی وہ امید بھی جو لیگوریرا کے ہونے سے باقی تھی کہ شاید ریڈیو کو استعمال کیا جا سکے۔ عملے کا ایک اور رکن روق زندہ تو تھا لیکن حادثے کے بعد سے وہ مسلسل رو رہا تھا۔ اسے اپنے جسم پر کوئی کنٹرول نہیں تھا۔ کئی بار اس نے اپنے کپڑے گیلے کیئے اور ان کا احساس بھی اسے تب ہوتا جب ارد گرد کے لڑکے اسے برا بھلا کہتے یا کوئی اس کے کپڑے تبدیل

کر دیا تا۔ وہ یوراگوئے ایئر فورس سے متعلق تھا۔ مارسیلو پیریز نے اس سے پوچھا کہ کیا جہاز میں ایمرجنسی کے لیے کوئی راشن یا روشنی کے گولے ہیں جنہیں چھوڑ کر ارد گرد سے کوئی مدد منگوانے کا بندوبست کیا جا سکتا۔ رودق کا جواب نفی میں تھا۔ پوچھا گیا کہ ریڈیو کو کس طرح چالو کیا جا سکتا تھا ــــ اس نے بتایا کہ اس کے لیے جہاز کی بیٹریوں کی ضرورت تھی جو الگ ہو جانے والی دم میں رکھی ہوئی تھیں۔

مارسیلو کو یقین تھا کہ جلد ہی امدادی پارٹیاں انہیں لینے آ پہنچیں گی۔ اس لیے وہ زیادہ فکرمند نہیں تھا۔ تاہم اس بات پر اُمس نے اصرار کیا کہ بچ رہنے والی چیزوں کا ذخیرہ کیا جائے اور کھانے پینے کی تمام چیزیں حساب سے بانٹی جائیں۔ چنانچہ مارسیلو نے کھانے پینے کی تمام اشیاء کی جو کیبن یا سوٹ کیسوں سے ملی تھیں، ایک فہرست تیار کی۔ ان اشیاء میں شراب کی وہ بوتلیں بھی تھیں جو پائلٹوں نے منڈوزا میں خریدی تھیں لیکن پانچ بوتلیں وہ راتوں رات پی گئے تھے، صرف تین باقی بچی تھیں۔ ایک وسکی کی بوتل تھی، ایک چیری برانڈی کی اور ایک کریم ڈی منیتھی کی ــــ ایک وسکی کا فلاسک بھی تھا جو آدھا پیا جا چکا تھا۔

خوراک میں ان کے پاس چاکلیٹ کی آٹھ ٹکیاں تھیں۔ چینی کی ٹافیوں کی قسم کی پانچ ٹکیاں جلی ہوئی شکر کی کچھ ٹافیاں، کچھ کھجوریں اور سوکھے ہوئے آلو بخارے جو کیبن کے فرش پر بکھر گئے تھے اور بعد میں سمیٹے گئے، نمکین بسکٹوں کا ایک ڈبہ، نمک لگے باداموں کا ایک ٹن اور ناشپاتی، سیب اور سیاہ بیری کے جام کا ایک ایک ڈبہ۔ اٹھائیس آدمیوں کے لیے یہ خوراک کئی دن چلتی؟ اور چونکہ یہ معلوم نہیں تھا کہ امدادی پارٹیاں کب تک آئیں گی۔ فیصلہ کیا گیا کہ جتنے دن یہ چیزیں چل سکیں، انہیں چلایا جائے۔ چنانچہ اس دن دوپہر کے کھانے میں مارسیلو نے ان سب میں چاکلیٹ کا ایک ایک اِنچ مربع ٹکڑا اور ایک چھوٹے ڈبے کے ڈھکن کے برابر شراب تقسیم کی۔

اس دن انہیں ایک جہاز کی آواز بھی سنائی دی لیکن گہرے بادلوں کی وجہ سے کچھ نظر نہ آسکا۔ امید و بیم کی حالت میں پھر رات کی تاریکیاں چھا گئیں۔ یوں لگا جیسے دن کے اجالے معمول سے بہت پہلے رخصت ہو گئے ہوں انہوں نے سونے کی تیاریاں کیں ــــ اس رات وہ پہلے کی نسبت بہتر تھے۔ ایک تو انہوں نے جہاز میں کافی جگہ بنالی تھی، دوسرے ان کی تعداد بھی گذشتہ روز کی نسبت کم تھی۔

۱۵ اکتوبر اتوار کی صبح کو جہاز سے باہر آنے والوں نے دیکھا کہ حادثے کے بعد پہلی مرتبہ آسمان صاف تھا۔ تیز چمکتی دھوپ نکلی ہوئی تھی۔ اپنی بے چارگی کے باوجود انہیں وادی کا حسن نکھر انکھرا لگا۔ برف کی اوپری سطح رات بھر کے پالے کی وجہ سے سخت ہوگئی تھی اور برف کے ذرات دھوپ کو منعکس کر رہے تھے۔ ان کے چاروں طرف پہاڑ تھے اور دن کے اجالوں سے ان کے وقار میں اور بھی اضافہ ہو گیا تھا۔ فاصلے سرابوں سے بدل گئے تھے آسمان سے باتیں کرتی چوٹیاں قریب دکھائی دیتی تھیں۔

روشن روشن آسمان سے انہیں یہ امید ہو چلی کہ اس دن تو کوئی نہ کوئی امدادی پارٹی ضرور ان تک پہنچ جائے گی یا کم از کم انہیں فضا میں تلاش کو آئے ہوئے طیارے تو دیکھ ہی لیں گے۔ اس دوران انہوں نے ان مسائل کی طرف توجہ دی جو انہیں درپیش تھے۔ سب سے اہم ضرورت پانی کی تھی برف بڑی مشکلوں سے پگھلتی تھی اور اگر برف کھا کر پیاس بجھانے کی کوشش کی جاتی تو پورا منہ سُن ہو کر رہ جاتا تھا۔ اب تک وہ دو طریقے آزما رہے تھے یا تو برف کو دبا کر گیند سی بنا لیتے اور پھر اسے چوستے یا پھر برف ایک بوتل میں ڈال کر اسے ہلاتے یہاں تک کہ برف پگھل جاتی۔ یہ دوسرا طریقہ مشکل تھا۔ ایک تو اس میں وقت بہت لگتا تھا دوسرے توانائی خاصی صرف ہو جاتی تھی اور اس کے باوجود جو پانی ملتا وہ بمشکل ایک آدمی کے لیے کافی ہوتا پھر جو زخمی تھے، یہ طریقہ اپنا ہی نہیں سکتے تھے۔ نیلندو پیرپڈو، سوسنا اور روز نطین زخمی تھے، ان کا خاصا خون بہہ چکا تھا اور انہیں پانی کی طلب بھی سب سے زیادہ ہوا کرتی۔

آخر کار اڈولف سٹراچ نے پانی بنانے کی ایک ترکیب نکالی۔ اڈولف جو فیٹو کے نام سے پکارا جاتا تھا، اولڈ کرسچن کلب کا ممبر تھا۔ تاہم مونٹی ویڈو میں کھیلتا مخالف ٹیم کی جانب سے تھا۔ وہ چلی جانے والوں میں اپنے کزن ایڈورڈ سٹراچ کے اصرار پر آخری لمحوں میں شامل ہوا تھا۔ دونوں کے باپ سگے بھائی تھے اور دونوں کی مائیں بھی آپس میں سگی بہنیں تھیں۔ سٹراچ خاندان انیسویں صدی میں جرمنی سے یوراگوئے آکر آباد ہوا تھا اور یہاں کی بنکنگ اور صابن بنانے کی صنعت میں روپیہ لگا کر کافی بڑے کاروبار کا مالک بن گیا تھا ایڈورڈ سٹراچ اور اڈولف سٹراچ کے والدین صراف تھے اور کچھ دنوں پہلے تک مشترکہ کاروبار کرتے تھے۔ دونوں لڑکوں کے بال سنہرے تھے۔ دونوں خوبصورت تھے اور خدوخال میں جرمن نسل کا رنگ نمایاں تھا بلکہ ایڈورڈ کو تو لوگ 'جرمن' کہہ کر ہی پکارتے تھے۔ دونوں ایک دوسرے کے بہت قریب تھے۔ کزن کی بجائے بھائیوں کی طرح رہتے تھے۔ ایڈورڈ پر ماہر تعمیرات بننے کی دھن سوار تھی اور اس سلسلے میں

وہ یورپ کا ایک سفر بھی کر آیا تھا لیکن فیٹو مزاج کا شرمیلا تھا اور ابھی تک زندگی گذارنے کے ڈھنگ کے بارے میں کوئی فیصلہ نہ کر پایا تھا۔ وہ دیہی معیشت کا طالب علم تھا۔ اسے اس کے علاوہ کسی اور چیز سے دل چسپی تھی بھی نہیں۔ اس کے گھر والے ایک مویشی پال کھیت کے مالک تھے اور اس کی ساری دلچسپیاں اسی سے متعلق تھیں۔ اس سفر سے پہلے اس نے کبھی یوراگوئے سے باہر قدم نہیں رکھا تھا۔

حادثے کے وقت دونوں بے ہوش ہو گئے تھے۔ جب ہوش میں آئے تو ذہنی طور پر انہیں اتنا سخت صدمہ پہنچ چکا تھا کہ کچھ معلوم نہ تھا کہ وہ کہاں ہیں اور کیا کر رہے ہیں۔ فیٹو نے بار بار جہاز سے باہر جانے کی کوشش کی اور پہلی رات کو روق اور ماریانی کے ہاتھ پیر کچلنے والا ایڈورڈ تھا۔ ان دونوں کو ان کے تیسرے کزن دانیال فرنینڈیز نے روکے رکھا۔ وہ ان کے باپ کی بہن کا بیٹا تھا۔

اتوار تک فیٹو کی حالت اتنی سنبھل چکی تھی کہ وہ اس مشکل کو سمجھ سکتا جو انہیں برف سے پانی بنانے میں پیش آ رہی تھی۔ چنانچہ اس نے اس مسئلے پر دماغ سوزی شروع کی۔ سورج خوب دھوپ دے رہا تھا اور وقت کے ساتھ ساتھ اس کی کرنوں میں حدت آتی جا رہی تھی اور وہ برف جو گذشتہ رات کی سردی سے جم کر سخت ہو گئی تھی، پگھلنے لگی تھی۔ اسے دیکھ کر فیٹو کو خیال آیا کہ پانی بنانے کے لیے شمسی توانائی کا استعمال کیا جائے۔ اس نے ادھر ادھر دیکھا۔ اس کی نظر نشستوں کے پیچھے لگے ہوئے المونیم کے ایک ٹکڑے پر پڑی ــــ اس نے ایک نشست کا پوشش پھاڑا اور پشت پر لگا ہوا المونیم کا پورا ٹکڑا باہر نکال لیا۔ اس کی لمبائی دو فٹ اور چوڑائی ایک فٹ تھی۔ اس نے اس کے کنارے موڑے اور ایک برات کی شکل بنائی۔ پھر ایک کونے میں پانی کے بہنے کا رستہ سا بنایا۔ پھر اسے برف سے بھرا اور سورج کی طرف رخ کر کے بیٹھ گیا۔ تھوڑی دیر میں پانی کے قطرے گرنے لگے فیٹو ایک بوتل لئے تیار ہی بیٹھا تھا۔ اس نے بوتل نیچے لگا دی۔

چونکہ ہر نشست کے پیچھے المونیم کی یہ چادر موجود تھی۔ اس لیے پانی بنانے کی یہ صنعت بہت جلد مقبول ہو گئی اور بہت سے "کاریگر" اسی کام میں مصروف نظر آئے اس طریقے میں چونکہ قوت بھی کم صرف ہوتی تھی اس لیے جو لوگ اور کچھ نہیں کر سکتے تھے وہ تو سارے کے سارے اسی دھندے میں مصروف ہو گئے کیونکہ مارسیلو نے سب لوگوں کو مختلف گروپوں میں بانٹ دیا تھا اس نے خود تمام کاموں کی نگرانی اور خوراک کی تقسیم کا کام سنبھال لیا تھا۔ پہلا گروپ میڈیکل ٹیم کا تھا جس میں کینسا، زربینو اور کسی حد تک لیلیانہ متھول شامل تھی۔ یہ تشکیل مبہم سی تھی کیونکہ کینسا صرف میڈیکل ٹیم تک محدود نہیں رہنا چاہتا تھا بلکہ دوسرے کاموں میں برابر ہاتھ بٹاتا رہتا تھا۔ دوسرے

گروپ کو کیبن کا انچارج مقرر کیا گیا تھا اس میں کم عمر لڑکے یعنی رائے ہارلے، کار لیٹوز پلینز، ڈیگو سٹارم اور اس گروپ کی مرکزی شخصیت گسٹاف نکولک شامل تھا جسے وہ سب کوکو کے نام سے پکارتے۔ اس گروپ کی ذمہ داری یہ تھی کہ وہ کیبن کو صاف رکھیں، شام کو اسے سونے کے لیے تیار کریں، کرسیوں کی گدیاں وغیرہ بچھائیں اور صبح کو پوشش کے ان ٹکڑوں کو دھوپ میں سکھائیں جو وہ چادروں کے طور پر استعمال کرتے تھے اور جو رات بھر کی سردی میں نم آلود بلکہ کبھی کبھار اچھے بھلے گیلے ہو جاتے تھے۔

تیسری ٹیم پانی بنانے والوں کی تھی۔ ان کی سب سے بڑی مشکل صاف برف کا حصول تھا کیونکہ جہاز کے ڈھانچے کے اردگرد کی برف زخمیوں کے خون سے سرخ ہو گئی تھی۔ کچھ کو انہوں نے چل چل کر آلودہ کر دیا تھا اور رہی سہی پر جہاز سے نکلنے والا پیٹرول بہہ چکا تھا۔ یا ان کا بول و براز۔ چند گز پرے خالص برف کی کوئی کمی نہیں تھی لیکن یا تو برف اتنی نرم ہوتی کہ پاؤں اس میں دھنس دھنس جاتے اور ان چند گزوں کا طے کرنا ایک قیامت ہو جاتا یا پھر صبح سویرے جب برف سخت ہوتی تو فاصلہ تو بآسانی طے ہو جاتا لیکن اسے کھرچ کر المونیم کی پلیٹوں میں ڈالنا مصیبت بن جاتا۔ چنانچہ زیادہ سے زیادہ علاقہ خالص برف کی خاطر محفوظ رکھنے کے لیے فیصلہ کیا گیا کہ رفع حاجت کے لیے صرف دو علاقے استعمال کیے جائیں گے ایک تو بالکل دروازے کے قریب والا، دوسرا اگلے پہیے کی طرف، یعنی پائلٹ کیبن کے نیچے والا علاقہ نصف النہار کے وقت مارسیلو نے خوراک تقسیم کرنا ہوتی تھی۔ ہر فرد کو ایک ڈھکن شراب اور ذرا سا جام ملتا۔ شام کے کھانے میں چاکلیٹ کا ایک چھوٹا سا ٹکڑا ملتا۔ کچھ لوگوں نے مطالبہ کیا کہ کم از کم اتوار والے دن لنچ کے موقع پر زیادہ کھانا ملنا چاہیے لیکن پھر اس بات پر سب نے اتفاق کیا کہ محتاط رہنا اتوار منانے سے بہتر ہے۔

اب کھانے والوں میں پیریڈو بھی شامل ہو گیا تھا۔ اس کے بارے میں یہ سمجھ لیا گیا تھا کہ وہ مر جائے گا لیکن اس دن اسے ہوش آیا۔ اس کے چہرے سے خون صاف کیا گیا تو پتہ چلا کہ اس کے سر سے بہہ کر آیا تھا۔ اس کی کھوپڑی سلامت تھی لیکن وہ انتہائی نحیف و نزار ہو چکا تھا۔ ہوش آنے پر سب سے پہلے اس نے اپنی ماں اور بہن کے متعلق پوچھا۔

"کینیسا نے اسے بتایا، "تمہاری ماں حادثے کے فوراً بعد چل بسیں۔ ان کی نعش باہر برف میں پڑی ہے۔ لیکن ان کے بارے میں سوچنے سے حاصل؟ سوسنا کی فکر کرو۔ اس کے پیروں کی مالش کرو کچھ کھلاؤ، پلاؤ۔"

سوسنا کی بری حالت تھی۔ اس کا چہرہ خراشوں اور زخموں سے بھرا ہوا تھا۔ اس کے پاؤں برف کی بیماری (FROST BITE) کی وجہ سے سیاہ پڑ چکے تھے۔ اسے ابھی تک ہوش نہیں تھا کہ وہ کہاں ہے۔ ایک عالم بے خودی میں بس وہ ماں کو پکارے چلے جارہی تھی۔

نیندو نے اس کے پیروں کو خوب رگڑا لیکن لاحاصل۔ ان میں حرارت پیدا ہونا تھی نہ ہوئی۔ اس نے اور زور سے مالش کرنے کی کوشش کی تو کھال اتر کر اس کے ہاتھوں میں آگئی اس کے ہاتھ ملتا، کبھی پیر ـــــ وہ پانی مانگتی تو برف اور شراب کا محلول اس کے ہونٹوں پر ٹپکاتا۔ چاکلیٹ کے وہ ٹکڑے جو مارسیلو نے اس کے لیے الگ رکھ چھوڑے تھے اسے کھلانے کی کوشش کرتا جب وہ بڑبڑاتی "ماں، ماں مجھے باتھ روم جانا ہے۔" وہ کینیسا اور زربنیو کے پاس جاتا۔ ان سے مشورہ کرتا۔ دونوں اس کے پاس آتے، نیندو سوسنا کو بتاتا کہ دیکھو ڈاکٹر آئے ہیں۔ وہ کہتی۔ "ڈاکٹر! ڈاکٹر مجھے بیڈ پین چاہیے"

زربنیو کہتا، "تم ٹھیک ٹھاک ہو سوسنا، اٹھو اور باتھ روم جاؤ نا ـــــ سب ٹھیک ہو جائے گا۔"

دوپہر کے وقت آسمان پر ایک جہاز اڑتا نظر آیا۔ وہ پہاڑوں سے بہت اونچا اڑ رہا تھا لیکن اسے دیکھ کر لڑکوں کی خوشی کا کوئی ٹھکانا نہ رہا۔ جو باہر آئے ہوئے تھے، انہوں نے اچھلنا کودنا شروع کر دیا جہاز کو اشارے کرنے لگے اور دھات کے ٹکڑے ہوا میں پھینکے کہ ان کی چمک سے جہاز کو انہیں دیکھنے میں آسانی ہو ـــــ سہ پہر کے وقت ایک اور جہاز مشرق سے مغرب کی طرف پرواز کرتا دکھائی دیا۔ لڑکے پھر چیخنے چلانے۔ انہوں نے بہتیرے ہاتھ ہلائے لیکن جہاز نے اپنی اڑان جاری رکھی اور پہاڑوں میں گم ہو گیا روق نے اپنی ماہرانہ رائے دی "اتنی بلندی پر اڑنے والے جہاز کو انہیں دیکھ تو لینا چاہیے"

"لیکن پھر جہاز مڑا کیوں نہیں۔ اسے ایک چکر تو لگانا چاہیے تھا ہمارے اوپر یا کم از کم وہ ایک غوطہ ہی لگاتا جو اس بات کا اشارہ ہوتا کہ ہم دیکھ لیے گئے ہیں۔" فیٹو سٹراچ بولا۔

'لیکن یہ پہاڑ خطرناک ہیں اور یہاں اس قسم کے کرتب نہیں دکھائے جا سکتے' روق نے دلیل پیش کی۔

وہ جو شک میں تھے، روق کی بات کا یقین نہیں کر رہے تھے۔ اس کا رویہ ابھی تک احمقانہ رہا تھا۔ کبھی کبھی وہ بالکل بچگانہ حرکتیں کرتا تھا۔ اس کے یقین بھرے بیانات نے شکوک کو جنم دیا اور اس پہلو پر غور کیا گیا تو کئی لوگوں نے رائے دی کہ فیر چائلڈ کی اوپری سطح سفید ہونے اور تقریباً آدھی

سے زیادہ برف میں مستور ہونے کی وجہ سے کسی بھی جہاز کے لیے اس کا سراغ لگانا مشکل ہو گا۔ تب کسی نے رائے دی کہ اس کی چھت پر SOS (ہماری جانیں بچاؤ) کے علامتی الفاظ لکھے جائیں۔ عورتوں کے ہینڈ بیگ تلاش کر کے ان سے لپ سٹک اور نیل پالش کی ڈبیاں نکالی گئیں اور چھت پر چڑھ کر یہ الفاظ لکھنے شروع کئے گئے لیکن ابھی ایس ہی لکھا تھا کہ انہیں احساس ہو گیا کہ جو لپ سٹک اور نیل پالش ان کے پاس موجود تھی ان سے جو الفاظ لکھے جا سکتے تھے وہ اتنے چھوٹے ہوتے کہ ان کے لکھنے نہ لکھنے سے کوئی فرق نہ پڑتا۔

تقریباً ساڑھے چار بجے انہوں نے ایک جہاز کے انجنوں کی آوازیں سنیں جو ان کے بالکل قریب پرواز کر رہا تھا۔ وہ چاروں طرف دیکھنے لگے اور پھر دور پہاڑ کی چوٹیوں سے ایک چھوٹا سا جہاز نمودار ہوا وہ جس سمت میں محو پرواز تھا، اس کا عین ان کے سروں کے اوپر سے گذرنا لازمی تھا۔ انہوں نے دیوانہ وار ہاتھ ہلائے، کچھ نے دھات کے ٹکڑوں سے پائلٹ کیبن پر روشنی منعکس کرنے کی کوشش کی اور اس وقت تو ان کی خوشی کی کوئی انتہا نہ رہی جب اس نے ان کے سروں کے عین اوپر آ کر اپنے ونگ تھوڑے سے جھکائے جیسے تو اس بات کا سگنل دے رہا ہو کہ انہیں دیکھ لیا گیا ہے۔

اب لڑکوں کو اس بات پر یقین لانے سے کون روک سکتا تھا جس پر وہ یقین لانا چاہتے تھے اور جب کچھ لڑکے دھوپ میں بیٹھے ہیلی کاپٹروں کی آمد کے منتظر تھے، کینسیا اٹھا، مینڈوزا شراب کی ایک بوتل اٹھائی اور اپنے مریضوں کے ساتھ مل کر نجات کی خوشی میں غٹاغٹ چڑھا گیا۔

کچھ دیر بعد اندھیرا چھانے لگا۔ سورج وادیوں میں روپوش ہو گیا اور ٹھنڈکیں لوٹ آئیں۔ ہر سو خاموشی طاری ہو گئی۔ یہ بات واضح تھی کہ انہیں اس رات نہیں بچایا جا سکے گا۔ مارسیلو نے رات کا کھانا تقسیم کیا اور پھر سب ڈھانچے میں گھس گئے۔ کچھ چپکے چپکے دروازے سے پرے جا لیٹے مارسیلو نے نسبتاً توانا لڑکوں سے کہا بھی کہ وہ دروازے کے پاس آ کر اس کے ساتھ سوئیں لیکن جنہوں نے سامان والے حصے میں آرام دہ جگہوں پر قبضہ کر لیا تھا۔ وہ اپنے علاقے چھوڑنے کے لیے تیار نہیں تھے۔ ان کا کہنا تھا کہ اگر وہ روزانہ دروازے کے پاس ٹھنڈی ٹھار جگہ پر سوتے رہے تو سردی سے منجمد ہو کر مر جائیں گے۔ بچ جانے کی امید نے ان میں زندگی بچانے کی خود غرضانہ خواہش پیدا کر دی تھی۔

اتوار کی اس رات دیر تک کوئی نہ سو سکا۔ کچھ کی رائے تھی امدادی ہیلی کاپٹر صبح سویرے انہیں لینے پہنچ جائیں گے۔ کچھ اور کا کہنا تھا کہ ہیلی کاپٹر اتنی بلندی پہ پرواز نہیں کر سکتے۔ آئی تو کوئی پیدل پارٹی آئے گی اور ان کے آنے تک ہفتہ عشرہ تو لگ ہی جائے گا۔ اس خیال نے سب کو پھر سنجیدہ کر دیا۔ مارسیلو نے شراب کی پوری ایک بوتل خالی کرنے پر کینیسا کو بری طرح جھاڑ پلائی۔ اس سے بھی زیادہ جھاڑ تو اسے پڑتی جو کھانے پینے کی کچھ چیزیں چرا کر کھا گیا تھا ___ لیکن اس کا کوئی سراغ نہ مل سکا ___ مارسیلو نے بتایا کہ کوئی چاکلیٹ کی پوری دو ٹکیاں اور جلی ہوئی چینی سے بنی ہوئی گولیوں کی ایک پوری چکی کھا گیا تھا ___ نامعلوم چور سے التجا کرتے ہوئے مارسیلو بولا، ”خدا کے لیے، ہوش کی دوا کرو۔ تم محض لمحاتی ذائقوں کی خاطر ہم سب کی جانوں سے کھیل رہے ہو۔“

گستاف نکولک نے طیش میں آ کر کہا، ”کون ہے یہ کتیا کا پلا جو ہمیں مارنے پر تلا بیٹھا ہے۔“

سردی کا عالم، گھپ اندھیرا۔ بالآخر سب لوگ خاموش ہو کر اپنے اپنے خیالوں میں گم ہو گئے۔ پیرپڈرو سوسنا کے پاس لیٹا تھا۔ اس نے اسے اپنے بازوؤں میں لے رکھا تھا اور اپنے لمبے چوڑے وجود سے اسے ڈھانپے ہوئے تھا اس کی کوشش تھی کہ اس کے جسم کی ساری حرارت اس کی بہن کو مل جائے جس کی سانسیں کبھی تو دھونکنی کی طرح چلنے لگتیں کبھی مدھم ہو جاتیں۔ کبھی وہ ماں کو پکارنے لگتی۔ پیرپڈرو اس کی آنکھوں میں دیکھتا تو وہاں مایوسیوں کی اتھاہ گہرائیاں اور وہ درد نظر آتا جس کا الفاظ میں اظہار ناممکن تھا۔ دوسرے بھی عالم اضطراب میں کروٹیں بدل رہے تھے وہ بار بار اپنے عارضی کمبلوں کو اپنے اوپر لپیٹتے۔ آٹھ فٹ چوڑی اور بیس فٹ لمبی اس جگہ میں وہ تبھی سما سکتے تھے جب ایک دوسرے میں گھس کر سوئیں۔ اس لیے وہ اس طرح لیٹتے تھے کہ ایک کی ٹانگیں دوسرے کی کمر پر ہوتی، دوسرے کے بازو تیسرے کی گردن میں حمائل ہوتے، اور کوئی اور اپنا سر کسی کی پشت پر رکھے لیٹا ہوتا۔ جو لوگ فرش پر لیٹے ہوتے، ان کا جسم تیس درجے کے زاویے پر جھکا ہوتا کیونکہ جہاز کا ڈھانچہ ٹیڑھا تھا۔ فرش کی دوسری جانب لیٹنے والوں کی صرف ٹانگیں فرش پر ہوتیں۔ وہ لیٹتے تو اس طرح کہ انہوں نے دیوار سے ٹیک لگائی ہوتی، ان کے کولہے اس ریک پر ہوتے جو لگا تو سامان رکھنے کے لیے اوپر ہوتا ہے لیکن جسے انہوں نے توڑ کر فرش پر بچھا لیا تھا۔ کہ جہاز کا ترچھا پن کچھ تو کم ہو سکے۔

کرسیوں کی گدیوں سے کچھ آرام ملتا تھا لیکن جگہ اتنی تنگ تھی کہ کوئی ایک آدمی بھی اپنی جگہ سے ہلنا چاہتا تو سب کو زحمت اٹھانا پڑتی۔ کوئی حرکت بھی قابل قبول نہیں تھی۔

کوئی بے چارہ جسم کھجانے کے لیے ہاتھ بھی ہلاتا یا پیشاب کرنے کے لیے باہر جانا چاہتا تو اس پر گالیوں کی بوچھاڑ ہو جاتی۔ بعض اوقات تو ہلنا غیر ارادی طور پر ہوتا۔ کوئی لڑکا نیند میں اپنی ٹانگ ہلا بیٹھتا تو دوسری طرف لیٹے ہوئے لڑکے کے منہ پر جا پڑتی۔ ایک تو سوتے میں اٹھ بیٹھتا اور جسموں کو روندتا دروازے کی طرف بڑھتا اور کہتا، "میں کوکاکولا لینے جا رہا ہوں۔" سب سے زیادہ جھلاہٹ رابرٹو کینیسا پر طاری تھی۔ ایک تو شراب کی بوتل خالی کرنے پر اسے جھاڑ پڑی تھی، دوسرے وہ تھا بھی تیز طبیعت کا مالک۔ چار سال پہلے اس کے جو نفسیاتی معائنے کیے گئے تھے، ان کے مطابق اس کی فطرت میں اشتعال انگیزی شامل تھی۔ رگبی ٹیم میں شمولیت اور طب کے پیشے کے انتخاب میں اس بات کو خاصا دخل حاصل تھا۔ خیال تھا کہ سرجری کی چیر پھاڑ اور رگبی کی بھاگ دوڑ میں اس کی فطری صلاحیتوں کے اظہار کو مثبت راستہ مل جائے گا۔ جب بھی کوئی لڑکا کراہتا کینیسا اسے بکواس بند کرنے کو کہتا حالانکہ اس سے بہتر کون جانتا تھا کہ لڑکوں پر الزام رکھنا درست نہیں تھا۔ اس چیخنے چلانے میں، تاہم اسے یہ بات سوجھی کہ ایک ایسا جھولا بنایا جائے جس میں زیادہ زخمی لوگوں کو سلایا جا سکے۔ دوسری صبح جب اس نے یہ خیال دوسروں کے سامنے پیش کیا تو لوگوں نے اس پر لعنت بھیجی۔ "احمق! تم یہ جھولے بنا کر ہمیں مارنا چاہتے ہو؟"

"مجھے کوشش تو کرنے دو" کینیسا نے کہا اور دایناال میسپون کے ساتھ مل کر وہ مناسب ساز و سامان ڈھونڈنے لگا۔ فیر چائلڈ اس طرح بنایا گیا تھا کہ کرسیوں کو ہٹا کر سامان رکھنے کے لیے تیار کیا جا سکے اور اس کے لیے سامان والے حصے میں نائلون کی کئی پٹیاں اور چھوٹے چھوٹے پول موجود تھے۔ ان کے سروں پر ٹونٹیاں سی لگی ہوئی تھیں جو مسافروں کے کیبن کی دیواروں میں مختلف جگہوں پر لگی دھات میں فٹ بیٹھ جاتی تھیں۔ کینیسا اور میسپون نے دو پول لیے۔ انہیں فرش کے جوائنٹ میں پھنسایا اوپر کے سروں کی ٹونٹیاں چھت کے سوراخوں میں پھنسائیں اور نائلون کی پٹیوں سے دونوں کے درمیان ایک جھولا سا بُن دیا۔ پھر ان کے سروں کو دوسری پٹیوں کی مدد سے کھینچ کھینچ کر دیواروں سے باندھ دیا۔ جھولا تیار ہو گیا۔ اس پر کم از کم دو زخمی آسانی سے سو سکتے تھے۔ پھر انہیں خیال آیا کہ سامان والے حصے اور مسافروں کے کیبن کے درمیان جو دروازہ تھا اسے بھی اسی طرح استعمال کیا جا سکتا تھا۔ چنانچہ نائلون کی پٹیوں سے ان میں جھولے سے ڈال کر ایک چوڑی سی نشست ان سے ٹکا دی گئی۔ اس طرح اس رات

پٹیر دروازے کے پاس سویا۔ ٹوٹی ٹانگوں والے دولڑکے دیوار گیر بستر پر جالیٹے اور دو لڑکے جھولے میں سوگئے یہ سب کے سب آرام سے تھے۔ باقی لوگوں کو بھی ان کی آہ وزاری سے نجات مل گئی تھی لیکن ایک مسئلہ حل کرتے ہوئے وہ ایک اور مشکل میں پڑ گئے تھے۔ اردگرد لیٹنے والوں کی جسموں کی حرارت سے وہ محروم ہو گئے تھے اب وہ جہاز میں دراتی پھناتی ہوا کے رحم وکرم پر تھے۔ فالتو کمبل دیے گئے لیکن جسموں کی جو حرارت انہیں نیچے لیٹنے پر میسر تھی، اس کا بدل نہ مل سکتا تھا۔ اب دوسروں کے ساتھ لیٹ کر مصیبت اٹھانے اور برفانی ہوا میں لیٹنے کی زحمت میں انتخاب درپیش تھا۔ ایک ایک کرکے وہ نیچے آتے گئے یہاں تک کہ صرف وہ دو رہ گئے۔ ریفائیل ایشبویرن اور آرتورو نوگوئرا۔

پیر کی صبح حادثے کے چوتھے دن، کئی سخت زخمیوں میں صحت کے آثار نمودار ہوئے۔ گرچہ ان کے علاج کے لیے نہایت ابتدائی اور معمولی اقدامات کئے گئے تھے لیکن سوجن اترنے لگی تھی اور زخم بھرنے شروع ہو گئے تھے۔ وزنطین جس کے بارے میں خیال تھا کہ زیادہ خون بہہ جانے کی وجہ سے دم توڑ دے گا، اٹھ بیٹھا اور زربینو سے بولا کہ وہ باہر جاکر پیشاب کرنے میں اس کی مدد کرے۔ اس کا پیشاب گہرے بھورے رنگ کا تھا جسے دیکھ کر زربینو نے اسے بتایا کہ اسے یرقان کا خدشہ ہے۔ "ہاں مجھے اسی کی تو ضرورت ہے"۔ وزنطین واپس جاتے ہوئے بولا۔

پیریڈو بھی توقع سے کہیں زیادہ جلدی صحت یاب ہو رہا تھا۔ سوسنا کی فکر دامن گیر ہونے کے باوجود اس پر مایوسی نہیں چھائی تھی بلکہ حیرت انگیز طور پر اس میں بچ نکلنے کے راستے تلاش کرنے کا حوصلہ پیدا ہوا تھا ــــــ دوسرے صرف امدادی پارٹیوں کے منتظر تھے لیکن اس کے ذہن میں خود کوئی راہ ڈھونڈنے کا عزم پیدا ہوا ــــــ اپنے خیال کا اظہار اس نے کارلیٹوس پٹیز سے کیا۔

"ناممکن۔ ناممکن۔ تم نے اس برف میں اِدھر اُدھر جانے کی کوشش کی تو سردی میں سکڑ کر کتے کی موت مر جاؤ گے"۔ وہ بولا۔

"لیکن اگر مجھے کافی کپڑے میسر آجائیں تو ــــــ؟"

"پھر بھی موت یقینی ہے۔ بھوک کا کیا علاج کرو گے۔ چاکلیٹ کے ایک ٹکڑے اور شراب کے ایک گھونٹ پر تو تم ان پہاڑوں کو سر کرنے سے رہے"۔

"تب میں ان پائلٹوں کا گوشت کاٹ کاٹ کر کھاؤں گا۔ وہی ہمیں اس مصیبت سے

دو چار کرنے کے ذمہ دار ہیں"۔ پیریڈو بولا۔

کارلیٹوز اس کی بات سن کر چپکا ہو رہا۔ وہ سمجھا کہ پیریڈو نے یونہی ایک بات کہہ دی۔ تاہم وہ ان لڑکوں میں شامل تھا جو امداد کے انتظار میں اتنے دن لگ جانے پر بجا طور پر تشویش میں مبتلا تھے۔ جہاز تباہ ہوئے چوتھا دن تھا اور سوائے اس چھوٹے جہاز کے جس نے ایک دن پہلے اپنے ونگ نیچے کر کے انہیں کوئی امید دلائی تھی، انہیں کچھ پتہ نہ تھا کہ آیا باہر کی دنیا کو ان کی زندگی کی کوئی امید ہے یا وہ تھک ہار کر بیٹھ گئے ہیں۔ اس خیال ہی سے ان کی روح لرز اٹھتی تھی اور یہ یقین کرنے کو تیار نہیں تھے کہ انہیں مردہ سمجھ کر تلاش کی کوششیں ترک کر دی گئی ہوں گی۔ انہوں نے یہی سوچا کہ انہیں دیکھ لیا گیا ہے لیکن پہاڑوں کی بلندی کی وجہ سے ہیلی کاپٹروں کا یہاں آنا مشکل ہے، اس لیے کوئی امدادی پارٹی پیدل ان کی تلاش میں روانہ ہوئی ہو گی۔ مارسیلو کی بھی یہی رائے تھی اور ڈنگاڈو، قانون کا ایک طالب علم بھی اسی خیال کا حامی تھا اور اپنی ایک ٹانگ پر چلتا وہ باقی لوگوں کو بھی ہم خیال بنانے کی کوشش کر رہا تھا۔ اس کا یہ بھی کہنا تھا کہ خدا ضرور ان کی مدد کرے گا اور اس مصیبت میں انہیں بلا مدد نہیں چھوڑے گا۔ کئی لڑکے اس کے مشکور تھے کیونکہ اس نے اپنے امید افزا بیانات سے اس گھبراہٹ کو کافی حد تک دور کر دیا تھا جو لڑکے اپنے دلوں میں محسوس کر رہے تھے۔ وہ تاریک پہلو پر نظر رکھنے والے اس گروپ سے متفق نہیں تھے جو طرح طرح کے الٹے سیدھے سوالات اٹھاتے تھے۔ ان میں پیریڈو، سٹراچ برادران، کنیسا اور زربنیو شامل تھے۔ فیٹو سٹراچ کہتا:

"کیسے دیکھ لیا ہے انہوں نے ہمیں۔ اگر دیکھا ہوتا تو کم از کم کھانے پینے کی چیزیں ہی گراتے ہمارے لیے وہ"

مارسیلو کہتا، "انہیں معلوم ہے کہ یہ چیزیں برف میں دب جائیں گی اور ہمارے لیے ممکن نہیں ہو گا کہ انہیں اکٹھا کر سکیں"۔

کسی بھی لڑکے کو صحیح طور پر معلوم نہیں تھا کہ وہ کس جگہ گرے ہیں۔ انہیں پائلٹوں کے کیبن سے کچھ نقشے اور کچھ چارٹ ملے تھے اور وہ گھنٹوں ان پر مغز ماری کرتے رہے تھے۔ کسی کو بھی کچھ اندازہ نہیں تھا کہ فضائی نقشوں کا مطالعہ کس طرح کیا جاتا ہے لیکن آرٹورو نوگیرا کی نقشہ بینی کی صلاحیت کا لوہا سب کو ماننا پڑا جب اس نے کیوریکو ڈھونڈ نکالا مرنے سے پہلے معاون پائلٹ بڑبڑاتا رہا تھا کہ وہ کیوریکو عبور کر آئے ہیں۔ ادھر بلندی بتانے والے آلے

پر سوئی سات ہزار فٹ پر ٹھہری ہوئی تھی۔اس کا مطلب یہ نکالا گیا کہ وہ پہاڑوں کی مغربی سمت میں چلی کی حدود میں تھے۔ اور مغرب کی طرف قریب ہی کوئی گاؤں، کوئی قصبہ ہونا چاہیے تھا۔ لیکن مشکل یہ تھی کہ مغرب کی جانب اونچے اونچے پہاڑ تھے۔ وادی مشرق کی طرف کھلتی تھی اور اس راستے کو اپنانے کا مطلب یہ تھا کہ پہاڑوں کے عین بیچ میں جا نکلیں ——— نقشے پر غور کر کر کے انہیں یقین ہو چلا کہ اگر وہ کسی طرح مغرب والے پہاڑ کی چوٹی پہ پہنچ جائیں تو دوسری جانب کوئی سرسبز وادی ہوگی یا چلی گھرانوں کے کھیت وغیرہ۔

وہ صبح نو بجے تک تو جہاز کے ارد گرد گھوم پھر سکتے تھے اس کے بعد سورج نکلتا تو برف پگھلنے لگتی اور جو کوئی اس نرم برف پر چلنے کی کوشش کرتا رانوں تک اس میں دھنس جاتا تھا اس لیے اب تک ان کی مہم جوئی جہاز کے ارد گرد چند گزوں تک محدود رہی تھی۔ وہ ڈرتے تھے کہ آگے گئے تو ان کا بھی وہی حشر نہ ہو جو ویلیٹا کا ہوا تھا۔ البتہ فیٹو سٹراچ نے جواب تک موجد مانا جا چکا تھا۔ تجربے سے ثابت کیا کہ اگر کرسی کی گدیاں جوتوں سے باندھ لی جائیں تو ان سے برفانی جوتوں کا کام لیا جا سکتا تھا۔ اس طرح چلنا مشکل تو تھا لیکن ناممکن نہیں تھا فیٹو تو کینیسا کے ساتھ مل کر چوٹی پر جانے کے لیے تیار بھی ہو گیا۔

اس کا مقصد تھا کہ ایک تو پتہ چلایا جائے کہ پہاڑ کے اس پار کیا ہے دوسرے اوپر پڑی ہوئی ٹیل میں جا کر دیکھا جائے کہ آیا اس کا ایک کزن جو ٹیل کے ساتھ ہی باہر گر گیا تھا، ابھی تک زندہ ہے یا نہیں۔ شاید وہ ان کی طرح ٹیل میں رہ رہا ہو ——— اس کے علاوہ بھی اوپر جانے کے کئی اور محرکات تھے۔ جہاز کے مکینک روق نے انہیں بتایا تھا کہ ٹیل میں جہاز کی بیٹریاں پڑی تھیں۔ ان سے وی ایچ ایف ریڈیو (ویری ہائی فریکوئنسی) کو چالو کرنے کا کام لیا جا سکتا تھا جس سے کسی کنٹرول ٹاور یا آپریٹر نے جہاز سے رابطہ پیدا ہونے کا امکان تھا۔ اس کے لیے اوپر جاتے ہوئے ایک آدھ سوٹ کیس ملنے کا امکان بھی تھا جس سے کچھ اور کپڑے مل جاتے جو سردی سے بچنے میں کام آتے۔

دوسروں کے علاوہ کارلیٹوز پیئز اور نیو ماٹر کاٹی بھی اوپر جانے کو بے تاب تھے اور دوسرے دن سترہ اکتوبر منگل کے روز، وہ چاروں صبح سات بجے اوپر چڑھنے کے لیے نکل کھڑے ہوئے۔ آسمان صاف تھا لیکن سخت سردی کی وجہ سے برف جمی ہوئی تھی۔ رگبی کے جوتے پہن کر چلنے میں کوئی خاص دشواری محسوس نہ ہوتی تھی۔ کینیسا نے جرابوں سے دستانے

بنائے تھے، وہ انہیں پہنے ہوئے تھا۔

وہ ایک گھنٹہ تک اُوپر چڑھتے رہے۔ کچھ آرام کیا اور پھر روانہ ہو گئے۔ سورج کی تمازت میں شدت آتی جارہی تھی اور چلنا مشکل ہوتا جا رہا تھا کیونکہ برف نرم پڑنے لگی تھی۔ انہوں نے جوتوں سے گدیاں باندھ لیں جو وہ ساتھ لائے تھے لیکن وہ جلد ہی گیلی ہو گئیں۔ جہاں ان کا ایک قدم پڑتا وہاں سے برف کافی دھنس جاتی اور دوسرا قدم انہیں الگ جگہ پر رکھنا پڑتا۔ پچھلے پانچ دنوں سے انہوں نے کوئی ٹھوس غذا نہ کھائی تھی، طاقت کہاں سے آتی۔ بہت جلد ہی کینیسا نے تجویز پیش کی کہ واپس چلا جائے۔ اس کی بات نہ مانی گئی اور انہوں نے چڑھائی جاری رکھی لیکن تھوڑی دیر بعد فیٹو کا قدم ایک دراڑ پر پڑا اور وہ کمر تک برف میں دھنس گیا۔ اس سے سب خوفزدہ ہو گئے۔ نیچے جہاز کا ڈھانچہ ننھا سا کھلونا دکھائی دیتا تھا اور ان کے ساتھی چھوٹی چھوٹی کیلوں سے مشابہ نظر آتے تھے۔ ابھی تک انہیں کوئی سوٹ کیس بھی نہ ملا تھا اور ٹیل کا دور دور تک کوئی نشان نہیں تھا۔ تب کینیسا بولا، "یہاں سے نکلنا اتنا آسان نہیں ہے۔"

"لیکن کوئی ہمیں بچانے نہ آیا تو کب تک یہاں پڑے رہیں گے؟" فیٹو نے کہا

"ہم کبھی یہاں سے نہیں نکل سکیں گے۔ دیکھو کھائے بغیر ہم کتنے کمزور ہو گئے ہیں۔" کینیسا نے کہا۔

"تمہیں پتہ ہے پیرڈو نے مجھے کیا کہا تھا؟" کارلیٹوس فیٹو سے مخاطب ہوتے ہوئے بولا۔ "وہ کہہ رہا تھا کہ اگر کوئی امداد نہ آئی تو وہ پائلٹوں کا گوشت کھائے گا تاآنکہ یہاں سے نکلا جا سکے"

خاموشی کا ایک وقفہ آیا۔ پھر کارلیٹوس نے کہا، "اس کے سر پر خاصی شدید چوٹ آئی تھی۔ اس لیے وہ تھوڑا سا پاگل ہو گیا ہے۔"

"خیر یہ تو مجھے معلوم نہیں —— لیکن شاید زندہ رہنے کے لیے صرف یہی ایک واحد راستہ رہ جائے۔" فیٹو نے پوری سنجیدگی سے کہا۔

کارلیٹوس کچھ نہ بولا اور وہ واپس جانے کے لیے نیچے اترنے لگے۔

O

مہم کی ناکامی نے ان سب کو غمگین کر دیا۔ بلند ہوتے ہوئے حوصلے مایوسیوں میں بدل گئے۔ دوسرے دن للیانہ متھول نے ان تمام کو تسلی تشفی دی جو خوفزدہ تھے یا نچو ڈیگاڈو

نے بھی ان کی ڈھارس بندھانے کی کوشش کی لیکن دن گذرتے جا رہے تھے، امداد کے کوئی آثار نظر نہ آتے تھے۔ وہ دیکھ چکے تھے کہ ان میں مضبوط ترین لوگ چھوٹی سی گھاٹی نہیں چڑھ سکے تھے تو زخمیوں اور نحیف لڑکوں کو کیا امید ہو سکتی تھی۔

وہ جہاز میں گم سم لیٹ جاتے۔ اندھیرا اور سردی دونوں مل کر انہیں ستاتے تو گھر کا خیال کر کر کے وہ بیتے دنوں کی یادوں میں کھو جاتے۔ آہستہ آہستہ انہیں نیند آ لیتی۔ ایک دوسرے پر پاؤں پسارے وہ سو جاتے۔ جیویرا اور للیانہ ایک جگہ لیٹتے تھے، الشیویرن اور لوگویرا جھولے میں پڑے ہوتے، نیند و ہیریڈو اور سوسنا ایک دوسرے کے بازوؤں میں سمائے ہوتے۔

آٹھویں رات کو ہیریڈو کی گھبراہٹ میں آنکھ کھلی۔ اس نے دیکھا کہ سوسنا اس کے بازوؤں میں ٹھنڈی ہو گئی تھی۔ اس کے جسم کی حرارت اور سانسوں کی آمد و رفت ختم ہو چکی تھی۔ اس نے فوراً اپنا منہ اس کے منہ پر رکھا اور ابلتے آنسوؤں کے ساتھ اس کے پھیپھڑوں میں ہوا بھرنے کی کوشش کرنے لگا۔ دوسروں کی آنکھ بھی کھل گئی۔ ہیریڈو سوسنا کا سانس بحال کرنے کی کوشش کرتا رہا اور سب ان کے لیے دعا کرتے رہے۔ جب ہیریڈو تھک گیا تو کارلیٹوس پہئیز نے اس کی جگہ سنبھالی لیکن ...... سوسنا دور جا چکی تھی ـــــ بہت دور !!

چلی، ارجنٹینا اور یوراگوئے

۲
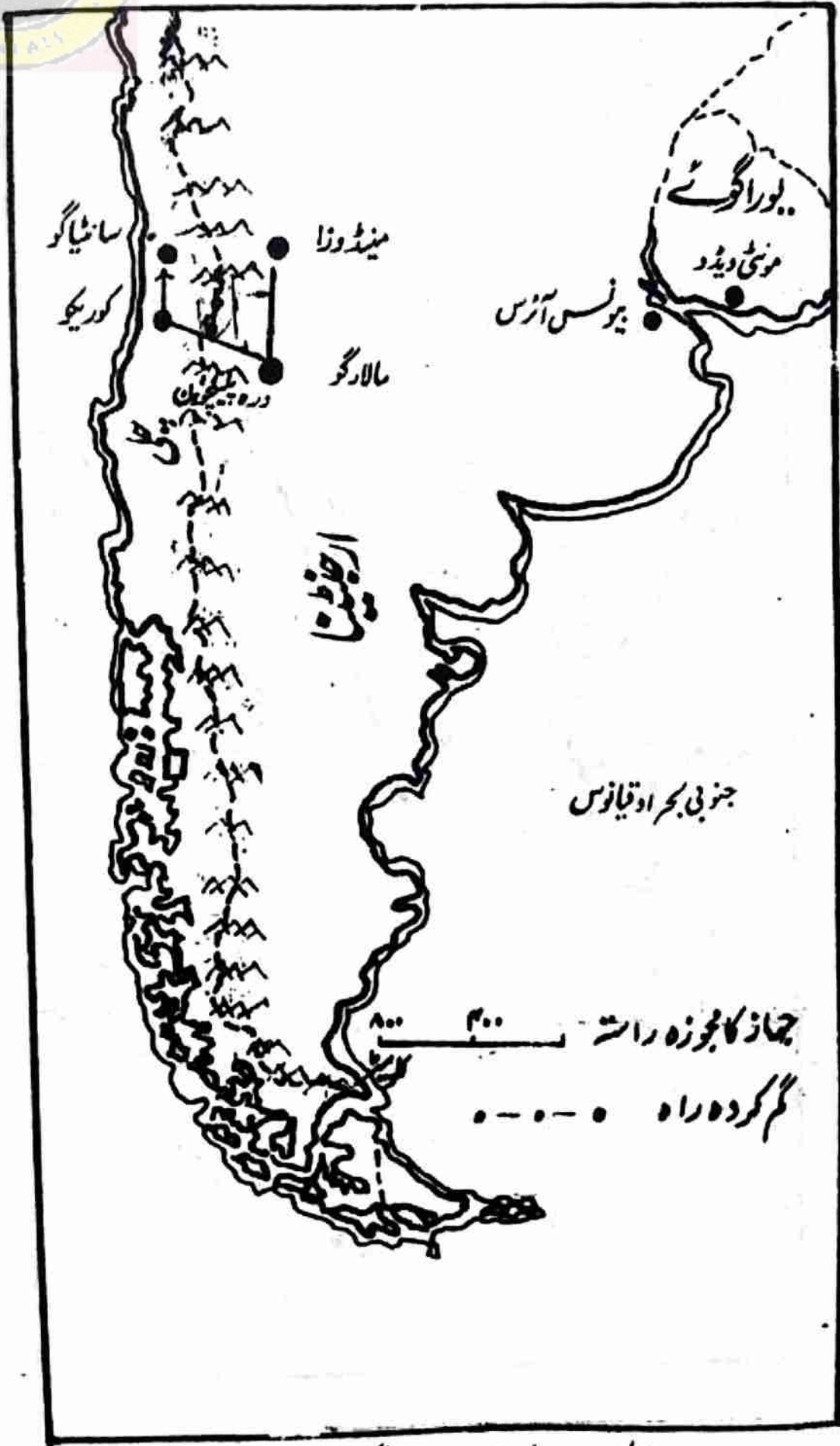
تلاش بے سود

تیرہ اکتوبر جمعے کے دن جب سانٹیاگو کے پیوڈاہیول ائیرپورٹ سے فیرچائلڈ کا رابطہ منقطع ہوا تو انہوں نے فوراً فضائی امدادی خدمات کے ہیڈکوارٹر کو ٹیلیفون کیا ان کا کمانڈر تو کہیں گیا ہوا تھا لیکن دو اور افسر مل گئے۔ انہیں فوری طور پر امدادی اور تلاش کی مہموں میں رابطہ پیدا کرنے اور ان کی نگرانی کے لیے مامور کیا گیا دونوں افسر کارلوس گارشیا اور جورگا ماسا چلی فضائیہ کے افسر تھے وہ نہ صرف موثر کمانڈر تھے بلکہ ہر قسم کے جہاز اڑا بھی سکتے تھے۔ سی ـــــ ۴۷، ڈگلس ـــ ۶، دو انجنوں والے طیارے، ہلکے قسم کے سینا اور طاقتور بیل ہیلی کاپٹر۔ ہر وہ اڑنے والی چیز جو چلی فضائیہ کے پاس تھی وہ انہیں اڑانے کی مہارت رکھتے تھے۔

اس دوپہر ایک ڈی سی ـ ۶ طیارے نے اسی راستے پر فیرچائلڈ کی تلاش شروع کی۔ جہاں سے اس سے آخری بار بات ہوئی تھی یعنی کیوریکو سے شمال کی طرف ـــــ آبادی والے علاقوں کو نظرانداز کر دیا گیا کیونکہ ان کے آس پاس طیارہ گرتا تو اب تک کوئی نہ کوئی اطلاع پہنچ چکی ہوتی۔ ڈی سی طیارے نے زیادہ تر توجہ پہاڑوں پر رکھی لیکن جب اس راستے پر فیرچائلڈ کا کوئی سراغ نہ ملا تو اس سے پچھلے والے روٹ یعنی پلینچون درے سے کیوریکو کی طرف آنے والے رستے کا جائزہ لیا گیا۔ پلینچون کے درے پر اس دن برف کا طوفان آیا ہوا تھا، اس لیے اس کے آس پاس، کچھ نظر نہ آسکا اور ڈی سی ـ ۶ سانٹیاگو واپس آگیا۔

دوسرے دن گارشیا اور ماسا سر جوڑ کر بیٹھے اور ان اطلاعات کا تجزیہ کرنے لگے جو انہیں بہم پہنچائی گئی تھیں۔ منڈوزا سے روانگی کا وقت، ملارگیو پر پرواز کا وقت، جہاز کی رفتار اور مخالف سمت سے چلنے والی ہواؤں کی اطلاع فیرچائلڈ سے انڈیز پر اڑتے ہوئے وصول ہوئی تھی۔ ان تمام اطلاعات کا تجزیہ کرنے کے بعد وہ اس نتیجے پر پہنچے کہ جب پائلٹ نے کیوریکو پر پہنچنے کی اطلاع دی وہ ابھی انڈیز کے پہاڑوں کے درمیان ہی میں تھا اور دائیں مڑ

کرسانٹیا گو کی طرف پرواز کرنے کی بجائے وہ پہاڑوں کے بیچوں بیچ اپنے دائیں مڑ گیا تھا اور تنگوریکا، سوسنیاڈ دا اور پالومو پہاڑوں کے درمیان کہیں گرا ہو گا۔ (ان کا اندازہ درست تھا) تب انہوں نے بڑی احتیاط سے بیس مربع انچ کی جگہ پر نشانات لگائے اور ان جگہوں کی طرف مختلف جہاز روانہ کر دیے۔

ان کی راہ میں سخت مشکلات حائل تھیں۔ پہاڑوں کی بلندی پندرہ ہزار فٹ تک چلی گئی تھی۔ اگر فیر چائلڈ انہی پہاڑوں میں کہیں گرا تھا تو وہ کسی نہ کسی وادی میں گرا تھا جو بارہ بارہ ہزار فٹ گہری تھیں اور جن میں بیس سے سو سو فٹ تک برف پڑی ہوئی تھی۔ فیر چائلڈ کی اوپر کی چھت سفید تھی اور چوٹیوں سے بلند ہو کر اڑنے والے کسی بھی جہاز کے لیے اسے دیکھ لینا ناممکن تھا۔ وادیوں کے درمیان پرواز کرنا موت کو دعوت دینا تھا۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ مزید جہاز برفانی طوفانوں کی نذر کر دیے جائیں، مزید جانیں ان جھکڑوں کے ہاتھوں ضائع کروائی جائیں لیکن ان کا اخلاقی فرض بنتا تھا کہ وہ منظم تلاش کی کوشش کریں اور وہ کر رہے تھے۔

شروع ہی سے فضائی امدادی خدمات کے ہیڈ کوارٹر میں کسی کو بھی یہ امید نہیں تھی کہ اگر فیر چائلڈ انڈیز کے درمیان گر گیا ہے تو اس کا کوئی سراغ مل سکے گا یا اس میں سوار کوئی بھی انسان زندہ بچ سکے گا۔ سال کے ان دنوں میں ان پہاڑوں پر درجہ حرارت رات کے وقت تیس سے چالیس منفی سنٹی گریڈ تک پہنچ جاتا تھا۔ اگر کوئی آدمی معجزے کے طور پر جہاز گرنے کے وقت بچ بھی گیا تھا تو پہلی رات ہی کڑاکے کی سردی سے اس کی موت یقینی تھی۔ تاہم یہ ایک بین الاقوامی معاہدہ تھا کہ جس ملک میں بھی کوئی فضائی حادثہ ہو، وہ ملک دس دنوں تک گرے ہوئے جہاز کی تلاش کرے گا اور چلی کے معاشی وسیاسی بحران کے باوجود فضائی امدادی خدمات کے ہیڈ کوارٹر نے اپنا فرض نبھانے کی پوری طرح کوشش کی ——— جہاز میں سوار مسافروں کے رشتہ دار بھی سانٹیا گو پہنچنا شروع ہو گئے تھے۔

ان مسافروں کے گھروں پر جو کچھ گذری وہ ایک الگ کہانی ہے۔ جہاز غائب ہونے کی ابتدائی اطلاعات ملتے ہی ان کے گھروں میں کہرام مچ گیا۔ ریڈیو پر صرف اتنی خبر نشر ہوئی تھی کہ جہاز موسم کی خرابی کی وجہ سے منڈوزا رکا تھا (بچوں کے والدین کو اس کی کچھ خبر نہ تھی) اور وہاں سے پرواز کرنے کے بعد لاپتہ ہو گیا تھا۔ اس کے بعد سرکاری طور پر خاموشی اختیار کر لی گئی اور

غیر سرکاری خبروں کا تانتا بندھ گیا۔ ۱۴ اکتوبر بدھ کے دن دانیال فرینڈیز کے باپ کو کسی نے بتایا کہ جہاز مل گیا ہے۔ اس نے گذشتہ رات ریڈیو پر خبر ہی نہیں سنی تھیں اور اسے جہاز کے لاپتہ ہونے کی ہی خبر نہیں تھی۔ دوسروں لوگوں کو یہ خبر ملی کہ تمام مسافر خیر خیریت سے منزل پر پہنچ گئے ہیں اور اب سانٹیاگو کے ایک ہوٹل میں مقیم ہیں۔ ایک اور افواہ سننے میں آئی کہ وہ سانٹیاگو میں نہیں اترے بلکہ چلی کے کسی جنوبی حصے میں اتر گئے ہیں۔

ان سارے ہنگاموں، افواہوں اور بدحواسیوں میں اگر کہیں سے کوئی صحیح خبر ملی تو وہ کراسکو کے ایک گھر میں لگا ہوا چھوٹا سا ریڈیو تھا۔ ریفائیل پونس ڈی لیون ریڈیو کا شوقین تھا اور یہ شوق اس نے ورثے میں اپنے باپ سے پایا تھا جس نے گھر کے تہہ خانے میں تمام ضروری آلات نصب کر رکھے تھے۔ ان میں ایک طاقتور ٹرانسمیٹر بھی شامل تھا۔ ریفائیل اولڈ کریچن کلب کا ممبر اور مارسیلو پیریز کا دوست تھا۔ وہ خود چلی کے دورے پر صرف اس لیے نہیں جاسکا تھا کہ اس کی بیوی ساتویں مہینے میں تھی اور وہ اس حالت میں اسے چھوڑ کر جانا نہیں چاہتا تھا۔ تاہم مارسیلو کے کہنے پر اس نے اپنا ریڈیو استعمال کرتے ہوئے چلی میں اپنے ایک دوست سے بات کی تھی جس نے اسے وہاں کے ٹیلیفون سسٹم سے ملایا تھا اور اس نے اس رابطے کو استعمال کرتے ہوئے رگبی ٹیم کے ارکان کے لیے ہوٹل بک کروائے تھے۔ عام ٹیلیفون کی نسبت یہ تیز بھی تھا اور سستا بھی۔ قانونی طور پر اس کی ممانعت تھی لیکن اسے نظر انداز کیا جا تا رہا تھا۔

تیرہ اکتوبر کو جب فیر چائلڈ کی گمشدگی کی اطلاعات ملیں تو وہ فوراً اپنے ریڈیو سیٹ پر گیا اور اس نے سانٹیاگو میں ''کرائی لون'' ہوٹل سے رابطہ پیدا کیا۔ پوچھنے پر اسے جواب ملا کہ اولڈ کریچن ہوٹل پہنچ چکے ہیں لیکن جب بعد کی خبروں نے اسے شک میں ڈالا تو اس نے دوبارہ ہوٹل سے بات کی اور تفصیل سے جاننا چاہا تب معلوم ہوا کہ صرف دو کھلاڑی ہوٹل میں آکر ٹھہرے ہیں۔ دونوں عام پروازوں سے سانٹیاگو پہنچے تھے۔ ایک نوگلبرٹو ریگولیس تھا کیونکہ وہ فیر چائلڈ پکڑ نہیں سکا تھا اور دوسرا بولی جاگسٹ تھا جس کا باپ مونٹی ویڈیو میں کے ایل ایم میں ملازم تھا اور وہ ان کے جہاز سے سانٹیاگو چلا گیا تھا۔

ان خبروں کی وصولی کے بعد وہ اسی ادھیڑ بن میں تھا کہ کیا کرے کہ ٹیلیفون کی گھنٹی بجی اور کسی نے یہ خبر دی کہ جہاز پر موجود ایک لڑکے کی منگیتر نے اپنے ہونے والے سسر سے بات

کی ہے اور یہ اطلاع دی ہے کہ جہاز چلی کے ایک جنوبی قصبے میں اتر گیا ہے اور تمام مسافر خیریت سے ہیں۔ کرائی لون ہوٹل کے واقعے کے بعد وہ خواہ مخواہ جھوٹی امیدوں کا سہارا نہیں لینا چاہتا تھا چنانچہ اس خبر کی تصدیق کے لیے اس نے سانٹیاگو میں یوراگوئے کے ناظم الامور سینز رشارلون سے رابطہ قائم کیا جس نے اسے بتایا کہ یہ خبر ٹھیک ہونے کا کوئی امکان نہیں۔ سرکاری خبر یہی ہے کہ جہاز ابھی تک لاپتہ ہے۔

اب تک جہاز کے مل جانے کی خبر ہیگریس خاندان سے نکل کر آدھے مسافروں کے خاندانوں تک پہنچ چکی تھی۔ اس خدشے کے پیش نظر کہ کہیں لوگ جھوٹی تسلیوں میں آ کر تلاش بھی نہ چھوڑ دیں ریفائیل نے فیصلہ کیا کہ اس خبر کے ماخذ سے براہ راست بات چیت کی جائے۔ اس نے ماریا ڈیلاس انجلیس سے رابطہ پیدا کیا اور جب صحیح صورت حال جاننا چاہی تو اس نے صاف اقرار کر لیا کہ دراصل اس کے منگیتر کی ماں سنورامیگری نے جب فون پر اس سے بات کی تو وہ اس قدر پریشان اور مضطرب تھی کہ اس نے سفید جھوٹ بول دیا کہ جہاز بخیریت اتر گیا ہے۔ ویسے بھی اسے یقین تھا کہ جہاز مل تو جائے گا ہی کیوں نہ اپنی ہونے والی ساس کا دل رکھنے کو یہ بیان دے دیا جائے۔ اس نے جو کچھ کہا، ریفائیل نے ریکارڈ کر لیا اور رات کے پچھلے پہر اس نے یہ ٹیپ ریڈیو مونٹی کارلو کو بھیج دیا تاکہ وہ خبروں کے اگلے بلیٹن میں اسے استعمال کر کے صحیح صورت حال کی وضاحت کر سکیں۔ اس نے آدھی رات کے بعد اپنا ٹرانسمیٹر بند کیا لیکن اس کی کوششیں رائیگاں نہیں گئی تھیں۔ دوسرے دن صبح نو بجے تک تمام افواہیں مر چکی تھیں۔ اور یہ بات طے تھی کہ جہاز کا کچھ پتہ نہیں۔

○

کارلوس پئینر ولارو، یوراگوئے کا مشہور مصور اور کارلیٹوز پئینز کا باپ پہلا آدمی تھا جو سانٹیاگو کے فضائی امدادی خدمات کے ہیڈ کوارٹر میں پہنچا۔ اس نے جہاز کی گمشدگی کی اطلاع اپنی سابق بیوی کے گھر کیر اسکو میں اتفاقیہ طور پر سنی۔ وہاں وہ اپنی ایک بیٹی کو چھوڑنے گیا تھا کیونکہ طلاق کے بعد فیصلہ یہی ہوا تھا کہ بچے ماں کے ساتھ رہیں گے۔ کارلوس کبھی کبھار بچوں کو لے آتا اور دل بہلا کر پھر ماں کے پاس چھوڑ آتا۔ جہاز کی گمشدگی کی اطلاع ملتے ہی اس نے سرکاری ذریعوں سے رابطہ پیدا کیا۔ سانٹیاگو میں یوراگوئے کے ناظم الامور شارلون سے بات کی۔ یوراگوئے

ائیر فورس میں اپنے جاننے والے ایک افسر سے بات کی جس نے بتایا کہ کرنل فیریداس فضائیہ کے قابل ترین اور منجھے ہوئے پائلٹوں میں سے ایک تھا اور اس کے ہاتھوں کسی فاش غلطی کا کوئی امکان نہیں تھا لیکن وہ جانتا تھا کہ کرنل فیریداس اور اس کا دوست ہی ان بہترین پائلٹوں میں باقی بچے ہیں جن پر یوراگوئے کی فضائیہ فخر کر سکتی تھی۔ باقی سب پائلٹ حادثوں کا شکار ہو چکے تھے۔ اپنی بیوی میڈیلون کو تسلی دے کر یہ کہتے ہوئے وہ ہفتے کی صبح سانٹیاگو روانہ ہو گیا کہ وہ خود گمشدہ جہاز کو تلاش کرے گا۔

اسی دوپہر وہ ائیر فورس کے ایک ڈی سی۔ ۶ طیارے میں فیر چائلڈ کے ممکنہ راستے پر اڑتا رہا۔ جب وہ ائیر پورٹ پر اترا تو جہاز کے مسافروں میں سے ایک اور کا رشتہ دار وہاں پہنچ چکا تھا اور دوسرے دن تک ان کی تعداد بائیس ہو گئی تھی۔

ان رشتہ داروں کی کثرت دیکھ کر کمانڈر ریسا نے اعلان کیا کہ آئندہ تلاش کے لیے جانے والے طیاروں میں کوئی رشتہ دار سفر نہیں کرے گا۔ اس کے بعد سب لوگوں کا سینز رشارلون کے دفتر میں جمگھٹا رہنے لگا وہاں انہوں نے یہ خبر سنی کہ ایک بچے نے چلی پولیس کو یہ اطلاع دی ہے کہ اس نے کیوریکو کے شمال مشرق میں ستر میل کے فاصلے پر واقع ایک گاؤں کے قریب فیر چائلڈ کو شعلوں میں گھرے گرتے دیکھا ہے۔

۱۶، اکتوبر بروز سوموار گارشیا اور ریسا نے تلاش کا رخ اس علاقے کی طرف کر دیا۔ صبح کے وقت تو کوئی اطلاع نہ آئی لیکن شام کو ایک پائلٹ نے رپورٹ دی کہ اس نے الٹبو رشیلو کے قریب پہاڑوں سے دھواں اٹھتے دیکھا ہے۔ لیکن قریبی مشاہدے سے پتہ چلا کہ یہ دھواں ایک پہاڑی دیہاتی کی جھونپڑی سے اٹھ رہا ہے۔

اسی دن دو اور تنظیموں نے بھی تلاش کی مہم میں شمولیت اختیار کی۔ ایک تو چلی کی طرح پولیس کے ارکان پر مشتمل تھی اور دوسری رضاکاروں کی ایک تنظیم ——— یہ رضاکار انڈیز کے پہاڑوں میں گم ہو جانے والوں کو تلاش کیا کرتے تھے۔ یہ لوگ رینکیگوا سے روانہ ہوئے اور پلنچون درے اور الٹبو رشیلو کے درمیان والے علاقے کی طرف چلے لیکن دوپہر کے وقت بھاری برفباری اور طوفان کی وجہ سے انہیں رکنا پڑا۔ اسی موسمی خرابی کی وجہ سے طیارے اپنی تلاش جاری نہ رکھ سکے اور سترہ، اٹھارہ اکتوبر کو وہ ہوائی اڈوں پر کھڑے رہے۔ دھند سیاہ بادلوں اور برفباری نے تلاش کی تمام راہیں مسدود کر دی تھیں۔ مایوس ہو کر کچھ رشتہ دار

مونٹی ویڈو واپس چلے گئے۔ دوسرے لوگ وہیں رہے اور انہوں نے فیصلہ کیا کہ وہ اپنے طور پر تلاش کی مہم منظم کریں۔ یہ بات نہیں تھی کہ انہیں سرکاری طور پر کی جانے والی کوششوں پر اعتماد نہیں تھا۔ وہ جانتے تھے کہ اس موسم میں طیارے واقعی نہیں اڑ سکتے۔ یوراگوئے ایئر فورس نے فیرچائلڈ سے ملتا جلتا جو طیارہ چلی حکومت کی مدد کے لیے بھیجا تھا وہ بھی زمین پر کھڑا تھا ـــــ لیکن وقت تیزی سے نکلا جا رہا تھا ـــــ پیشہ ورانہ ماہرین کو کسی کے زندہ بچ رہنے کا یقین نہیں تھا ـــــ کمانڈر ریلسا نے پریس سے باتیں کرتے ہوئے کہا تھا، "ناممکن۔ اگر کوئی بچ بھی گیا تو اسے برف نگل لے گی۔"

پٹیز ولارو نے جائزہ لیا کہ وہ اپنے طور پر کیا کچھ کر سکتا ہے۔ اس نے ایک دکان میں "برف اور چلی کے پہاڑ" نامی ایک کتاب دیکھی اور خرید لی۔ اسے پڑھتے ہوئے اسے معلوم ہوا کہ ٹنگوی ریریکا اور پالومو کے پہاڑ ایک شخص جیکوٹین خبڈ ربلاس کی ملکیت ہیں۔ پٹیز ولارو ڈھونڈتا ڈھونڈتا اس شخص کے پاس پہنچا کہ وہ تلاش میں مدد دے ـــــ اس نے بتایا کہ پہاڑ تو اب اس کی ملکیت نہیں رہے۔ صدر ایلنڈے کی اصلاح اراضی کی ایک سکیم کی زد میں آکر ضبط ہو چکے ہیں تاہم وہ ان کے چپے چپے سے اسی طرح واقف تھا جیسے اپنے ہاتھ کی لکیریں دیکھ رہا ہو ـــــ پٹیز ویلارو نے اسے اس بات پر آمادہ کر لیا کہ وہ دوسرے دن اس کے ساتھ تلاش کی مہم پر چلے۔

وہ دو دنوں تک کار پر سفر کرتے رہے۔ سڑک ختم ہو گئی تو گھوڑوں کی مدد لی یہاں تک کہ وہ ٹنگوی ریریکا کی مغربی ڈھلوان پر پہنچ گئے۔ برفباری رک چکی تھی لیکن گری ہوئی برف پر کسی قسم کے نشانات نہ تھے۔ دور دور تک کسی ذی روح کا پتہ نہ تھا۔ پٹیز ولارو پہاڑوں کی وسعتوں کو ٹکر ٹکر دیکھ رہا تھا ـــــ پھر کسی خیال سے اس نے تیز آواز میں منہ سے سیٹی بجائی ـــــ انسان امید کے سہارے زندہ رہتا ہے ـــــ اس کا خیال تھا شاید سیٹی کی آواز اس کے بیٹے تک پہنچ جائے گی اور وہ کوئی جواب دے گا لیکن یہ آواز برف کی خموشیوں میں گم ہو گئی۔ کوئی جواب آنا تھا نہ آیا۔ لوٹنے کے سوا کوئی اور چارہ کار نہ تھا۔

جب پٹیز ولارو ان عملی اقدامات میں مصروف تھا، وہ لوگ جو گھروں میں ٹھہرے ہوئے تھے، دوسرے طریقے آزما رہے تھے۔ اس کی سابق بیوی میڈیلون کی ماں نجیو بر متھول کے بھائی جوان جوز کو ساتھ لیا اور سولہ اکتوبر کو وہ مونٹی ویڈو میں ایک بوڑھے شخص کے پاس گئی۔ کہا جاتا تھا کہ وہ شخص غیب کا علم رکھتا تھا اور دور دراز کی خبریں بتا دیتا تھا۔ وہ انڈیز کا ایک

نقشہ اس کے پاس لے گئے ۔ اس بوڑھے آدمی نے ایک چھڑی اٹھائی اور مراقبے کی حالت میں نقشے پر گھمانے لگا۔ کچھ دیر تو چھڑی انڈیز کے پہاڑوں پر مرتعش رہی پھر ایک نقطے پر رک گئی۔ یہ ٹنگوی ریریکا پہاڑ کی مشرقی ڈھلوان تھی۔

پٹینز دیلارو کی بیوی میڈیلون نے ریفائیل پونس ڈی لیون کے ریڈیو کی مدد سے یہ اطلاع دیلارو کو دی لیکن دیلارو نے اسے بتایا کہ فضائی تلاش ٹیم نے پہلے ہی یہ علاقہ کھنگال لیا ہے اور اگر خوانخواستہ جہاز وہاں گرا بھی ہے تو کسی کے زندہ بچنے کا کوئی امکان نہیں ـــــ میڈیلون نہیں چاہتی تھی کہ ایسی کوئی بات بھی سنے۔ بیٹے کی محبت اسے مجبور کر رہی تھی کہ وہ خوش فہمیوں میں مبتلا رہے اس لیے اس نے اس جوتشی کی تمام باتیں بھلا دیں۔ لیکن پھر بھی کسی غیب دان کی امداد حاصل کرنے کا خیال اسے ستا تا رہا چنانچہ وہ ایک ماہر فلکیات بورس کرسٹوف کے پاس گئی اور اس سے پوچھا کہ دنیا میں بہترین غیب دان کا پتہ بتائے۔ اس نے بلا جھجک کہا " جیرارڈ کروئی سے۔"

نیٹو کی ماں روزینہ سٹراچ نے ایک اور ذریعے سے مدد حاصل کرنے کی کوشش کی۔ اسے بتایا گیا تھا کہ دس سال پہلے گرابندال کی مریم سپین میں ظاہر ہوئی تھی اور کچھ معصوم بچوں کو نظر آئی تھی۔ مسیحیت کے پاپاؤں نے اس روایت کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیا تھا اور اس سلسلے میں ویٹی کن سے باقاعدہ ایک اعلامیہ جاری کیا گیا تھا۔ روزینہ کا خیال تھا کہ اگر یہ مریم سچی ہے تو کوئی معجزہ دکھانے کی تلاش میں ہو گی اور اس سے بہتر موقع اور کیا ہو سکتا تھا کہ وہ اپنی صداقت کا مظاہرہ کرے۔ اس امید میں روزینہ اور دوسری دو ماؤں نے گرابندال کی مریم کی عبادت شروع کر دی۔

دوسرے لوگ تو امید چھوڑ بیٹھے تھے۔ ان کی دعاؤں کا مقصد یا تو اپنے رشتہ داروں کی روحوں کو ایصال ثواب تھا یا اس سانحے کو برداشت کرنے کے لیے صبر کی طاقت کا حصول کارلوس دیلٹیا، جو جہاز گرنے کے فوراً بعد برف کی وسعتوں میں گم ہو گیا تھا، کی ماں کو جمعے کی دوپہر کو ایک گرتے جہاز کا ہیولا سا نظر آیا۔ پھر اس نے اپنے بیٹے کو دیکھا جس کا چہرہ زخموں سے چور اور خون میں لت پت تھا۔ پھر اس نے اسے گہری نیند سوتے دیکھا اور جب شام کو ساڑھے پانچ بجے جہاز گرنے کی اطلاع ملی تو اس نے یقین کر لیا کہ اس کا جگر گوشہ اس سے ہمیشہ کے لیے بچھڑ گیا۔

باقی لوگوں نے بھی ہمت اس لیے ہار دی تھی کہ انیڈیز کے پہاڑوں پر کسی جہاز کے حادثے میں کسی بھی شخص کا بچ نکلنا ممکنات میں سے نہیں تھا ـــــ لیکن اس کے باوجود امید کی ہلکی سی

ڈوری باقی تھی اور یہی امید انہیں ہر شام ریفائیل کے تہہ خانے میں لگے ریڈیو کے ارد گرد جمع کر دیتی تھی۔ ان میں مسافروں کے رشتہ دار بھی ہوتے، دوست احباب بھی اور جوان لڑکوں کی گرل فرینڈز بھی۔

ایس اے آر نے ۱۹ اکتوبر کو تلاش پھر شروع کی جو اس دن اس سے اگلے دن اور ۲۱ اکتوبر کی صبح تک جاری رہی۔ اس دوران منڈوزا سے ارجنٹینا کے جہاز بھی فیر چائلڈ کی تلاش میں اڑے۔ پئیز ولار و اور دوسرے لوگوں نے اپنے طور پر ایک جہاز کی مدد سے تلاش جاری رکھی۔ یہ جہاز ایک کلب نے انہیں دے رکھا تھا۔

تلاش آٹھ دنوں سے جاری تھی جن میں دو دن موسم کی خرابی کی وجہ سے ضائع ہو گئے تھے۔ ایس اے آر کے افراد کی جان بھی خطرے میں تھی، قیمتی ایندھن ضائع ہو رہا تھا اور تمام ذمہ دار افراد کو یہ احساس بھی تھا کہ تمام کوششیں بالآخر رائیگاں جائیں گی۔ چنانچہ ۲۱ اکتوبر کی دوپہر کمانڈر گارشیا اور ریسا نے اعلان کیا۔

"یوراگوئے کے جہاز ۱، ۵ کی تلاش منفی نتائج کی وجہ سے موقوف کی جاتی ہے۔"

۳

خوردن برائے زیستن!!!

نویں دن کی صبح سوسنا پیرپڈو کی نعش کیبن سے باہر لائی گئی اور اسے ایک طرف برف پر لٹا دیا گیا۔ باہر وہی برف کی ویرانیاں تھیں اور ان میں طوفانی ہواؤں کا شور۔ انہی بے جان پہاڑوں کا اکتا دینے والا سلسلہ اور ظالم برف۔

روشنی بڑھنے گھٹنے کے ساتھ ساتھ ان پہاڑوں کی شبیہیں بدلتی رہتیں۔ دن کے آغاز میں سورج نکلتا تو یہ دھوپ میں خوب چمکتے اور فاصلے پر دکھائی دیتے لیکن دن کے ساتھ ساتھ جب سائے لمبے ہوتے جاتے تو بھورے، سرخی مائل اور گہرے سبز پتھروں کی چٹانیں غضب ناک درندوں کا روپ دھار لیتیں یا پھر یوں لگتا جیسے یہ بڑے بڑے دیوتا ہیں جو اپنی راجدھانی میں مداخلت پر انسانوں کو نفرت سے گھور رہے ہیں۔

کیبن کی کچھ نشستیں جہاز کے باہر ڈال دی گئیں تھیں۔ کبھی کبھار۔ یوں لگتا کہ کسی کیفے کے صحن میں پڑی ہیں یہ کرسیاں۔ سب سے پہلے باہر آنے والا ایلومنیم کی چادروں میں برف بھر کر دھوپ کے رخ بیٹھ جاتا تاکہ پینے کا پانی اکٹھا کر سکے —— اس کی نگاہیں دُور افق پر جمی ہوتیں —— سب کا ایک جیسا حال تھا۔ وہ دیکھ رہے تھے کہ غذا نہ ملنے کی وجہ سے ان کے جسموں کی توانائی تیزی سے رخصت ہو رہی تھی۔ وہ لوگ جو ڈھانچے کے ارد گرد چلتے پھرتے، یا کیبن کے اندر کسی کام میں مصروف ہوتے، آہستہ آہستہ نڈھال ہوتے جا رہے تھے۔ ان کی حرکتیں سست اور قدم بوجھل بوجھل ہو چلے تھے۔ کچھ لڑکے سو کر اٹھتے تو وہیں کے وہیں بیٹھے چھت کو گھورتے رہتے وہ دو قدم بھی چلتے تو ہانپنے لگتے تھے۔ باہر آکر تازہ ہوا میں بیٹھنے کی خواہش تک دم توڑ گئی تھی —— اور ساتھ یہ مسئلہ بھی پیدا ہو گیا تھا کہ ان کی جھنجھلاہٹ اور چڑچڑے پن میں اضافہ ہوتا جا رہا تھا۔

مارسیلو پیریز، دانیال فرنینڈیز اور دوسرے سینئر لوگوں کو خطرہ تھا کہ کچھ لوگ دیوانگی کے بالکل قریب پہنچ چکے ہیں۔ وہ کسی بھی وقت حواس کھو سکتے تھے۔ لاحاصل انتظار نے انہیں گھن کی طرح چاٹ لیا تھا اور وہ آپس میں الجھنے بھی لگے تھے —— مارسیلو نے مثالی کردار کا مظاہرہ کیا۔ وہ

پر امید تھا، روشن پہلو پر نظر رکھے ہوئے تھا اور سب سے منصفانہ سلوک کر رہا تھا۔ وہ اعتماد سے گفتگو کرتا، امدادی پارٹیوں کی آمد کی امید دلاتا اور اپنی ٹیم کو گیت گانے پر آمادہ کرتا۔ لیکن اب گیتوں سے نغمگی رخصت ہو چکی تھی اور کوئی بھی گیت الاپنے کے لیے تیار نہ تھا۔ یہ بات بھی سامنے آتی جا رہی تھی کہ ان کے کیپٹن میں پہلے سی بات نہ رہی تھی۔ اس میں پہلے والا اعتماد باقی نہ تھا وہ بھی آخر گوشت پوست کا انسان تھا۔ رات کو جب اندھیرا چھا جاتا تو اداسیاں اسے گھیر لیتیں۔ اس کا دماغ اپنی ماں اور بھائی کے خیالوں میں کھو جاتا۔ اس کی ماں اس کے لیے تڑپ رہی ہو گی، اس کا بھائی ہنی مون منانے برازیل گیا تھا، کس حال میں ہو گا۔ خاندان کے باقی افراد پر کیا بیت رہی ہو گی؟ وہ اپنے دکھ لڑکوں سے چھپانے کی کوشش کرتا لیکن سوتے ہوئے اسے ڈراؤنے خواب نظر آتے وہ چیخ کر اٹھ بیٹھتا۔ اس کا دوست ایڈورڈ ڈسٹراچ اسے دلاسا دیتا۔ لیکن اس کی سوچ یہ تھی کہ ٹیم کیپٹن اور چلی کے دورے کا سب سے بڑا حامی ہونے کی وجہ سے وہ اس سب کچھ کا ذمہ دار تھا۔

"احمق مت بنو" ایڈورڈ کہتا۔ "یہ کوئی اندازِ فکر نہیں۔ گیسٹون اور دانیال کو تو میں نے آنے پر مجبور کیا تھا اور وہ دونوں مر چکے ہیں۔ بلکہ دانیال کو تو فون کر کر کے میں نے وقت پر پہنچنے کے لیے کہا تھا۔ لیکن میں تو محسوس نہیں کرتا کہ میں اس کی موت کا ذمہ دار ہوں۔"

"اگر کوئی ذمہ دار ہے" اس کا کزن فیٹو بولا، "تو وہ خدا ہے۔ اس نے کیوں گیسٹون کو مرنے دیا۔" فیٹو کو ساری اگلی پچھلی باتیں یاد آ رہی تھیں اور خدا کے بارے میں اس کے شکوک شبہات بڑھ رہے تھے۔ وہ کہتا گیسٹون پہلا آدمی نہیں تھا جو اُن کے خاندان سے بچھڑ گیا تھا، اس کی ماں پہلے ہی اپنے شوہر اور دوسرے بیٹے سے محروم ہو چکی تھی۔ "آخر خدا ہمیں یہ دکھ کیوں دیتا ہے؟ ہم نے کیا کیا ہے؟" وہ کہتا ــــ "بات اتنی سادہ نہیں ہے میرے بھائی۔" دانیال فرنینڈیز اسے سمجھاتا۔

ستائیس افراد کے اس گروپ میں دو یا تین آدمی تھے جن کے بلند حوصلے اور مثالی کردار ان کے لیے روشنی کے مینار تھے۔ الشیبورن جو اپنی کچلی ہوئی ٹانگ کی وجہ سے سخت درد میں مبتلا تھا ہمیشہ خوش نظر آتا، کوئی اس کی ٹانگ پر پاؤں رکھ دیتا تو وہ چیخ چیخ کر آسمان سر پر اٹھا لیتا لیکن بعد میں معافی مانگ لیتا یا لطیفے سنا سنا کر بگڑنے والوں کو منا لیتا۔ انریق پلیٹر و اپنے پیٹ کے زخم کے باوجود بہادر اور پھرتیلا تھا گستاف نکولک اپنے گروپ کو بیدار کرتا۔ ان کے ساتھ مل کر کیبن کی صفائی کرتا اور بھر بھار تین بھوا تار پہتا۔ رات کو وہ سب کو آمادہ کرتا کہ کارلیٹوس پئیز کے ساتھ مل کر پرانی جنگوں کے گیت دہرائیں ــــ للیانہ متھول

ان میں باقی رہ جانے والی واحد صنفِ نازک، ان کے دکھوں کی تسکین کا بے نظیر ذریعہ تھی۔ بیتیس سال کی یہ عورت اگرچہ ان کی ماؤں سے کم عمر تھی لیکن پھر بھی وہ سب کے لیے ماں کی مامتا کی علامت تھی۔ گستاف زربلینو جو صرف انیس سال کا تھا اسے اپنی منہ بولی ماں کہتا وہ بھی اس سے اسی شفقت کا برتاؤ کرتی مسکرا مسکرا کر بات کرتی اور ان کے حوصلے بڑھاتی۔ اسے احساس تھا کہ بچوں کی ہمتیں جواب دے رہی ہیں۔ چنانچہ وہ ان کی توجہ ہٹانے کی کوشش کرتی۔ نویں دن کی شام کو اس نے سب کو اپنے اردگرد جمع کیا اور کہا کہ ہر آدمی اپنی زندگی کا کوئی دلچسپ واقعہ سنائے۔ کسی کو کچھ نہ سوجھا پھر پانچو ڈیلگاڈو نے رضا کارانہ پیش کش کی کہ وہ تین کہانیاں سنائے گا۔ ساری کہانیاں اس کے ہونے والے سُسر سے متعلق تھیں۔

اس نے بتایا کہ جب وہ پہلی بار اپنی منگیتر سے ملا تو اس کی عمر صرف پندرہ سال تھی۔ وہ اس سے چار سال بڑا تھا۔ اسے کچھ پتہ نہ تھا کہ اس کے والدین ڈیلگاڈو سے کیا سلوک کریں گے وہ انہیں متاثر کرنا چاہتا تھا۔ لیکن اس سے بدحواسیاں سرزد ہوتی رہیں۔ کچھ دنوں بعد کا واقعہ ہے کہ اس نے اپنے ہونے والے سسر کو غلطی سے ایک تالاب میں گرا دیا۔ اس کی ٹانگ زخمی ہوئی۔ پھر ایک دن اپنی گرل فرینڈ کی فیملی کے ساتھ سفر کرتے ہوئے اس سے شاٹ گن چل گئی۔ ان کی کار کی چھت میں سوراخ ہو گیا اور دھات کے ٹکڑے اوپر اٹھ کر پھول کی پتیوں کی شکل اختیار کر گئے اور پچھلے دنوں کی بات ہے وہ اپنے ہونے والے سُسر کو باغ میں ترتیب دی جانے والی پارٹی کے لیے تیار کر رہا تھا کہ بجلی کی ننگی تاریں اس سے چھوا دیں۔

یہ دلچسپ واقعات باقی لڑکوں کے لیے ٹانک ثابت ہوئے جو سونے کے لیے تھک جانے کا انتظار کر رہے تھے۔ وہ اس کے شکر گزار تھے لیکن اس کے باوجود جب باقی دو کہانیوں کی باری آئی تو کوئی بھی نہ بولا اور جونہی روشنی غائب ہوئی، ہر کوئی اپنے اپنے خیالوں میں کھو گیا۔

بائیس اکتوبر کو اتوار کے دن وہ سو کر اٹھے تو پہاڑوں میں انہیں دسواں دن تھا۔ سب سے پہلے باہر آنے والے مارسیلو پیریز اور رائے ہارلے تھے۔ رائے کو نشستوں کے درمیان سے ایک ٹرانسسٹر ریڈیو ملا تھا۔ ہائی فائی سسٹم بنانے میں ایک دوست کی مدد کرتے ہوئے اسے الیکٹرانکس میں تھوڑی بہت شدھ بدھ حاصل ہو گئی تھی۔ اسے بروئے کار لاتے ہوئے اس نے ریڈیو پر طبع آزمائی

شروع کی۔ اونچے پہاڑوں کے درمیان سگنل وصول نہ ہو سکتے تھے اس لیے رائے نے جہاز میں لگی تاروں کو اکھاڑا اور ان کی مدد سے ایک ایریل سا بنایا۔ یہ ایریل اس نے مارسیلو کو تھما دیا جو اسے لے کر کھڑا ہو گیا اور مختلف سمتوں میں گھمانے لگا ـــــ رائے نے ڈائل گھمانا شروع کیا۔ انہیں چلی ریڈیو کے کچھ پروگرام سنائی دیئے لیکن ان کے جہاز کے بارے میں کوئی خبر نہ تھی۔ نہ ہی ان کوششوں کا کوئی ذکر تھا جو ان کی تلاش کے بارے میں کی جا رہی تھیں۔ ریڈیو پر کچھ سنائی دیا تو صرف چلی کے سیاست دانوں کے تیز تیز بیانات جو وہ صدر ایلنڈے کی سوشلسٹ حکومت کے خلاف دے رہے تھے۔

کچھ اور لڑکے بھی باہر آئے۔ بھوک اپنا رنگ دکھا رہی تھی۔ وہ کمزور سے کمزور تر ہوتے جا رہے تھے۔ وہ کھڑے ہوتے تو انہیں چکر آتے اور دو پیروں پر خود کو سنبھالنا مشکل ہو جاتا۔ سورج بھی چمک رہا ہوتا تو ان کی سردی دور نہ ہوتی۔ ان کی جلد میں بوڑھے آدمیوں کی طرح جھریاں پڑنا شروع ہو گئیں ان کی خوراک کا ذخیرہ ختم ہو رہا تھا۔ چاکلیٹ کا ایک ٹکڑا، شراب کا ایک ڈھکن اور جام یا خشک مچھلی کے ایک چمچ پر گزارا ہو رہا تھا صحت مند بھی وہی کھاتے جو زخمی کھا رہے تھے ان سب کو معلوم تھا کہ وہ زیادہ دیر زندہ نہ رہ سکیں گے۔ اس کے لیے طب کے کسی لمبے چوڑے علم یا جسمانی نشوونما میں خوراک کے حصے کے بارے میں تحقیقاتی مقالوں کی ضرورت نہ تھی۔ وہ کھلی آنکھوں دیکھ رہے تھے کہ بھوک کے ہاتھوں وہ روز بروز اپنے خاتمے کی طرف بڑھ رہے ہیں۔

انہوں نے خوراک کے دوسرے ذریعوں کے بارے میں سوچنا شروع کیا۔ یہ ناممکن تھا کہ انڈیز کے پہاڑوں پر کوئی چیز بھی نہ اگتی ہو۔ وہ کسی بھی نباتاتی پودے سے اپنے پیٹ کا جہنم بھر سکتے تھے۔ جہاز کے ارد گرد صرف برف تھی۔ زمین سے کم از کم فاصلہ نیچے کی طرف سو فٹ تھا جہاں وہ جانے کا تصور نہیں کر سکتے تھے۔ پہاڑ کا وہ ٹکڑا جس پر سورج کی روشنی پڑتی تھی اور جسے ہوا بھی لگتی تھی، ان کے قریب ہی تھا۔ عمودی ہونے کی وجہ سے اس پر برف نہیں جمی تھی بلکہ ہلکی ہلکی کائی کی ایک تہہ جمی ہوئی تھی۔ انہوں نے ایک ٹین کے ٹکڑے سے یہ کائی کھرچی اور اسے برف میں ملا کر ایک لئی سی بنائی لیکن چکھنے پر یہ سخت کڑوی اور بدمزہ محسوس ہوئی۔ ویسے بھی یہ خوراک کا کام نہ دے سکتی تھی۔ کائی کے علاوہ وہاں اور کچھ نہ تھا۔ کچھ لوگوں نے کرسیوں کی گدیوں کے بارے میں سوچا لیکن ان میں بھوسہ نہیں بھرا ہوا تھا۔ یہ تو نائلون اور فوم سے بنے ہوئے تھے۔ اور یہ ان کے کسی کام کے نہ تھے۔

کچھ دن تک کئی لڑکے یہ سوچتے رہے کہ اگر انہیں زندہ رہنا ہے تو انہیں ان کی نعشیں

کھانی پڑیں گی جو حادثے میں ہلاک ہو چکے تھے۔ نعشیں جہاز کے چاروں طرف بکھری پڑی تھیں۔ منجمد کر دینے والی سردی نے انہیں اسی حالت میں محفوظ رکھا ہوا تھا جس حالت میں وہ ہلاک ہوئے تھے اپنے عزیز دوستوں کی لاشوں کا گوشت کاٹ کاٹ کر کھانا ان سب لوگوں کے لیے کراہت انگیز خیال تھا لیکن جس خطرناک صورت حال سے وہ دوچار تھے۔ اس پر غور کرتے کرتے بالآخر انہیں اس مسئلے پر سوچنا پڑا۔

پہلے تو اس خیال کے حامی لڑکوں نے صرف ان سے ذکر کیا جن سے مثبت ردعمل کی توقع تھی اور پھر کینیسا نے اسے عام بحث کے لیے پیش کر دیا۔ اس نے زوردار دلائل دیئے کہ ان کی مدد کو کوئی نہیں آئے گا۔ نہ وہ کسی کو مل سکیں گے۔ انہیں زندگی بچانے کے لیے خود جدوجہد کرنا ہو گی۔ لیکن خوراک کے بغیر کچھ ممکن نہیں تھا اور خوراک صرف لاشوں کی صورت میں موجود تھی۔ "ان کے جسم محفوظ ذخیرے استعمال کر چکے ہیں اور اب ان کے جسم خود انہی کو کھا رہے ہیں۔" "جب بھی تم میں سے کوئی ہلتا ہے تمہارے جسم کا کوئی حصہ ہلنے کی اس قوت میں صرف ہو جاتا ہے اور بہت جلد وہ وقت آئے گا جب ہم میں اتنی قوت بھی نہیں رہے گی کہ اپنی آنکھوں کے سامنے پڑے اس گوشت سے اپنی ضرورت کے مطابق گوشت کاٹ سکیں۔" کینیسا کا کہنا تھا کہ یہ ان کی مجبوری ہی نہیں تھی بلکہ اخلاقی فرض تھا کہ ان کے بس میں جو ذرائع ہیں ان سے کام لیتے ہوئے وہ زندہ رہیں۔ کینیسا اپنے مذہبی خیالات میں پکا تھا، جن کے مطابق مجبوری کے وقت حرام چیز کھانے میں کوئی حرج نہ تھا۔ باقی لوگوں میں سے جو مذہبی خیالات رکھتے تھے اس کی باتوں میں وزن محسوس کرتے تھے۔

کینیسا کے دلائل ختم نہیں ہوئے تھے۔ وہ کہہ رہا تھا، "جو کچھ ہمارے سامنے پڑا ہے، گوشت ہے اور بس —— ان کی روحیں ان میں موجود نہیں وہ تو خدا کے پاس ہیں۔ جو کچھ باقی رہ گیا ہے یہ تو صرف مذبوحہ گوشت ہے۔ یہ انسان تو باقی نہیں رہے۔ یہ انہی مویشیوں کا گوشت ہے جو ہم روزانہ اپنے گھروں میں کھاتے ہیں۔" دوسرے بھی اس بحث میں شامل ہو گئے۔ فیٹو سٹراچ بولا، "تم نے دیکھا نہیں یہ چند سو فٹ کی بلندی چڑھنے کے لیے ہمیں کتنی قوت صرف کرنا پڑی۔ ذرا سوچو تو اس پورے پہاڑ کی چوٹی تک پہنچنے اور پھر پار اترنے کے لیے کتنی قوت درکار ہو گی اور چاکلیٹ کے ایک ٹکڑے اور شراب کے ڈھکن کی خوراک پر ہم یہ کام کرنے سے رہے۔"

جو کچھ وہ کہہ رہا تھا، اس کی سچائی سے انکار نہیں کیا جا سکتا تھا، چنانچہ ایک میٹنگ بلائی

گئی اور پہلی مرتبہ سائنس کے ستائیس افراد نے اس مسئلے پر کھل کر بحث کی کہ آیا انہیں اپنے مردہ ساتھیوں کا گوشت کھانا چاہیے یا نہیں۔ کینیسا، زربینو، فرنینڈیز اور فلیٹو سٹراچ نے وہ تمام دلائل دہرائے جو وہ اب تک دیتے تھے۔ "اگر ہم نے گوشت نہ کھایا تو مر جائیں گے۔ یہ ہمارا اخلاقی فرض ہے کہ ہم زندہ رہیں اپنے لیے، اپنے خاندان کے لیے۔ خدا چاہتا ہے کہ ہم زندہ رہیں اور زندہ رہنے کے لیے اس نے ہمیں مردہ جسموں کی شکل میں وسائل مہیا کیے ہیں۔ اگر خدا ہمیں زندہ نہیں دیکھنا چاہتا تو ہم سب حادثے ہی میں مارے جاتے۔ اب خدا کی طرف سے دی گئی نعمت محض اس لیے ٹھکرانا کہ ہم نازک مزاج ہیں اور یہ گوشت کھا نہیں سکتے مناسب نہیں ہے۔" "لیکن ہم نے کیا کیا ہے؟" مارسیلو نے پوچھا، "جس کی پاداش میں خدا ہم سے یہ چاہتا ہے کہ ہم اپنے دوستوں کی لاشیں کھائیں۔"

ایک لمحے کی خاموشی رہی پھر زربینو نے اپنے کیپٹن کو مخاطب کرتے ہوئے کہا، "کیا خیال ہے اگر ان مُردوں میں سوچنے کی طاقت ہوتی تو وہ کیا سوچتے؟" مارسیلو نے کوئی جواب نہ دیا۔ زربینو بولا، "میں تو یہ جانتا ہوں کہ اگر میں ان مردوں میں شامل ہوتا اور میرا مردہ جسم آپ لوگوں کو زندہ رکھنے کے کام آسکتا تو میری یہ خواہش ہوتی کہ مجھے کھا لیا جائے۔ بلکہ سچ یہ ہے کہ اگر میں مر جاؤں اور تم لوگ مجھے نہ کھاؤ تو جیسے بھی ممکن ہوا میں واپس آؤں گا اور تم سب کو تگنی کا ناچ نچاؤں گا" ــــــ اس دلیل نے کافی حد تک ان کی خلش دور کر دی۔ یہ بجا کہ ہر کوئی اپنے دوستوں کی لاشیں کھانے کے خیال ہی سے کانپ اٹھتا تھا لیکن زربینو کی باتوں میں بھی وزن تھا، چنانچہ اس وقت انہوں نے یہ فیصلہ کیا کہ اگر ان میں سے کوئی مرا تو اس کی نعش کو خوراک کے طور پر استعمال کیا جائے گا۔

گوشت کھانے کے مخالف لڑکوں کی اپنی مجبوریاں تھیں۔ کوشتے انسیارٹی اور نیوماٹر کاٹی نے انھیوں کو بتایا کہ ان کے خیال میں لاشوں کا گوشت کھانا غلط حرکت تو نہیں ہے لیکن ان کے لیے عملی طور پر یہ کرنا ممکن نہیں تھا۔ للیانہ متھول بھی ان سے متفق تھی۔ اس کا انداز گفتگو پرسکون تھا اور جس جذباتی انداز میں مسئلہ اٹھایا گیا تھا، اسی خوبصورتی سے اس نے اپنی رائے دی۔ اس میں زندہ رہنے کی جبلت خاصی تیز تھی۔ وہ اپنے بچوں کے لیے زندہ رہنا چاہتی تھی لیکن انسانی گوشت کھانے کے خیال سے وہ کانپ اٹھتی تھی۔ وہ اسے غلط نہیں سمجھتی تھی۔ وہ طبیعت کی کراہت اور گناہ کے فرق کو خوب سمجھتی تھی۔ معاشرتی روایات بھی اس کے نزدیک خدا کا قانون نہیں تھیں۔ لیکن "جب تک امداد آنے کی توقع ہے۔ جب تک کھانے کے لیے چاکلیٹ کا ایک ٹکڑا بھی باقی ہے میں انسانی گوشت نہیں کھا سکوں گی۔" اس نے کہا۔ جیویر متھول اپنی بیوی سے متفق تھا لیکن دوسروں کو اپنی مرضی

کے مطابق کام کرنے سے روکنے کے حق میں بھی نہیں تھا۔ کسی کی بھی یہ رائے نہیں تھی کہ خدا کی مرضی یہی ہے کہ وہ مرجائیں۔ وہ سب اس بات پر متفق تھے کہ نیکی زندہ رہنے ہی میں ہے اور اپنے مردہ دوستوں کو کھانے سے ان کی روحوں کو کوئی عذاب نہیں پہنچے گا لیکن فیصلہ کرنا الگ چیز تھی اور اس پر عمل کرنا ایک الگ مسئلہ

تمام دن ان کی بحث جاری رہی۔ سہ پہر کے وقت حالت یہ تھی کہ وہ سب جہاز کے ڈھانچے میں سمٹے بیٹھے تھے۔ وہ جانتے تھے کہ عمل کا وقت آپہنچا۔ یا تو وہ یہ کام کر گزرتے یا پھر کبھی بھی ان کے لیے ممکن نہ ہوتا۔ آخر کار چار لڑکوں کا ایک گروپ جو کینیسا، بلیبون، زربینو اور فیٹو سٹراچ پر مشتمل تھا، اٹھا، اور باہر چلا گیا۔ کوئی ان کے پیچھے نہ گیا۔ کوئی یہ نہ جاننا چاہتا تھا کہ کس نے گوشت کاٹا اور کس کے جسم سے کاٹا۔ زیادہ تر لاشیں برف سے ڈھکی ہوئی تھیں۔ لیکن ایک لاش کے سُرین جہاز سے چند گز کے فاصلے پر نمایاں نظر آرہے تھے۔ کوئی لفظ بولے بغیر کینیسا اس لاش کی طرف بڑھا، کپڑا ہٹایا اور ایک ٹوٹے ہوئے شیشے کی مدد سے گوشت کاٹنے لگا۔ سخت سردی کی وجہ سے یہ منجمد ہو چکا تھا، اور کاٹنا مشکل تھا لیکن اس نے جدوجہد جاری رکھی یہاں تک کہ ماچس کی ایک ڈبیہ کے برابر بیس پیس کاٹ لیے۔ پھر وہ اٹھ کھڑا ہوا، جہاز کی طرف واپس گیا اور یہ ٹکڑے اس نے جہاز کی چھت پر رکھ دیئے۔

جہاز کے اندر مکمل خاموشی تھی۔ خوف اور شرم کے ملے جلے جذبات نے سب کو چپ لگا رکھی تھی۔ کینیسا نے آکر بتایا کہ گوشت چھت پر پڑا سوکھ رہا ہے۔ جو کھانا چاہیں، باہر جائیں اور کھا لیں۔ کوئی اپنی جگہ سے نہ ہلا اور کینیسا نے پھر اپنے ارادوں کی مضبوطی کا اظہار ضروری سمجھا۔ اس نے باآواز بلند خدا سے دعا کی کہ وہ اس کام کو عملی جامہ پہنانے میں اس کی مدد کرے، جسے وہ برحق سمجھتا ہے۔ پھر وہ گوشت کا ایک ٹکڑا اٹھا لایا لیکن کھانے کا خیال آتے ہی وہ ٹھٹک گیا۔ تمام تر مضبوط قوتِ ارادی کے باوجود جب عمل کا وقت آیا تو اس کا پورا وجود مفلوج ہو کر رہ گیا۔ اس کا ہاتھ منہ کی طرف بڑھتا تھا نہ وہ گوشت کے اس ٹکڑے کو ایک طرف رکھ سکتا تھا۔ اسے گھن سی آرہی تھی اس کے اندر ایک زبردست کشمکش برپا تھی۔ اس کے عمل سے بہت سے لوگوں کی زندگی وابستہ تھی ——— اور بالآخر اس کی قوتِ ارادی غالب آئی ——— اس نے ہاتھ اٹھایا، گوشت کا ٹکڑا منہ میں رکھا...... اور پھر نگل گیا۔ اسے فتح مندی کا احساس ہوا۔ اس کے ضمیر نے ایک رسم تحریم پر فتح پائی تھی۔ اسے احساس ہو چلا کہ اب وہ زندہ رہے گا۔

اسی شام لڑکے چھوٹی چھوٹی ٹولیوں میں باہر آئے تاکہ کینیسا کی پیروی کریں۔ زربینو نے ایک ٹکڑا اٹھایا اور کینیسا کی طرح نگلنا چاہا لیکن گوشت اس کے گلے میں اٹک گیا۔ اس نے دونوں چلوؤں سے برف اٹھائی اور منہ میں بھرلی۔ برف کے ساتھ ہی گوشت کا ٹکڑا بھی اس نے حلق سے نیچے دھکیل دیا۔ فیلٹو سٹراچ نے اس کی پیروی کی۔ پھر پیسیون نے بھی یہی عمل دہرایا، پھر وزنطین نے اور پھر — دوسروں نے۔ اس دوران گسٹاف نکولک، گھونگھریالے بالوں والا بیس سال کا سرد قد لڑکا جس نے اپنے ساتھیوں کا حوصلہ بڑھانے میں اب تک اہم کردار ادا کیا تھا، اپنی منگیتر کو خط لکھ رہا تھا۔ اس نے لکھا :

جان سے پیاری روزینہ !

مَیں تمہیں جہاز کے اندر سے خط لکھ رہا ہوں (فی الحال یہی ہمارا ہوٹل ہے) غروب آفتاب کا وقت ہے۔ سردی بڑھتی جارہی ہے۔ اور ہوائیں چلنا شروع ہوگئی ہیں۔ شام کے وقت یہاں یہی حال ہوتا ہے ویسے آج موسم بڑا شاندار تھا۔ سورج بہت خوبصورت تھا اور اس کی شعاعوں میں پیار بھری حدت تھی۔ مجھے وہ دن یاد آئے جو میں نے تمہارے ساتھ ساحلوں پر گزارے فرق یہ ہے کہ ان دنوں لنچ تمہارے گھر میں سکون سے کیا کرتے تھے لیکن آج مَیں یہاں لاچار پڑا ہوں۔ کھانے کے لیے کچھ بھی نہیں ہے۔ آج ان پہاڑوں میں ہمیں دسواں دن ہے۔ یہ دن، دوسری مشکلات کے علاوہ حوصلہ شکنی کا پیام لے کر طلوع ہوا ہے۔ بہت سے لوگ ہمتیں ہار بیٹھے ہیں لیکن خوش قسمتی سے اداسی میرے قریب بھی نہیں پھٹکی کیونکہ مجھے اس خیال ہی سے بے پناہ قوت ملتی ہے کہ مَیں تم سے دوبارہ ضرور ملوں گا۔ حوصلہ شکنی میں سب سے بڑا عمل دخل اس بات کو حاصل ہے کہ بہت جلد کھانے کی چیزیں ختم ہونے والی ہیں۔ ہمارے پاس خشک مچھلیوں کے چھوٹے دو ڈبے، اسفید شراب کی ایک بوتل اور چیری کی تھوڑی سی برانڈی رہ گئی ہے، جو ہم چھبیس آدمیوں کے لیے نہ ہونے کے برابر ہے۔

ایک بات جس کا تمہیں اعتبار نہیں آئے گا اور مجھے خود بھی اس پر یقین نہیں آتا کہ آج سے ہم نے مردہ ساتھیوں کا گوشت کھانا شروع کر دیا ہے تاکہ اسے خوراک کے طور پر استعمال کرسکیں۔ اور کوئی چارہ کار باقی نہیں۔ مَیں دل کی گہرائیوں سے خدا سے دعا کرتا رہا کہ یہ دن نہ آئے لیکن یہ آ پہنچا۔ اور ہمیں پوری ہمت اور ایقان سے اس صورت حال کا سامنا کرنا ہے۔ ایمان کی بات یہ ہے کہ میرا دل گواہی دیتا ہے کہ یہ مردہ جسم یہاں اس لیے بکھرے پڑے ہیں کہ خدا نے انہیں یہاں لا ڈالا ہے۔ اصل چیز تو روح ہوتی ہے، اسی لیے مجھے یہاں کوئی احساس گناہ نہیں۔ اگر کوئی ایسا

موقع آیا کہ مَیں اپنے مردہ جسم سے کسی کی جان بچا سکوں تو بخوشی ایسا کروں گا۔ مجھے کچھ معلوم نہیں تم امی، ابو اور بچے کیا محسوس کر رہے ہو گے۔ تمہیں شاید اندازہ نہ ہو سکے کہ تم لوگوں کے دُکھ کا احساس مجھے کس قدر غمگین کر دیتا ہے۔ میں خدا سے دعا گو رہتا ہوں کہ وہ تمہیں صبر دے اور ہمیں نئے حوصلے، کیونکہ یہاں سے نکلنے کا صرف یہی ایک ذریعہ ہے۔

تم مجھے دیکھ کر سہم جاؤ گی۔ مَیں کس قدر گندا ہو رہا ہوں، جسم سوکھ کر کانٹا ہو گیا ہے، شیو بڑھی ہوئی ہے۔ سر پر گہرا زخم ہے۔ سینے پر ایک لمبا زخم آیا تھا جو اب بھر چلا ہے۔ ٹانگوں اور شانوں پر کئی زخم ہیں۔ آج ہی کیبن میں کام کرتے ہوئے ایک نیا زخم لگا۔ لیکن اس سب کچھ کے باوجود ......

باقی سب خیریت ہے۔

○

دوسرے دن جہاز کی چھت کے سوراخوں سے جھانکنے والوں نے دیکھا کہ آسمان پر بادل چھائے ہوئے ہیں۔ کہیں کہیں سے سورج کی شعاعیں چمک رہی تھیں۔ دزدیدہ نظروں سے کچھ لوگوں نے کینیسا، زربینو، بیسیلون، وزنطین اور سٹراچ برادران کی طرف دیکھا۔ انہیں یہ خیال تو نہیں تھا کہ ان کے ہاتھوں کوئی بڑا گناہ سرزد ہوا ہے جس کی پاداش میں خدا کے عذاب نے راتوں رات انہیں آ لیا ہو گا بلکہ وہ اپنی روایات کی وجہ سے جانتے تھے کہ طبعی موت مرنے والے بچھڑے کا گوشت نہیں کھایا جاتا۔ وہ سوچ رہے تھے کہ انہی حالات میں مرے ہوئے انسانوں کا گوشت کھانا ان کے لیے مضر نہ ہو۔

تاہم جنہوں نے گوشت کھایا تھا وہ ٹھیک ٹھاک تھے۔ کسی نے بھی زیادہ مقدار میں نہیں کھایا اور وہ باقی لوگوں کی طرح ہی نحیف و نزار نظر آ رہے تھے۔ ہمیشہ کی طرح سب سے پہلے مارسیلو پیریز گدی سے اٹھا اور بولا، "رائے ہارلے! آؤ ریڈیو ٹھیک کرنے کی کوشش کریں۔" "سردی لگ رہی ہے ــــ کسی اور کو لے جاؤ" رائے بولا۔ "نہیں، یہ تمہارا کام ہے، اٹھو، چلو آؤ"۔ مارسیلو نے اصرار کیا۔ بادلِ نخواستہ رائے اٹھا، دو جرابوں پر اس نے بوٹ چڑھائے اور اونگھتے لڑکوں سے بچتا بچاتا مارسیلو کے پیچھے نکل آیا۔ دو تین اور لڑکے بھی باہر آ گئے۔

مارسیلو نے ایریل اٹھایا، رائے نے ریڈیو آن کیا اور اس کا ڈائل گھمانے لگا۔ اس نے چلی کا وہی ریڈیو سٹیشن لگانے کی کوشش کی جہاں سے گزشتہ روز سیاسی تقاریر نشر ہوتی رہی تھیں تاہم آج جب وہ ریڈیو سے کان لگائے کچھ سننے کی کوشش کر رہا تھا، اسے ایک نیوز بلیٹن کے آخری الفاظ

سنائی دیئے۔ "ایس اے آر نے اینڈیز کے پہاڑوں پر سفر کرنے والے تمام کمرشل اور فوجی جہازوں سے درخواست کی ہے کہ وہ فیئر چائلڈ جہاز نمبر ۱، ۵ کے ملبے کے بارے میں متجسس رہیں اور پہاڑوں پر اڑتے ہوئے گہری نظر سے ملبے کی علامات تلاش کرنے کی کوشش کرتے رہیں۔ یہ اعلان ایس اے آر کی طرف سے یوراگوئے کے طیارے کی تلاش میں کی جانے والی مہم منفی نتائج کی وجہ سے، ترک کر دینے کے بعد کیا جا رہا ہے۔" پھر نیوز کاسٹر دوسری خبریں سنانے لگا۔ رائے نے ریڈیو اپنے کانوں سے ہٹایا، مارسیلو کی طرف دیکھا اور جو کچھ سن چکا تھا، اسے بتایا۔ مارسیلو کے ہاتھوں سے ایریل گر گیا، اس نے اپنا چہرہ اپنے ہاتھوں میں چھپا لیا اور بے کسی کے عالم میں رونے لگا۔ دوسرے لڑکے بھی جو ان کے ارد گرد کھڑے تھے اور جنہوں نے خبر سن لی تھی رونے لگے ــــــ سوائے پیریڈو کے ــــــ جو خاموشی سے ان پہاڑوں کو تک رہا تھا جو مغرب میں بلند ہوتے چلے گئے تھے۔

گستاف نکولک جہاز سے باہر آیا اور سسکتے لڑکوں کو دیکھ کر سمجھ گیا کہ کیا ماجرا ہے۔ "باقی لوگوں کو کیا بتایا جائے؟" اس نے پوچھا۔ "کچھ نہیں بتانا چاہیے۔ کم از کم ان کی امید تو باقی رہنے دو۔" مارسیلو نے جواب دیا۔ "نہیں نہیں۔ انہیں صحیح صورتِ حال بتائی جانی چاہیے" نکولک نے کہا۔ "مجھ سے تو یہ نہیں ہو سکتا۔" مارسیلو سسکیاں بھرتا ہوا بولا۔ "میں بتاتا ہوں انہیں۔" یہ کہتے ہوئے نکولک جہاز کی طرف مڑا۔ وہ دروازے سے اوپر چڑھا اور وہیں اکڑوں بیٹھ گیا۔ تمام لڑکے سوالیہ نظروں سے اس کی طرف دیکھنے لگے۔ وہ بولا، "بھئی تم لوگوں کے لیے ایک اچھی خبر ہے۔ جو ہم نے ابھی ریڈیو پر سُنی ہے۔ انہوں نے تلاش کی کوششیں ترک کر دی ہیں۔"

جہاز میں گہرا سکوت چھا گیا۔ بے کسی کے احساسات نے ان پر مُردنی طاری کر دی اور پھر وہ رو پڑے۔ "یہ اچھی خبر کس طرح ہوئی؟" پیٹینز غصّے سے نکولک پر غرایا۔ "چونکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ اب ہم اپنی قوتِ بازو پر بھروسہ کرتے ہوئے اس جگہ سے نکل چلیں گے"۔ نکولک نے بڑے سکون سے جواب دیا۔

اس ایک لڑکے کی بلند حوصلگی نے باقی لوگوں کو مایوسی کی اتھاہ گہرائیوں میں گرنے سے بچا لیا لیکن وہ جو امدادی پارٹیوں کے منتظر تھے، اس بات پر یقین کرنے کو تیار نہ تھے۔ تاہم قنوطیت پسند لوگ، جنہیں کسی امدادی پارٹی کی توقع تھی نہ خود بچ نکلنے کا کوئی یارا، یہ خبر سن کر چپ ہو رہے۔ لیکن کوئی صدمہ نہ ہوا جیسے وہ پہلے سے اس خبر کے منتظر ہوں۔ لیکن یہ خبر سن کر مارسیلو کی ساری شخصیت ٹوٹ پھوٹ گئی۔ لیڈر ہونے کے ناطے وہ اب تک خود کو سنبھالے ہوئے تھا لیکن

اب زندگی اس کی آنکھوں میں اندھیر ہوگئی اور ایک لیڈر کی حیثیت سے اس کا کردار کھو کھلا ہو گیا ڈیلگاڈو پر بھی اس خبر کے منفی اثرات مرتب ہوئے۔ اس کی تمام خوش دلی اور فصاحت و بلاغت پہاڑوں کی ٹھنڈی ہواؤں میں تحلیل ہوگئی۔ اسے اس بات میں کوئی وزن نظر نہ آتا تھا کہ وہ اپنی کوششوں سے یہاں سے نکل سکیں گے۔ اس واقعے کے بعد وہ خاموشی سے پس منظر میں چلا گیا۔

پرانے حوصلہ دلانے والوں میں صرف لیلیانہ متھول رہ گئی تھی جو کچھ امید دلا رہی تھی۔ وہ کہہ رہی تھی، "فکر کی کوئی بات نہیں۔ ہم یقیناً یہاں سے نکلیں گے۔ جب برف پگھلے گی۔ تو وہ یقیناً ہمیں پالیں گے۔" جیسے اسے خوراک کا خیال آگیا، بولی، "ورنہ ہم اس مغربی پہاڑ کو عبور کر کے خود یہاں سے چلے جائیں گے۔"

نئے ابھرنے والے لیڈروں پر ایک ہی دھن سوار تھی، "زندگی کیونکر بچائی جائے؟" لیکن یہ بات ان کے لیے بھی پریشان کن تھی کہ وہ وادی جس میں وہ گھرے ہوئے تھے، مشرق کی طرف کھلتی تھی اور مغرب کی طرف، جدھر انہیں جانا تھا، بلند و بالا پہاڑوں نے ان کا راستہ روک رکھا تھا۔ لیکن اس سے پیریڈو کے ارادے میں کوئی کمی نہ آئی۔ تلاش کی منسوخی کی خبر سنتے ہی اس نے اعلان کیا کہ وہ اپنے طور پر مغرب کی طرف جا رہا ہے، کوئی اس کے ساتھ چلے یا نہ چلے ——— دوسروں نے بمشکل اسے روکا۔ دس دن پہلے اسے مردہ سمجھ کر چھوڑ دیا گیا تھا اور اس سے جسمانی طور پر بہتر اور توانا لڑکے موجود تھے جو یہ کام بہتر طریقے سے کر سکتے تھے۔ مارسیلو نے کہا، "جلدی نہ کرو ——— آؤ مل کر اس پر سوچیں۔ جانیں بچانے کا یہ واحد راستہ باقی رہ گیا ہے۔"

مارسیلو کے احترام میں ابھی کمی نہ آئی تھی اور پیریڈو میں بھی اتنی ٹیم سپرٹ باقی تھی کہ وہ دوسروں کا کہا مانے۔ ویسے بھی وہ اکیلا نہیں تھا۔ کچھ اور لڑکے بھی اس کی اس رائے کے حامی تھے۔ کہ اس سے پہلے کہ وہ اور کمزور ہو جائیں انہیں مغربی پہاڑ پر چڑھنے کے لیے ایک اور ٹیم روانہ کرنی چاہیے تاکہ ایک تو یہ پتہ چلے کہ اس پہاڑ کے دوسری طرف کیا ہے دوسرے شاید جہاز کی ٹیل ہاتھ آجائے جس میں پڑی بیٹریاں جہاز کا ریڈیو چالو کرنے کے کام آسکتی تھیں اور ایک آدھ سوٹ کیس مل گیا تو کھانے پینے کی چیزیں اور مزید کپڑوں کے ملنے کا امکان تھا۔

سب نے اس پر اتفاق کیا کہ ان میں سے مضبوط ترین لڑکوں پر مشتمل ایک گروپ کو فوراً روانہ ہونا چاہیے چنانچہ ریڈیو پر خبر سننے کے ایک گھنٹہ بعد زربینو، ٹرکاٹی اور ہیسلون پہاڑ پر چڑھنے کے

لیے نکلے۔ ان کے ساتھی منتشر دھڑکنوں کے ساتھ انہیں جاتا دیکھ رہے تھے۔

کینیا اور فیٹو سٹراچ اسی لاش کی طرف چلے جس سے ایک دن پہلے انہوں نے گوشت اتارا تھا۔ جو ٹکڑے جہاز کی چھت پر رکھے گئے تھے، تمام کے تمام کھائے جا چکے تھے۔ باہر کی ہوا میں سوکھنے کے بعد انہیں نگلنا آسان ہو گیا تھا اور تلاش کی منسوخی کی خبر سن کر بہت سے جھجکنے والے بھی اسے کھانے پر آمادہ ہو گئے تھے۔

پیر یڈو نے پہلی مرتبہ انسانی گوشت چکھا۔ اسی طرح دانیال فرینینڈیز نے بھی بڑی مشکل سے کراہت پر قابو پایا۔ ایک ایک کر کے ان سب نے خود کو اپنے دوستوں کی لاشیں کھانے پر مجبور کیا۔ کچھ کے نزدیک یہ ایک ناگوار ضرورت تھی جب کہ باقیوں کے لیے یہ ضمیر اور اخلاق کے درمیان جدوجہد تھی۔

کچھ کے لیے ابھی تک یہ مشکل کام تھا۔ للیانہ، جیویر میتھول، کوشے انسیارٹی اور پانچو ڈیلگاڈو ابھی تک گوشت نہیں کھا سکتے تھے۔ مارسیلو پیریز نے انہیں قائل کرنے کے لیے اپنی اتھارٹی استعمال کی لیکن اس کے کہنے کا پیڈرو الگورٹا پر کوئی اثر نہ ہوا۔ پیڈرو ان دو لڑکوں میں سے ایک تھا جو ایئرپورٹ سے روانگی کے وقت بہترین کپڑوں میں ملبوس تھے۔ حادثے کے وقت اس کے سر پر چوٹ آئی تھی اور اب تک جو کچھ بھی ہو رہا تھا وہ نیم باز آنکھوں سے سب کچھ دیکھتا رہا تھا۔ وہ مسلسل عالمِ خواب میں جی رہا تھا۔ جب گوشت کا ٹکڑا اسے تھمایا گیا تو وہ اسے نگلتے ہوئے بولا، ”مجھے تو یہ ایک مذہبی رسم معلوم ہوتی ہے۔ یسوع مسیح نے مرتے وقت اپنا جسم ہمارے حوالے کر دیا تھا تاکہ ہم روحانی زندگی حاصل کر سکیں۔ میرے دوست نے اپنا جسم ہمیں بخش دیا ہے تاکہ ہم جسمانی طور پر بھی زندہ رہ سکیں۔“ اسی خیال کے تحت کوشے انسیارٹی اور پانچو ڈیلگاڈو نے اپنا اپنا حصہ نگلا۔ مارسیلو نے یہ بات ذہن میں بٹھا لی تاکہ باقی لوگوں کو بھی یہ گوشت کھانے پر آمادہ کیا جا سکے۔ ایک ایک کر کے سب نے گوشت کھا لیا یہاں تک کہ صرف للیانہ اور جیویر میتھول باقی رہ گئے۔

یہ بات طے ہو چکنے کے بعد کہ انہیں لاشوں کے گوشت پر ہی زندہ رہنا ہے، مضبوط اور توانا لڑکوں پر مشتمل ایک گروپ تشکیل دے کر ان کے ذمے یہ کام لگایا گیا کہ وہ تمام لاشوں کو برف سے ڈھانک دیں۔ باقی لڑکے جو کمزور اور زخمی تھے، ایلومینیم کی پلیٹوں میں برف لیے پانی بنانے بیٹھ گئے۔ کچھ نے کیبن صاف کیا۔ کینیا نے ضرورت بھر گوشت کاٹنے کے بعد زخمیوں کی طرف توجہ دی۔ سرسری معائنے سے وہ ان کی حالت سے مطمئن تھا۔ تقریباً سبھی کے زخم بھر رہے تھے اور کسی

میں بھی زخم پھیلنے کے آثار نہیں تھے ۔ ٹوٹی ہوئی ہڈیوں کے اردگرد سوجن اتر رہی تھی ۔الوارد منجینو اور پانچو ڈبلگاڈو اپنی تکالیف کے باوجود ایک ٹانگ پر اچھلتے ہوئے باہر آجاتے تھے ۔آرٹورونگوبرا کی حالت نازک تھی ۔اسے جہاز سے باہر آنے کے لیے پیٹ کے بل رینگنا پڑتا تھا اور بازو کے سہارے آگے بڑھتا ہوتا تھا ۔البتہ ریفائیل ایشیورن کی حالت خراب تھی ۔اس کی ٹانگ میں ناسور کے آثار دکھائی دے رہے تھے ۔

انریق بلیبرڈ نے ،جس کے پیٹ سے لوہے کی ایک ٹیوب نکالی گئی تھی ،کینیسا کو بتایا کہ وہ ویسے تو پہلے سے بہتر محسوس کرتا ہے لیکن اندر سے کوئی چیز ابھی تک باہر نکلی ہوئی ہے ۔کینیسا نے وہ قمیض کھولی جو بلیبرڈ نے پٹی کے طور پر پیٹ پر باندھ رکھی تھی ۔اس نے دیکھا کہ زخم واقعی بھر رہا ہے لیکن کوئی چیز جلد سے باہر نظر آرہی ہے ۔اس کا کچھ حصہ خشک ہو چلا تھا ۔کینیسا نے بلیبرڈ سے کہا اگر وہ خشک حصہ کاٹ دے تو باقی شاید آسانی سے اندر جاسکے ۔"لیکن یہ باہر نکلی ہوئی چیز ہے کیا ؟" بلیبرڈ نے پوچھا ۔کینیسا نے کندھے اچکائے اور بولا ،"ٹھیک طور پر تو مجھے بھی معلوم نہیں ،لیکن شاید یہ معدے کے اوپر کی جھلی ہے ۔لیکن اگر یہ کوئی آنت ہے اور میں نے اسے کاٹ دیا تو تمہاری خیر نہیں ،سوچ لو ۔" بلیبرڈ بغیر کسی جھجک کے لیٹ گیا اور بولا ،"جو چاہو کرو ۔"

کینیسا اپریشن کے لیے تیار ہو گیا ۔کاٹنے کے لیے اسے اختیار تھا کہ وہ ٹوٹے ہوئے شیشے کا ٹکڑا استعمال کرے یا بلیڈ ——— جراثیم کش دوا یخ بستہ ہواؤں کی شکل میں ان کے پاس چاروں طرف موجود تھی ۔اس نے زخم پر یوڈی کلون چھڑکا اور شیشے کے ٹکڑے سے سوکھی ہوئی کھال کاٹ کر الگ کر دی ۔بلیبرڈ کو درد محسوس نہ ہوا لیکن یہ بڑھا ہوا حصہ اب بھی کھال کے اندر نہ جاتا تھا ۔کینیسا نے مزید احتیاط کرتے ہوئے زندہ حصے کے قریب سے کھال کاٹی ۔وہ ڈر رہا تھا کہ اگر یہ آنت ہے تو اس کا کھلنا کسی مصیبت کا باعث نہ ہو ۔آخر سرجن کی مہارت رنگ لائی اور یہ حصہ پیٹ کے اندر چلا گیا ۔"کیا چاہتے ہو ،اس کو سی دوں ؟" کینیسا نے مریض سے پوچھا ۔"لیکن ہمارے پاس آپریشن والا مخصوص دھاگہ نہیں ہے ۔" اس نے ساتھ ہی وضاحت بھی کر دی ۔"چھوڑو ،چھوڑو اب اسے بھول جاؤ ۔بس اسے دوبارہ کس کر باندھ دو ۔" بلیبرڈ اپنی کہنیوں کے بل اٹھتے ہوئے بولا ۔کینیسا نے مضبوطی سے قمیض دوبارہ اس کے پیٹ پر باندھ دی ۔بلیبرڈ اٹھ کھڑا ہوا اور بولا ،"اب میں کسی بھی مہم پر جانے کے لیے تیار ہوں ——— جب ہم واپس مونٹی ویڈیو پہنچیں گے تو تمہیں اپنا ڈاکٹر رکھ لوں گا ۔تم سے بہتر شاید مل بھی نہ سکے ۔"

جہاز سے باہر گستاف نکو لک کی نقل کرتے ہوئے، کارلیٹوس پئیز اپنے باپ، ماں اور بہنوں کو خط لکھ رہا تھا۔ اس نے اپنی دادی کو لکھا، "تمہیں کچھ اندازہ نہیں ہو سکتا کہ ان دنوں میں نے تمہارے بارے میں کتنا سوچا ہے کیونکہ تم نے اپنی زندگی میں بڑی مشقتیں اٹھائی ہیں۔ کچھ نہیں کہہ سکتا کہ میری جدائی پر تمہارا کیا حال ہوا ہوگا۔ تم نے مجھے بہت کچھ سکھایا ہے اور سب سے بڑی بات خدا پر ایمان رکھنا سکھایا ہے۔ تمہیں اندازہ بھی نہیں ہو سکتا کہ ان دنوں میرا خدا پر ایمان کتنا بڑھ گیا ہے۔ میں تمہیں بتانا چاہتا ہوں کہ تم دنیا کی شفیق ترین دادی ہو اور جب تک میں زندہ ہوں تمہیں ہر ہر لمحے یاد رکھوں گا۔"

○

زربینو، ٹرکاٹی اور ربیپون اس راستے پر چلتے رہے جو جہاز کے گرنے سے برف پر بن گیا تھا۔ ہر بیس پچیس قدم کے بعد وہ آرام کے لیے رک جاتے تاکہ دل کی تیز دھڑکنیں بحال کر سکیں۔ پہاڑ بالکل عمودی اٹھا ہوا تھا۔ اور توازن برقرار رکھنے کے لیے انہیں ننگے ہاتھوں سے برف کا سہارا لینا پڑتا۔ روانگی اتنی جلدی میں ہوئی تھی کہ وہ سردی سے مناسب طریقے سے محفوظ رکھنے کے لیے کوئی خاص اہتمام نہ کر سکے تھے۔ عام قمیض، ہلکے سویٹر یا جیکٹیں اور کینش پہن رکھے تھے۔ تینوں تھے تو توانا لیکن پچھلے گیارہ دنوں میں انہوں نے کھایا کیا تھا کہ اب تک مضبوط کہلاتے۔

اس دوپہر ہوا اتنی سرد نہیں تھی، جب وہ اوپر چڑھ رہے تھے تو سورج ان کی پشت پر چمک رہا تھا اور انہیں گرم رکھے ہوئے تھا۔ البتہ ان کے پیر برف کی وجہ سے گیلے ہو گئے تھے اور پیروں کے راستے ٹھنڈ چڑھ رہی تھی۔ دوپہر کے وقت وہ ایک چٹان پر پہنچے زربینو نے دیکھا کہ اس پر سے برف پگھل پگھل کر قطروں کی صورت گر رہی ہے۔ زربینو آگے بڑھا اور ان قطروں سے پیاس بجھانے لگا۔ اس کے ایک طرف کائی بھی جمی ہوئی تھی۔ اس نے اسے کھرچ کر کھانے کی کوشش کی لیکن اس میں مٹی کا ذائقہ تھا۔ انہوں نے چڑھائی جاری رکھی، لیکن شام کے سات بجے انہوں نے دیکھا کہ وہ چوٹی سے ابھی آدھے فاصلے پر تھے۔ سورج غروب ہو چکا تھا اور تھوڑی بہت روشنی باقی تھی۔ وہ بیٹھ کر سوچنے لگے کہ کیا کیا جائے۔ سب نے اس بات پر اتفاق کیا کہ رات کے وقت سردی اور بڑھ جائے گی اور اگر انہوں نے کھلے پہاڑ پر رات بسر کی تو وہ سردی سے مر جائیں گے اور اگر وہ واپس چلے گئے تو اب تک کی جدوجہد بیکار جاتی۔ چوٹی پر چڑھنا اور جہاز کی ٹیل تلاش کر کے

اس میں سے بیٹریاں حاصل کرنا ہی تمام لوگوں کے لیے زندہ رہنے کا پیغام بن سکتا تھا چنانچہ انہوں نے فیصلہ کیا کہ وہ واپس جانے کی بجائے کھلے آسمان تلے ہی رات بسر کریں گے۔ انہوں نے پھر چڑھائی شروع کر دی اور ایسی چٹان کی تلاش شروع کی جو ذرا باہر کو نکلی ہوئی ہو کہ اس کے نیچے بیٹھ کر وہ قدرے محفوظ رہ سکتے تھے۔

تھوڑا سا اوپر گئے ہوں گے کہ انہوں نے ایک پہاڑی دیکھی جس پر سے برف اڑ گئی تھی اور اس کے نیچے چٹانیں ننگی تھیں۔ انہوں نے اردگرد سے پتھر اکٹھے کر کے ایک اوٹ سی بنائی اور جڑ کر اس کے قریب گئے۔ چار سو اندھیرا چھایا تو تاریکیوں کے ساتھ ہی یخ بستہ سردی میں بھی اضافہ ہو گیا۔ درجہ حرارت نقطۂ انجماد سے کہیں نیچے گر گیا تھا۔ یوں لگتا تھا کہ سرد ہواؤں کے مقابلے میں وہ بالکل ننگے بیٹھے تھے۔ نیند کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ سردی کے مارے ان کے جسم اکڑے جا رہے تھے۔ خود کو گرم رکھنے کے لیے انہوں نے ایک دوسرے کی مالش کی، ہاتھ پاؤں ملے اور مکوں کی بارش بھی کرتے رہے لیکن ہوا کی نمی نے ان کے کپڑے گیلے کر دیئے اور آہستہ آہستہ ان کے جسم سن ہو گئے ——— کچھ کہنا چاہتے مگر منہ سے کوئی بات نہ نکلتی۔ وہ حسرت سے ایک دوسرے کو تکتے رہے۔ کسی کو بھی یقین نہیں تھا کہ ان میں سے کوئی زندہ بچ سکے گا لیکن جب مشرق سے سورج طلوع ہوا تو ان میں جان باقی تھی۔ سورج ذرا بلند ہوا، شعاعوں میں کچھ حدت آئی تو وہ اپنی جگہ سے ہلے اور ایک دوسرے کو ٹٹول ٹٹول کر دیکھا۔ انہوں نے اپنے کپڑے اتارے اور انہیں نچوڑا۔ ان میں اتنی نمی سما گئی تھی کہ نچوڑنے پر اچھا بھلا پانی نکلا ——— وہ کپڑے سکھانے کی سوچ ہی رہے تھے کہ سورج ایک بادل کے پیچھے چھپ گیا۔ انہوں نے گیلے کپڑے ہی پہن لیے اور اپنے سفر پر روانہ ہو گئے۔

وہ جگہ جگہ دم لینے کے لیے رکتے اور مڑ کر جہاز کے ملبے کی طرف دیکھتے۔ آہستہ آہستہ اس کے ڈھانچے نے ایک نقطے کی سی شکل اختیار کر لی۔ اب کوئی انجان آدمی دیکھتا تو اسے کچھ پتہ نہ چلتا کہ جہاز کا ڈھانچہ کدھر ہے۔ یہ پہاڑوں کی ابھری ہوئی چٹانوں کے پس منظر میں گم ہو گیا تھا۔ نیل پالش اور لپ سٹک سے لڑکوں نے جو کچھ جہاز کی چھت پر لکھا تھا بالکل نظر نہ آتا تھا اور اب ان تینوں کو معلوم ہوا کہ ان تک کوئی بھی امدادی پارٹی کیوں نہیں پہنچ سکی۔ جہاز فضا سے نظر آ ہی نہیں سکتا تھا۔ وہ صرف اس منظر ہی سے دل گیر نہیں ہو رہے تھے بلکہ وہ جوں جوں اوپر جا رہے تھے، ان کی نظر برف سے مستور چوٹیوں پر پڑ رہی تھی۔ اس بات کے کوئی آثار نہیں تھے کہ وہ انڈیز کے اختتام پر ہیں

لیکن وہ صرف شمال اور مشرق کی طرف دیکھ سکتے تھے۔ مغرب اور جنوب کی طرف چٹانیں تھیں اور کچھ پتہ نہ تھا کہ اس طرف کیا ہے۔ تاہم چوٹیوں سے ان کا فاصلہ تھوڑا رہ گیا تھا وہ جب بھی سمجھتے کہ وہ چوٹی پر پہنچ گئے۔ وہ خود کو کسی دوسری چٹان کے اوپر پاتے، سلسلۂ کہسار ختم ہونے میں نہ آتا تھا۔

آخر کار اسی طرح کی ایک چٹان کی سطح پر پہنچے تو انہیں ان کی محنت کا صلہ مل گیا۔ یہ ایک چٹان تھی جس کے اردگرد دھات کے وہ ٹکڑے بکھرے پڑے تھے جو کبھی جہاز کے ایک ونگ کا حصہ ہوں گے۔ تھوڑا اوپر گئے تو قدرے ہموار جگہ آئی اس پر انہیں ایک نشست اوندھی پڑی ملی ان کا ایک ساتھی ابھی تک نشست سے بندھا ہوا تھا اس کا چہرہ سیاہ ہو چکا تھا۔ انہوں نے سوچا کہ شاید وہ اس ایندھن سے جلا ہے جو جہاز کے انجنوں سے نکلا ہوگا۔ زربینو نے بڑی احتیاط سے اس لاش کی تلاشی لی۔ اسے ایک بٹوہ اور شناختی کارڈ ملا۔ اس کی گردن میں ایک زنجیر اور مقدس تمغے پڑے ہوئے تھے۔ اس نے وہ بھی اتار لیے۔ اوپر انہیں پانچ لاشیں اور ملیں۔ تین اولڈ کرسچن کلب کے ممبروں کی لاشیں تھیں۔ دو جہاز کے عملے کی —— انہوں نے سب کی تلاشی لی اور ضروری چیزیں محفوظ کرلیں۔

پھر انہوں نے جہاز کے کل مسافروں کی گنتی کی۔ چھ لاشیں یہاں پہاڑ پر پڑی تھیں، گیارہ لاشیں نیچے تھیں۔ چوبیس زندہ آدمی فیرچائلڈ میں موجود تھے اور تین وہ خود —— کل چوالیس ہوئے۔ گنتی مکمل تھی۔

وہ چوٹی پر ابھی تک نہیں پہنچے تھے لیکن جہاز کی ٹیل یا دوسرے ملبے کا کچھ پتہ نہ تھا۔ وہ تھوڑا سا نیچے کی طرف اترے اور ڈھلوان سے بنائے گئے رستے پر چلتے ہوئے انہوں نے ایک چٹان کے اوپر جہاز کا انجن پڑا دیکھا وہاں سے اردگرد کا نظارہ بڑا مسحور کن تھا۔ تیز دھوپ کی وجہ سے ان کی آنکھیں چندھیا رہی تھیں۔ ان سب کے پاس دھوپ کے چشمے تھے سوائے زربینو کے۔ زربینو کا چشمہ اوپر آتے ہوئے گر پڑا تھا اور پھسل کر اس کی پہنچ سے کافی نیچے چلا گیا تھا۔ زربینو چشمہ تو وہیں چھوڑ آیا تھا لیکن ایک خیال ساتھ لے آیا تھا۔ واپسی کا سفر شروع ہوا تو انہوں نے نشستوں سے اٹھائی گئی گدیوں سے مدد حاصل کی اور انہیں اپنے کولہوں سے باندھ کر ان پر بیٹھ کر پھسلنے لگے۔ وہ جہاز کے ہر ٹکڑے کے پاس رکتے کہ شاید کوئی کام کی چیز مل جائے اور رفتار کم رکھنے کے لیے سیدھا نیچے پھسلنے کی بجائے آڑے ترچھے ہو کر نیچے اتر رہے تھے۔ انہیں جہاز گرم

رکھنے والا سسٹم ملا، پھر باتھ روم کا حصہ اور پھر ٹیل کے حصے کے پرزے۔ لیکن ٹوڈٹیل کا کہیں پتہ نہ تھا
برف سے منعکس ہوتی سورج کی شعاعیں اتنی چمکدار تھیں کہ زربینو کو کچھ نظر نہ آتا تھا۔ وہ آنکھیں
بیچ بیچ کر آگے بڑھ رہا تھا، بلکہ کبھی کبھار تو اس کے ساتھی اسے سہارا دیتے۔ آہستہ آہستہ وہ نیچے آ گئے۔
جب جہاز کے ڈھانچے سے ان کا فاصلہ تھوڑا رہ گیا تو میپلون نے کہا، "ہمیں باقی لوگوں کو یہ نہیں بتانا چاہیے
کہ ان راستوں پر چڑھنا اترنا اور بچ نکلنے کی کوشش کس قدر بیکار خیال ہے؟" ترکائی نے اس کی
حمایت کی، "ہاں! ہاں! ان کی حوصلہ شکنی سے فائدہ؟ —— لیکن یہ تمہارے پیر کو کیا ہوا ہے؟"
اس نے میپلون کے پیر کی طرف اشارہ کرتے ہوئے پوچھا۔ میپلون نے اپنے پاؤں کی طرف دیکھا۔ اس کا
جوتا اتر چکا تھا، لیکن سردی کی وجہ سے ٹانگ اتنی سُن ہو گئی تھی کہ اسے بالکل پتہ ہی نہ
چل سکا۔

باقی چوبیس آدمی انہیں بخیریت واپس اترتا دیکھ کر خوش ہوئے لیکن ان کی جسمانی حالت دیکھ
کر سہم گئے۔ تینوں اپنی سُن ٹانگوں پر اچھلتے واپس آرہے تھے اور صرف ایک رات باہر گزارنے پر ان کی
حالت پتلی ہو گئی تھی۔ زربینو تو تقریباً اندھا بن کر لوٹا —— اس پر مستزاد یہ کہ ٹیل کی کوئی خبر نہیں ملی
تھی۔ انہیں فوری طور پر جہاز کے اندر لے جا کر گدیوں پر لٹا دیا گیا۔ گوشت کے ٹکڑے انہیں دیئے گئے
جو وہ فوراً نگل گئے۔ ان کی آنکھوں سے مسلسل پانی بہہ رہا تھا۔ اتفاق سے کینیسا کو ایک
سوٹ کیس سے آنکھوں کی ایک دوا مل گئی تھی۔ اس کے قطرے ان کی آنکھوں میں ٹپکائے گئے
جلن تو محسوس ہوئی لیکن وہ بخوشی اسے برداشت کر گئے کہ اس کسمپرسی کے عالم میں بھی ان کی
آنکھوں کے لیے کچھ نہ کچھ میسر تھا۔ زربینو نے اپنی آنکھوں پر ایک قمیص باندھ لی۔ دو دنوں
بعد یہ قمیص کھولی تو اسے کچھ نظر نہ آتا تھا۔ وہ صرف روشنی اور سایے میں تمیز کر سکتا تھا اس
نے پھر قمیص نقاب کی طرح باندھ لی اور سورج کی کرنوں سے بچتا رہا۔ کھانے پینے کے
وقت بھی وہ نقاب ڈالے رکھتا۔ بصارت کھونے کے بعد وہ ناقابل برداشت حد تک
تنک مزاج اور چڑچڑا ہو گیا۔

مہم میں ان کے پاؤں بھی بری طرح متاثر ہوئے تھے۔ سردی کی وجہ سے وہ سوج کر
سرخ ہو گئے تھے۔ ان کے ساتھیوں نے ہلکے ہلکے ان کے پیروں کی مالش کی۔ کوئی بھی
یہ بات نظر انداز نہ کر سکتا تھا کہ صرف ایک روزہ مہم نے ان کے مضبوط ترین افراد کو ادھ موا
کر دیا تھا۔ اس احساس نے ان کے حوصلے پھر پست کر دیے۔

اس واقعے کے بعد ایک دن سورج گہرے بادلوں میں چھپ گیا جس کی وجہ سے دھوپ میں پانی بنانے کی تدبیر کارگر نہ رہی۔ انہیں پھر بوتلوں میں برف ڈال کر ہلانے کا پرانا طریقہ اپنانا پڑا۔

اس دوران رائٹ برادرز اور کارلیٹوس ٹمینز کو خیال آیا کہ کیوں نہ کوکا کولا کے ان کریٹوں سے آگ جلائی جائے جو سامان والے حصے میں پڑے سے ملے تھے۔ آگ جلائی گئی برف المونیم کی چادروں میں ڈال کر اوپر رکھی گئی تو جلد ہی پانی میں بدل گئی۔

آگ کے شعلے ابھی سرد نہیں ہوئے تھے کہ کسی کو گوشت پکانے کی سوجھی۔ المونیم کی چادریں توے کے طور پر استعمال کرتے ہوئے انہوں نے گوشت کو ہلکا ہلکا سرخ کیا تو اس کی خوشبو بے انتہا بہتر تھی ذائقے میں گرچہ خاص فرق نہیں پڑا۔

گوشت "بھننے" کی خوشبو نے دوسرے لڑکوں کو بھی آگ کے اردگرد جمع کر دیا۔ کوشے انسیارٹی کو ابھی تک کچا گوشت کھانے سے کراہت محسوس ہوتی تھی لیکن "بھنے گوشت" کا ذائقہ اسے بھی بہتر محسوس ہوا یہی حال رائٹ برادرز نیو ماٹر کاٹی اور ایڈورڈ سٹراج کا تھا روسٹ گوشت نگلنا انہیں آسان لگا۔

کینیسا اور سٹراج برادران گوشت پکانے کے خلاف تھے اور اس اتھارٹی کے پیشِ نظر جو انہیں دوسروں پر حاصل تھی، ان کی رائے نظر انداز نہ کی جا سکتی تھی۔ کینیسا اپنے علم اور اتھارٹی کو بروئے کار لاتے ہوئے دوسرے لڑکوں سے مخاطب ہوا "چالیس ڈگری سنٹی گریڈ سے اوپر کے درجہ حرارت میں پروٹین ختم ہونے لگتے ہیں۔ اگر تم گوشت سے زیادہ سے زیادہ استفادہ کرنا چاہتے ہو تو اسے کچا کھانا ضروری ہے۔"

"اور جب تم اسے پکاتے ہو تو یہ سائز میں بھی سکڑ جاتا ہے۔ اس کی زیادہ تر غذائیت دھواں بن کر اڑ جاتی ہے یا پگھل کر بہہ جاتی ہے۔"

فرینڈیز نے لقمہ دیا۔

یہ دلائل رائٹ برادرز یا انسیارٹی کے لیے بے کار تھے۔ وہ کچے گوشت سے غذائیت کیونکر حاصل کرتے اگر اسے کھا ہی نہیں سکتے تھے۔ بہرحال گوشت "روسٹ" کرنے پر خودبخود ایک حد تک پابندی اس طرح لگ گئی کہ ایک تو ان کے پاس ایندھن کے وسائل کافی نہیں تھے صرف تین کریٹ تھے، دوسرے برف میں چلنے والے جھکڑوں کی موجودگی میں آگ جلانی مشکل ہوتی۔

آئندہ چند روز میں، جب ایڈورڈ سٹراج انتہائی لاغر اور دبلا ہو گیا تو اپنے چچازاد بھائیوں کے کہنے سننے پر اس نے بھی کچے گوشت سے کراہت پر قابو پا لیا۔ ہاسے، انسیار ٹی اور ٹرکاٹی کبھی اس کراہت پر قابو نہ پا سکے لیکن وہ اتنا گوشت کھا لیتے جو زندگی سے ان کا رشتہ قائم رکھ سکے۔ ابھی تک جن افراد نے انسانی گوشت نہیں چکھا تھا، وہ ان کے بزرگ ترین افراد تھے، جیویر متھول اور للیانہ۔ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ باقی افراد تو نئی خوراک کی وجہ سے قدرے توانا ہونے لگے لیکن یہ جوڑا جس کا گزارا ابھی کچی شراب، چاکلیٹ اور جیم پر تھا۔ دن بدن نحیف ہوتا چلا گیا۔

باقی لڑکے ان کی گرتی ہوئی صحت کو تشویش سے دیکھ رہے تھے۔ مارسیلو نے بار باران سے التجا کی کہ وہ گوشت سے کراہت پر قابو پانے کی کوشش کریں لیکن بے سود ـــــ اس نے پیڈرو الگورٹا کے کہے گئے الفاظ بھی دہرائے۔ "اسے مذہبی رسم سمجھ کر ادا کرو۔ اس گوشت کو یسوع مسیح کا جسم اور خون سمجھو کیونکہ یہ خدا نے اسی لیے ہمیں دیا ہے کہ ہم زندہ رہیں۔" للیانہ خاموشی سے اس کی بات سنتی اور کبھی کبھار سر ہلا کر کہتی۔ "مارسیلو تم جو کچھ کر رہے ہو، درست ہے، تم جو کہتے ہو ٹھیک ہے۔ لیکن میں کیا کروں۔ مجھ سے یہ ہو نہیں سکتا۔ بس یہ کام کر نہیں سکتی۔"

دن گزرتے گئے کبھی کبھار ایسے لمحے بھی آتے جب وہ جہاز میں اکیلے رہ جاتے۔ تب وہ مونٹی ویڈیو میں اپنے گھر کے بارے میں باتیں کرتے۔ اپنے بچوں کو یاد کرتے۔ انہیں میری نوئل کا خیال آتا۔ جو صرف تین سال کی تھی اور ماں کے لیے تڑپ رہی ہو گی ـــــ وہ اپنی دس سالہ بچی ماریا لٹورا کو یاد کرتے کہ پتہ نہیں وہ سکول کا کام کرتی ہے یا کھیل کود میں مشغول رہتی ہے۔ جیویر اپنی بیوی کو یقین دلانے کی کوشش کرتا کہ اس کے ماں باپ ان کے گھر آ گئے ہوں گے اور بچوں کا خیال رکھ رہے ہوں گے۔ وہ للیانہ کی ماں کے بارے میں باتیں کرتے۔ للیانہ کہتی "جب ہم یہاں سے واپس جائیں گے تو میں اپنی امی ابو کو بلا کر اپنے کیراسکو والے گھر میں رکھوں گی کچھ دنوں کے لیے۔" یہ کہتے ہوئے وہ جیویر کو ملتجیانہ نظروں سے دیکھتی ـــــ اسے احساس تھا کہ ہر شوہر یہ پسند نہیں کرتا کہ اس کی ساس اور سسر اس کے گھر میں رہیں۔ لیکن جیویر سادگی سے مسکرا دیتا اور کہتا "کیوں نہیں۔ ضرور ضرور ـــــ ہمیں پہلے اس کا خیال کیوں نہیں آیا۔" وہ سوچتے کہ گھر کے ساتھ ہی ایک چھوٹی سی انیکسی بنوا دیں گے تاکہ للیانہ کے والدین آزادانہ طور پر

رہ سکیں۔ للیانہ کو یہ فکر کھائے جاتی کہ کیا اس کے ماں باپ کے پاس یہ ایکسی بنوانے کے لیے پیسے ہوں گے؟ دوسرے اس اضافی عمارت سے ان کا باغیچہ تو بالکل سکڑ کر رہ جائے گا، لیکن جیویر اس کی ہاں میں ہاں ملاتا رہتا۔۔۔ تاہم اس گفتگو سے جیویر میں زندہ رہنے کی خواہش بڑھ گئی اور اگلی مرتبہ جب مارسیلو نے اسے گوشت پیش کیا تو تمام نزکراہت کے باوجود اس نے اسے منہ میں رکھا اور نگل گیا۔

اب صرف للیانہ باقی رہ گئی تھی۔ اگرچہ وہ بہت کمزور ہو چکی تھی، زندگی بخارات بن بن کر اس کے جسم سے اڑتی جارہی تھی لیکن اس کا موڈ بدستور وہی تھا۔ اس نے اپنے بچوں کے نام خط لکھے جن میں کہا گیا تھا کہ وہ ان سے کس قدر محبت کرتی تھی۔ اب وہ زیادہ تر وقت اپنے شوہر کے ساتھ ہی گزارتی۔ وہ اس کی مدد کرتی رہتی۔ کبھی کبھار اسے اپنے شوہر پر غصہ بھی آتا، کیونکہ بیماری کی وجہ سے اس کے قدم بوجھل اور حرکت سست ہو گئی تھی لیکن موت کے اتنے قریب ہو کر ان کی رفاقت کے بندھن اور بھی مضبوط ہو گئے تھے۔ پہاڑوں پر ان کی زندگی مونٹی ویڈو کی طرح ہی تھی کہ مایوسی کے ان لمحات میں ان کی قربتیں بڑھ گئی تھیں اور زندگی ایک ہی قالب میں ڈھل گئی تھی۔ مایوسی اور اداسی بھی ان کی رفاقتوں کا ایک بندھن تھی کہ جب وہ اپنے چار بچوں کے بارے میں باتیں کرتے جنہیں وہ شاید کبھی نہ مل پاتے تو ان کی آنکھوں سے جاری ہونے والے آنسوؤں میں خوشی کے آنسو بھی شامل ہوتے، ان لمحات میں جب وہ بیتے دنوں کو یاد کرتے تو انہیں احساس ہوتا کہ خدا نے انہیں کن کن نعمتوں سے نوازا تھا۔۔۔

ایک شام سورج چھپنے سے ذرا پہلے جب وہ ستائیس افراد رات گزارنے کے لیے جہاز کے ڈھانچے کی طرف جارہے تھے تو للیانہ اپنے میاں کی طرف مڑی اور بولی کہ اس کی خواہش ہے کہ جب وہ گھر لوٹیں تو ان کے ہاں ایک بچہ اور ہو۔ اسے جانے کیوں یہ احساس ہوا کہ اگر وہ زندہ بچی تو اسی لیے بچے گی کہ خدا کو اس کے ہاتھوں ایک اور بچے کی پرورش مطلوب تھی۔

جیویر یہ سن کر خوش ہو گیا۔ اسے بچوں سے بے پناہ محبت تھی وہ بچوں میں رہ کر خوش رہتا تھا او۔ چاہتا تھا کہ اس کے ہاں اور بچے پیدا ہوں، لیکن جب اس نے مسکراتے ہوئے اپنی بیوی کی آنکھوں ۔ جھانکا تو اسے اتھاہ غم کی پرچھائیاں نظر آئیں۔ پچھلے دس دنوں میں وہ ہڈیوں کا ڈھانچہ بن کر رہ ۔ ئی۔ اس کے بھرے بھرے گال پچک گئے تھے اور آنکھیں اندر کو دھنس گئی تھی، صرف مسکراہٹ ۔ رہ گئی تھی۔ جیویر نے دھیمے دھیمے لہجے میں کہا "للیانہ! ہمیں اس صورت حال کا مقابلہ کرنا چاہیے۔ کم ۔ ہمیں تو کے گا اگر ہم زندہ نہ رہے۔" اس نے اثبات میں سر ہلایا، "میں جانتی ہوں" ۔۔۔ "خدا چاہتا ہے

کہ ہم زندہ رہیں!" جیویر بولا ـــــ "ہاں وہ ہمیں زندہ دیکھنا چاہتا ہے ـــــ اور زندہ رہنے کا ایک ہی راستہ ہے ـــــ ہاں ایک ہی راستہ ہے!"

آہستہ آہستہ چلتے وہ باقی لڑکوں سے آملے جو قطار بنائے جہاز میں داخل ہو رہے تھے۔ للیانہ نے مارسیلو سے کہا "میں نے اپنا ارادہ بدل دیا ہے۔ میں گوشت کھاؤں گی۔" مارسیلو گیا اور چھت پر سے گوشت کا ایک ٹکڑا اٹھا لایا جو دن بھر سورج میں سوکھتا رہا تھا ـــــ للیانہ نے اسے منہ میں رکھا اور زبردستی حلق کے پار دھکیل دیا۔

۴

روحانی خبریں

"تلاش موقوف کی جانے کی خبروں نے ان والدین کو سخت مایوس کیا جنہیں ابھی تک یقین تھا کہ ان کے بچے زندہ ہیں۔ وہ اپنی حکومت سے بھی سخت نالاں تھے۔ چلی میں پیٹر ولارو نے اعلان کیا کہ وہ اپنے طور پر تلاش جاری رکھے گا۔ کیراسکو میں میڈیلون نے جیرارڈ کروئیسے سے رابطہ قائم کیا۔

جیرارڈ کروئیسے ۱۹۱۰ء میں پیدا ہوا تھا۔ جوانی تک وہ ان پڑھ ہی رہا۔ ۱۹۴۵ء میں اسے ایک پروفیسر وائلم ٹینہف نے دریافت کیا جو غیب دانی پر ریسرچ کر رہا تھا۔ ۱۹۵۳ء میں اس پروفیسر کو اُترلیشت یونیورسٹی میں پیراسائیکالوجی کا پروفیسر مقرر کیا گیا۔ اس سے پہلے اس مضمون پر اتنی توجہ کبھی نہیں دی گئی تھی۔ پروفیسر ٹینہف کے پاس کم و بیش چالیس افراد ایسے تھے جو غیب کا علم رکھنے کے مدعی تھے اور کروئیسے ان میں سے ایک تھا۔

کروئیسے گمشدہ افراد کی تلاش میں خاص مہارت رکھتا تھا اور اسی وجہ سے امریکہ اور ہالینڈ کی پولیس کئی بار اس سے مختلف کیسوں پر مشورہ کر چکی تھی۔ اس کا طریق کار یہ تھا کہ وہ گمشدہ شخص کی کوئی چیز (اس کی پہنی ہوئی قمیض، اس کے زیر استعمال رہنے والی کوئی چیز) لے کر اس پر مختلف تجربے کرتا یا اس کے کسی قریب عزیز سے باتیں کرتا اور پھر اس کے ذہن میں جو تصویر ابھرتی، اسے بیان کر دیتا۔ اگر کیس اس کے کسی ذاتی تجربے سے مشابہہ ہوتا تو اس کی توجہ تیزی سے کام کرتی مثلاً" اگر کوئی بچہ کسی نہر میں ڈوب گیا ہوتا تو وہ اس کی نعش کی نشان دہی زیادہ آسانی سے کر لیتا تھا کیونکہ وہ خود ایک مرتبہ ڈوبتے ڈوبتے بچا تھا ان خدمات کے لیے وہ کوئی معاوضہ وصول نہ کرتا تھا کھوئے ہوئے روپے پیسے یا قیمتی اشیاء کی تلاش میں بھی وہ خاص دل چسپی نہ رکھتا تھا۔

وہ جس کیس پر بھی کام کرتا، پروفیسر ٹینہف اس کا باقاعدہ ریکارڈ رکھتا تھا اور بیس سال کے عرصے میں اس نے جو سینکڑوں تجربات کئے تھے، ان میں کامیابی کی اوسط قابل رشک تھی۔

میڈیلون مونٹی ویڈیو میں نیدرلینڈ کے سفارت خانے میں گئی اور عملے کے ایک شخص کو مترجم کے طور پر استعمال کرتے ہوئے اتر لیشت میں اس نے پیرا سائیکالوجی انسٹیٹیوٹ کو ٹیلی فون کیا۔ اسے بتایا گیا کہ جیرارڈ کروئیسے ایک ہسپتال میں داخل ہے، جہاں اس کا اپریشن ہوا ہے اور ان دنوں وہ آرام کر رہا ہے اس نے التجا کی کہ کسی طرح اس کی اس سے بات کروا دی جائے۔ میڈیلون کے اصرار پر اس کی کروئیسے کے بیٹے سے بات کروائی گئی جس کی عمر چونتیس برس تھی۔ اس نے باپ کی صلاحیتیں ورثے میں پائی تھیں۔ میڈیلون سے بات ہوئی تو اس نے ہدایت کی کی کہ اسے کوہ اینڈیز کا ایک نقشہ بھجوا دیا جائے۔

میڈیلون نے فوری طور پر جہازوں میں استعمال ہونے والا ایک نقشہ، چلّی اور ارجنٹینا کے درمیان جہازوں کے راستوں کا ایک خاکہ اور ایک چارٹ جس پر فیر چائلڈ کا روٹ دیا گیا تھا اور درہ پلینچون پر سوالیہ نشان لگایا گیا تھا، کروئیسے جونیر کو روانہ کر دیا۔

میڈیلون نے دوبارہ کروئیسے جونیر کو فون کیا تو اس نے بتایا کہ اس کا جہاز سے رابطہ ہوا ہے۔ جہاز کا ایک انجن ٹوٹ چکا ہے اور وہ بلندی سے نیچے اتر گیا ہے۔ جہاز کو پائلٹ نہیں بلکہ معاون پائلٹ چلا رہا تھا جو کوہ اینڈیز کو عبور کر کے دائیں (شمال) یا غالباً بائیں (جنوب) کی طرف مڑ گیا تھا۔ جس جگہ وہ زمین سے ٹکرایا ہے وہ درہ پلینچون سے اکتالیس میل کے فاصلے پر ایک جھیل کے قریب ہے۔ جہاز ایک کیڑے کی طرح پڑا ہے، اس کا اگلا حصہ تباہ ہو چکا ہے۔ وہ پائلٹوں کو تو نہیں دیکھ سکا لیکن جہاز کے ملبے کے ارد گرد اسے زندگی کے آثار نظر آتے ہیں۔ کچھ لوگ ابھی تک زندہ ہیں۔

ارجنٹینا میں رہنے والے ایک جاپانی غیب دان نے کہا تھا کہ جہاز جنوب کی سمت گیا ہے، اس لیے میڈیلون کے ذہن میں یہ بات پختہ ہو گئی کہ کروئیسے کی جنوب کی طرف والی بات درست ہے۔ وہ فوراً ریفائیل پونس ڈی لیون کے پاس پہنچی۔ ریفائیل کو بھی تلاش ترک کئے جانے کا بڑا صدمہ تھا اور وہ پہلے ہی تہیہ کیے بیٹھا تھا کہ اگر بچوں کے والدین میں سے کسی نے کوشش جاری رکھی تو وہ مواصلات کے تمام انتظام سمیت اس کی مدد کرے گا۔ میڈیلون نے جیرارڈ کروئیسے جونیر سے جو گفتگو ہوئی تھی، اسے بتائی۔ فوراً ہی یہ بات تمام والدین میں پھیل گئی اور باوجود اس کے کہ کچھ لوگوں نے اس پر شک و شبہے کا اظہار کیا، اکثریت نے تین ارکان پر مشتمل ایک کمیٹی تشکیل دی۔ اس کے ارکان یوراگوئے ایئر فورس کے کمانڈر انچیف سے ملے اور درخواست کی

کہ انہیں ایک طیارہ مہیا کیا جائے تاکہ وہ سانٹیاگو کے جنوب میں ڈیڑھ سو میل کے فاصلے پر ایک گاؤں ٹالکا کے ارد گرد فیرچائلڈ کی تلاش کر سکیں۔ درخواست مسترد کر دی گئی۔

تاہم کرویسے کی باتوں نے پیئیز ولارو کو ایک عزمِ نو عطا کیا۔ ویسے بھی وہ سائنس سے زیادہ اوہام پر یقین رکھتا تھا۔ دوسرے دن ۲۲ (اکتوبر (اتوار) کو وہ جنوب کی طرف روانہ ہو گیا اور سان فرنانڈو رائیر و کلب کے مہیا کیے گئے طیارے کی مدد سے ٹالکا کے قصبے میں پہنچ گیا۔

آئندہ چند دن اس نے سخت مصروفیت میں گذارے۔ اس لیے ان تمام افراد کی ایک فہرست تیار کی جو چلی میں اپنے ذاتی جہاز رکھتے تھے پھر ان سے مدد کی درخواست کی۔ سب لوگ فوراً ہی تعاون پر آمادہ ہو گئے۔ اسے تیس جہازوں کی پیش کش کی گئی۔ ولارو صرف اس بات سے جھجک رہا تھا کہ چلی میں جہازوں کے ایندھن کی سخت قلت تھی۔ اسے معلوم تھا کہ اگر وہ جہاز میں ایک گھنٹے تک پرواز کرے تو جہاز کا مالک شاید ایک ماہ تک اپنی کار استعمال نہ کر سکے لیکن اس کے باوجود جہازوں کے مالک ہر طرح کی مدد کے لیے تیار تھے۔ گرچہ ان میں سے بیشتر کو یقین تھا کہ بچے مرکھپ گئے ہوں گے۔

اس کا دوسرا کام مواصلاتی نظام ترتیب دینا تھا۔ اس کے لیے بھی اسے کئی لوگوں نے اپنے ریڈیو اور کاریں پیش کر دیں۔ بہت جلد وہ انہیں منظم کرنے میں کامیاب ہو گیا۔ اب جہاں کہیں وہ جاتا اس کے پیچھے پیچھے کوئی نہ کوئی کار ہوتی جس میں ایک اونچا سا ایریل لگا ہوتا۔ اس کی مدد سے وہ کسی بھی وقت مونٹی ویڈیو میں ریفائیل سے اور اس کے توسط سے دنیا میں کہیں بھی بات کر سکتا تھا۔

پیئیز ولارو نے خود کو صرف ٹالکا تک محدود نہیں رکھا بلکہ اس نے کوہ انڈیز پر کئی مہمیں سر کیں۔ میڈیلون اور ڈیگو سٹارم کی والدہ ٹالکا پہنچ چکی تھیں۔ ولارو صرف متموّل گھرانوں کی کاروں اور جہازوں کی پیش کش پر مطمئن نہیں تھا ـــــ وہ چاہتا تھا کہ غریب سے غریب گھرانے کے افراد تک بھی یہ بات پہنچ جائے کہ گمشدہ جہاز کی تلاش جاری ہے اور جس کسی کو بھی کوئی اطلاع ہو، وہ فوراً ان تک پہنچائے۔ وہ گاؤں گاؤں گھوما، لوگوں سے پوچھتا پھرا کہ انہوں نے آس پاس کسی جہاز کو گرتے ہوئے تو نہیں دیکھا۔ اسے کئی الٹی سیدھی کہانیاں سننے کو ملیں لیکن وہ ہمت نہ ہارا ـــــ وہ بیک وقت چار مختلف سمتوں کے ہوٹلوں میں کمرے بک کروائے رکھتا کہ نا معلوم اسے کب کس سمت سے کوئی اطلاع آئے اور اسے اس طرف

جانا پڑے۔ اس کے پاس پیسے ختم ہونے کو تھے لیکن ہوٹلوں کے مالک یا تو اس سے پیسے لیتے ہی نہیں تھے یا کسی پلیٹ، نیپکن یا میز کے کپڑے پر اس سے کوئی تصویر بنوا کر اسے معاوضہ سمجھ لیتے۔ آہستہ آہستہ یہ بات ہر طرف پھیل گئی۔ اب جب وہ کسی گاؤں میں داخل ہوتا تو لوگوں کو پہلے سے اس کی خبر ہوتی۔ کچھ لوگ اس کا مذاق بھی اڑاتے لیکن وہ ان باتوں سے بے نیاز اپنی دھن میں مست تھا۔ وہ اپنے خود کار کیمرے سے دیہاتیوں کی تصویریں اتارتا اور سادہ لوح لوگ اپنی تصویریں دیکھ کر اس شخص کو دیوتا تصور کرتے کہ اس سے پہلے انہوں نے اپنی شبیہیں کب دیکھی تھیں۔

وہ جہازوں پر اڑا، پیدل گھوما پھرا اور درہ پینچون کے اردگرد اکتالیس میل کا پورا علاقہ چھان مارا۔ جب ساری کوششیں بے سود رہیں تو اس نے ریڈیو پر ریفائیل سے رابطہ قائم کیا اور اسے کہا کہ وہ کروئیسے سے بات کر کے مزید تفصیلات کی درخواست کرے۔

کروئیسے مزید تفصیلات مہیا کرنے کے قابل تو تھا لیکن یہ تمام تفصیلات جہاز کی پرواز سے متعلق تھیں، جہاز کی موجودہ حالت کے بارے میں نہیں۔ اس کے تصور میں آتا، ایک موٹا سا آدمی، جو شاید پائلٹ ہے، کاک پٹ سے نکلا۔ اس نے بلیزر پہن رکھا ہے۔ وہ اپنی عینک صاف کرتا ہے —— پھر اچانک جہاز کا انجن بند ہو جاتا ہے۔ معاون پائلٹ جہاز کو ایک سمت میں لے جاتا ہے۔ نیچے پانی نظر آ رہا ہے۔ یہ شاید کسی سمندر کا کنارا ہے یا شاید کسی جھیل کا —— نہیں جھیل ہی ہے یا شاید دو تین جھیلوں کا مجموعہ —— وہ اترنے کی کوشش کرتا ہے لیکن ایک پہاڑ کے نچلے حصے سے ٹکرا جاتا ہے۔ اب اس کا ملبہ ایک ابھری ہوئی چٹان کے نیچے چھپا ہوا ہے۔ اس کے قریب ہی ایک پہاڑ ہے جو اوپر سے مسطح ہے۔ اس کے قریب ہی خطرہ ہے۔ شاید کسی سڑک پر خطرے کا نشان بنا ہوا ہے۔ وہ جہاز کے اندر زندگی نہیں دیکھتا اس کا مطلب ہے کہ لڑکے جہاز سے نکل گئے ہیں اور انہوں نے کہیں قریب ہی پناہ لے لی ہے۔

ہر دفعہ جب نئی تفصیلات ملتیں، پیٹنز ولار داور اس کے ساتھی پہاڑوں پر نکل کھڑے ہوتے۔ دوسرے لوگوں میں بھی امید کی کرن پیدا ہوتی۔ میڈیلون تو پہلے سے مصروف عمل تھی۔ وہ سانتیاگو پہنچی اور اس نے ایس اے آر سے درخواست کی کہ وہ ٹالکا کے اردگرد فیر چائلڈ کی تلاش کے لیے جہاز بھیجیں۔ ٹالکا میں موجود فوجی کمانڈر نے سیر وپکازو کی طرف

ایک گشتی پارٹی بھیجی ـــــ سیرو پکازرد وہی پہاڑ تھا جو کرویئسے کی پیشین گوئی پر پورا اترتا تھا یعنی مسطح تھا۔ اس کی چوٹی نہیں تھی بلکہ یہ اوپر سے چپٹا تھا۔ پانچ دنوں تک فوجی جوان سخت سردی کے عالم میں جہاز تلاش کرتے رہے۔ پھر پادری بھی تین دن تک ان پہاڑوں میں گھومے لیکن لاحاصل۔ جہازوں کا نیچی پرواز کرنا خطرے سے خالی نہ تھا۔ صرف ہیلی کاپٹر یہ پرواز کر سکتے تھے۔

مبڈ یلون نے فیصلہ کیا کہ وہ صدر رابلنڈرے سے درخواست کرے کہ گمشدہ جہاز کی تلاش کے لیے وہ اپنا ذاتی ہیلی کاپٹر مہیا کریں لیکن اس سے پہلے کہ وہ صدر سے ملتی اسے ایک دوست نے ایک شخص کا پتہ بتایا جو فصلوں پر دوائیں چھڑکنے یا بجلی کی تاریں پھیلانے کے لیے ہیلی کاپٹر کرائے پر دیتا تھا۔ اس سے رابطہ پیدا کیا گیا اور اس نے نہایت فیاضی کا مظاہرہ کرتے ہوئے دس ڈالر فی گھنٹہ کی علامتی اجرت پر ہیلی کاپٹر مہیا کرنے کی پیش کش کی۔ ادھر ہٹیبز ولاردا اور ریفائیل پونس ڈی لیون نے ۲۸ اکتوبر کو فیصلہ کیا کہ وہ ہیلی کاپٹروں کے بغیر جیرارڈ کرویئسے کے تصورات میں آنے والے نقشے پر چلنے کی کوشش کریں گے۔

اتوار ۲۹ اکتوبر کو مارسیلو پیریز کے والد اور والدہ نے گمشدہ بچوں کے والدین کو اپنے گھر مدعو کیا۔ آنے والوں میں گمشدہ افراد کے بہن بھائی اور کئی دوسرے رشتہ دار شامل تھے ایک بڑی میز پر کوہ انیڈیز کے نقشے پھیلے ہوئے تھے۔ اس پر مختلف جگہوں پر تیر کے نشانات، دائرے اور مستطیلیں بنی ہوئی تھیں۔ کسی نے ایک طرف پہاڑوں پر اگنے والی گھاس لا ڈالی تھی۔ گمشدہ افراد شاید اس گھاس پر گذارہ کر رہے تھے۔ ہچکیوں اور آنسوؤں کے درمیان گفتگو ہو رہی تھی۔ عورتیں اور لڑکیاں تو بس آنسو بہائے جا رہی تھیں ـــــ مارسیلو پیریز کی والدہ نے گفتگو کا آغاز کیا، "میں نے آپ کو اس لیے یہاں بلایا ہے، کہ ہم کچھ کریں۔ ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھے رہنے سے تو کچھ نہیں ہو گا۔"

"ہٹیبز ولاردو کی تلاش جاری ہے" ایک آواز آئی۔

"ہاں ـــــ وسیع پہاڑوں میں ایک شخص۔۔۔۔ مصروف عمل تو ہے۔" اسٹیلا نے کہا۔

"اس سے زیادہ اور کیا کیا جا سکتا ہے"؟ کسی نے کہا۔

اس پر ایک لڑکی بولی "ایسا لگتا ہے جیسے تمام گمشدہ لڑکوں کا باپ صرف ہٹیبز ولاردو

ہی ہے۔۔۔۔۔۔۔۔ کوئی بھی اس کے ساتھ نہیں۔۔۔۔۔۔۔۔ آؤ ہم عورتیں ہی مل کر کچھ کریں۔"

اس پر بہت سے افراد سے مل کر بولنا شروع کر دیا۔ کچھ خاموشی ہوئی تو جارج زربینو (ایک قانون دان) ایک ڈاکٹر لوئیس سراکو سے مخاطب ہوا، "میں چلی جا رہا ہوں۔ لوئیس تم چلتے ہو میرے ساتھ ؟"

ڈاکٹر سراکو نقشہ بینی میں ماہر تھا۔ اس نے ساتھ چلنے پر آمادگی ظاہر کی۔ پھر دونوں کافی دیر نقشوں پر جھکے رہے اور آئندہ کی منصوبہ بندی کرتے رہے۔ اکثریت کی رائے تھی کہ دونوں کو کروئیسے کی ہدایات پر عمل کرنا چاہیے۔ کروئیسے نے کچھ نئی باتیں بتائی تھیں اور اگرچہ دونوں اوہام پر یقین نہیں رکھتے تھے لیکن انہیں یہ احساس بھی تھا کہ تلاش کا اصل مقصد لڑکوں کی تلاش نہیں تھا بلکہ اس اقدام سے لڑکوں کی رشتہ دار خواتین کی دلجوئی مقصود تھی۔ لہٰذا انہوں نے اتفاق کیا کہ ان کی تلاش کا مرکز بھی ٹانکا ہی ہوگا۔

میٹنگ کے بعد ریفائیل نے ریڈیو پر پیٹیز ولارو سے رابطہ پیدا کیا اور اسے بتایا کہ زربینو اور سراکو چلی آ رہے ہیں اس کی مدد کرنے —— ولارو نے جو جواب دیا اس میں امید کی جھلک نہیں تھی۔ "انہیں بتاؤ کہ وہ زحمت نہ فرمائیں۔ کوئی فائدہ نہیں ہے۔"

ریفائیل حیران ہوا۔ اس نے ناامیدی کی وجہ پوچھی۔ ولارو نے پوچھا،

"تم اکیلے ہو ؟"

"ہاں"

"دوسروں کو مت بتانا —— میں انہیں پانے کی کوئی امید نہیں رکھتا۔ اب بھی میں ان کی تلاش میں ہوں۔ میرے ایک ہاتھ میں صلیب ہوتی ہے، ایک میں نقشے لیکن اس بات پر مجھے یقین نہیں رہا کہ اب تک بچے زندہ ہوں گے۔"

خاموشی کا ایک وقفہ ان دونوں کے درمیان حائل رہا پھر ریفائل نے کہا" کارلوس واپس آجاؤ —— شاید لوگ تمہاری بات سمجھ جائیں۔"

"نہیں —— میڈیلون کو ابھی تک یقین ہے کہ وہ زندہ ہیں۔ میں اسے مایوسیوں کے حوالے نہیں کر سکتا۔ وہ ماں ہے اور مامتا کے جذبات۔۔۔۔۔۔۔" اس کی آواز سسکیوں میں ڈوب گئی۔

دوسرے دن ریفائیل ڈاکٹر زربینو اور سراکو سے ملا اور ولارو سے ہونے والی گفتگو کا

ذکر کیا لیکن انہوں نے ارادے ترک کرنے سے انکار کر دیا۔ انہوں نے خود فون پر ولارد سے بات کی اور اسے بتایا کہ وہ نشستیں محفوظ کرا چکے ہیں اور عنقریب چلی پہنچ جائیں گے۔ ولارد بولا،
"آ جاؤ ـــــ میں تمہارا منتظر ہوں!"

ڈاکٹر زربینو اور سرا کو پر مشوروں اور نصیحتوں کی بھرمار ہونے لگی۔ ڈینیل شارد اور رائے ہارلے کے والدین نے ایک فنڈ قائم کیا اور چندہ اکٹھا کرنے لگے۔ سب نے دل کھول کر مدد کی۔ جنہیں یقین تھا کہ ان کے بیٹے مر چکے ہوں گے، انہوں نے بھی عطیات فراخدلی سے دیے۔

پیر بڈو کی مایوسیوں کی کوئی انتہا نہ تھی۔ وہ اپنی بیوی بھی کھو بیٹھا تھا اور دو بچے بھی۔ اس نے پوری عمر اسی جدوجہد میں گذاری تھی کہ اپنے چھوٹے سے خاندان کے لیے بہترین، مستحکم کاروبار منظم کرے لیکن اس کا خاندان بچھڑ گیا تھا۔ اس کی ایک بیٹی ان دنوں اس کے گھر آ کر رہ رہی تھی لیکن اس کی آنکھوں سے زندگی کی چمک رخصت ہو چکی تھی۔ وہ مایوسیوں کی اتھاہ گہرائیوں میں ڈوبا رہتا۔ اس نے اپنے بیٹے کی سوزوکی موٹر سائیکل اس کے ایک دوست کے ہاتھوں فروخت کر دی تھی لیکن جب چندے کی بات آئی تو اس نے چاہا کہ وہ بھی عطیات دے اور اس نے یہ خواہش دل کھول کر پوری کی۔

یکم نومبر کو ڈاکٹر سرا کو اور زربینو بھرے ہوئے سوٹ کیسوں کے ساتھ سانٹیاگو روانہ ہوئے۔ ایک اور شخص ان کے ساتھ شامل ہو گیا تھا۔ سانٹیاگو میں ان کی ملاقات میڈ بلون اور سلوراڈی سٹارم سے ہوئی جو ارجنٹینا جا رہے تھے تاکہ جاپانی غیب دان کو سانٹیاگو لا سکیں۔ دونوں خواتین نے انہیں اب تک ہونے والی تلاش کے بارے میں بتایا۔ بعد ازاں تینوں کرائے کی ایک کار میں آگے روانہ ہو گئے۔ چلی کی سیاسی صورت حال بگڑ چکی تھی حکومت کے مخالفین نے ہڑتال کر رکھی تھی اور جگہ جگہ نہ صرف رکاوٹیں کھڑی کر رکھی تھیں بلکہ کیلیں اور کانٹے بھی پھیلا رکھے تھے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ان کی کار کے ٹائر کئی بار پنکچر ہوئے۔

پٹیز ولارد ان کا منتظر تو تھا لیکن ایک جیل میں۔ اسی صبح ایک جہاز میں پرواز کرتے ہوئے وہ ایک پاور سٹیشن کے اوپر سے گذرا۔ مقامی پولیس یہ سمجھی کہ وہ حکومت کی مخالف قوتوں کا کوئی جاسوس ہے، چنانچہ اسے ایک اور ساتھی سمیت گرفتار کر لیا گیا۔ دوپہر تک پولیس کو حقیقت کا پتہ چلا تو دونوں کو رہا کر دیا گیا۔ ولارد کی ڈاکٹر زربینو اور سرا کو سے ملاقات ہوئی تو اس نے انہیں تمام تفصیلات سے آگاہ کیا۔ اسی شام انہوں نے

یونس ڈمی لیون کی معرفت کروئیسے سے بات کی۔ اس نے ایک اور اشارہ دیا کہ جہاں جہاز گرا تھا وہاں جھیل کے قریب ایک جزیرہ بھی تھا۔

پینیز دلارو نے ایک دن پہلے ہی ٹالکا سے کوئی ساٹھ میل کے فاصلے پر ایسا جزیرہ دیکھا تھا۔ یہ بات سن کر وہ فوراً اس طرف روانہ ہو گیا اور کافی دیر اس علاقے پر پرواز کرتا رہا لیکن کوئی امید بر نہ آئی۔ اگلے دن بھی وہ اسی علاقے پر اڑنا چاہتے تھے لیکن پائلٹ جھجک رہا تھا۔ بولا، "اگر جہاز اس علاقے میں گرا بھی ہے تو اب تک برف میں دب چکا ہو گا۔ تلاش بے سود ہے۔" ویسے بھی ہیلی کاپٹر کو ضروری دیکھ بھال کے لیے سانٹیاگو جانا تھا۔

ڈاکٹر سراکو کی سرکردگی میں انہوں نے پیشہ ور کوہ پیماؤں کی تلاش شروع کی تاکہ پیدل چل کر بھی تلاش جاری رکھی جائے۔

اسی شام انہیں پیغام ملا کہ کروئیسے کے پیغامات کے ترجمے میں غلطی ہوئی ہے جہاز مسطح پہاڑ کے بائیں طرف بتایا گیا ہے، دائیں طرف نہیں۔

تین نومبر کو وہ ٹالکا سے سینتیس میل دور بتائے گئے قصبے ولچیز کی طرف روانہ ہوئے وہاں پہنچ کر انہوں نے خود کو دو ٹیموں میں تقسیم کیا اور پہاڑوں میں بکھر گئے۔ پہاڑوں پر چڑھائی آسان کام نہیں تھا۔ پشت پر لدے ہوئے تھیلے بھی آفت ڈھا رہے تھے اور سنسناتی ہوئی ہوائیں بھی۔ بہر حال انہوں نے تلاش جاری رکھی — ۔ سات نومبر کو وہ ولچیز آئے۔ اس وقت تک ہیلی کاپٹر بھی سانٹیاگو سے واپس آ چکا تھا۔ آٹھ نومبر کی صبح وہ ان علاقوں پر پرواز کرتا رہا اور خاص طور پر اس پہاڑ کے اردگرد جس کے بارے میں ایک کسان نے بتایا تھا کہ اس نے ایک جہاز گرنے کی آواز سنی تھی۔ یوراگوئے کے تمام افراد ولچیز میں منتظر رہے ہیں لیکن تمام کوششوں کا حاصل ناامیدی کے سوا کچھ نہ تھا۔ نو نومبر کو یہ افراد ٹالکا ہوتے ہوئے سانٹیاگو واپس آ گئے۔

اسی دن مونٹی ویڈیو سے خبر آئی کہ کروئیسے نے حادثے کی جگہ کا ایک نقشہ تیار کیا ہے اور ایک کیسٹ میں اپنی گفتگو بھی ریکارڈ کرائی ہے۔ نقشے اور گفتگو میں کچھ نئی تفصیلات دی گئی ہیں۔ کیراسکو ایئرپورٹ پر گمشدہ افراد کے رشتہ داروں نے کچھ ماہرین کو جمع کر رکھا تھا۔ وہ چاہتے تھے کہ کروئیسے کے بنے ہوئے نقشے اور کیسٹ کی کاپی کر لیں تاکہ اپنے طور پر کچھ کام کر سکیں۔ کافی تگ و دو کے بعد انہیں یہ پارسل دے دیا گیا۔ کاپی کرنے کے بعد

اصل نقشہ اور کیسٹ سانتیاگو روانہ کر دی گئی۔ ماہرین کی جماعت نے ان چیزوں کا بغور معائنہ کیا اور یہ رائے دی کہ اس نقشے اور کردیئسے کی گفتگو کے مطابق جہاز کو ٹالکا کے قریب ایک جگہ بیگو ناڈیل آسطو میں ہونا چاہیے۔ یہ رائے بھی سانتیاگو بھجوا دی گئی۔ ہٹیز ولارد اور ڈاکٹر سراکو اس رائے سے متفق نہیں تھے۔

کردیئسے کی گفتگو کا خلاصہ یہ تھا کہ حادثہ کسی ساحل پر ہوا ہے، کسی سمندر یا جھیل کے کنارے ـــــ قریب ہی کسی گڈریے کی جھونپڑی ہے ـــــ تھوڑی دور ایک گاؤں ہے جس میں میکسیکو سٹائل کے گھر بنے ہوئے ہیں۔ یہاں ۱۸۷۶ء میں ایک جنگ بھی لڑی گئی تھی۔ اسے کچھ الفاظ اور اعداد بھی نظر آئے تھے۔ N اور ۷ ۲ ۰۰۳ - ۳۶ ۱۰ کا عدد بھی اس کے ذہن میں آیا تھا۔ شاید اس کا مطلب یہ ہو کہ حادثے کے وقت جہاز ۱۰۳۶ میٹر (۳۴۰۰ فٹ) کی بلندی پر اڑ رہا تھا۔

جہاز کا اگلا حصہ تباہ ہو چکا تھا۔ دونوں بازو بھی ٹوٹ گئے تھے۔ اسے جہاز کا باقی حصہ بھی نظر تو آتا تھا لیکن اس پر لکھے ہوئے الفاظ پڑھے نہ جاتے تھے کیونکہ اس ملبے پر ایک چٹان معلق تھی جس کی وجہ سے جہاز کے ڈھانچے پر اندھیرا سا تھا۔ ڈھانچے کی کھڑکیوں سے کوئی نظر نہ آتا تھا۔ جہاز کے اندر زندگی کے آثار مٹ گئے تھے۔

سراکو نے اس پر سخت برہمی کا اظہار کیا اور اسے احمقانہ حرکت قرار دیتے ہوئے فیصلہ دیا کہ اگر تلاش جاری رکھنا ہی ہے تو آتش فشاں پہاڑ ٹنگو یریریکا کے ارد گرد ہونی چاہیے کہ تمام سائنٹیفک معلومات اسی پہاڑ کی طرف اشارہ کرتی ہیں۔

زربینو نے اس سے اتفاق کیا ـــــ اسے بھی ٹالکا واپس جانے میں کوئی فائدہ نظر نہ آتا تھا اور چونکہ ٹنگو یریریکا جیسے بلند و بالا پہاڑ پر مہم جوئی ان کے بس کی بات نہ تھی۔ اس نے اپنی اور سراکو کی نشستیں محفوظ کروائیں اور مونٹی ویڈو آنے کے لیے تیار ہو گیا ـــــ تاہم ہٹیز ولارد نے فیصلے میں عجلت نہیں کی۔ وہ میڈیلون اور دوسری خواتین کو مایوس نہیں کرنا چاہتا تھا۔ چنانچہ جب سراکو اور اس کے ساتھی واپس چلے گئے تو وہ ٹالکا لوٹ آیا ـــــ اس نے بیگو ناڈی آسطو پر تفصیلی چھان بین کی لیکن کچھ بھی نہ ملا ـــــ ۱۶ نومبر کو وہ بھی مونٹی ویڈو لوٹ آیا لیکن آنے سے

پہلے اس نے انتظامات کیئے کہ کسی نہ کسی طور تلاش جاری رکھی جائے۔ اس نے ہزاروں
پمفلٹ چھپوائے اور گاؤں گاؤں تقسیم کروائے۔ ان میں یہ اعلان بھی تھا کہ فیر چائلڈ
کے بارے میں اطلاع دینے والے کو بھاری رقم انعام دی جائے گی۔

۵

ایک اور قیامت

۲۹ راکتوبر فیئرچائلڈ کے بدقسمت مسافروں کا سترھواں دن تھا جو بخیریت گزر گیا۔ وہ اب بھی سردی اور بھوک سے نبرد آزما تھے۔ انکے جسم اور کپڑوں میں بدبو بس گئی تھی۔ زخمیوں کی حالت بھی بدستور تھی لیکن گذشتہ دنوں وہ جس انتشار اور ذہنی پراگندگی کا شکار ہوئے تھے، اس پر کافی حد تک قابو پا لیا گیا تھا، گوشت کاٹنے، اُسے سینکنے، پانی پگھلانے اور کیبن کی صفائی کے لیے جو ٹیمیں بنائی گئی تھیں وہ باقاعدگی سے اپنا اپنا کام کر رہی تھیں زخمی لڑکے اپنے جھولوں والے بستروں پر قدرے آرام سے سونے تھے اور سب سے اہم بات یہ تھی کہ انہوں نے کچھ مضبوط ترین لڑکوں کو اپنے سے الگ کر دیا تھا۔ ان کا کام آئندہ چند دنوں تک تیاری کرنا تھا اور پھر کیل کانٹے سے لیس ہو کر انڈیز کے پہاڑوں کو عبور کر کے مدد کے لیے روانہ ہونا تھا۔ اب ان کا رد یہ بلند ہوتے حوصلوں پر مبنی تھا۔ کھانے پینے کا کام نصف النہار کے وقت ہوتا تھا برف ساڑھے چار بجے کے قریب سخت ہو جاتی کیونکہ سورج مغربی پہاڑوں کے پیچھے روپوش ہو جاتا۔ اس دن سورج چھپا تو وہ قطار بنا کر ڈھانچے میں داخل ہوئے۔ سب سے پہلے وہ اندر گئے جنھوں نے پرے سونا تھا، جوان کارلوس، پانچو ڈیلگاڈو، روق جہاز کا مستری اور آخر میں نیو ماٹر کاٹی داخل ہوا۔ اس دن دروازے کے پاس سونے کی باری اس کی تھی۔

جو لڑکا بھی اندر جاتا اپنے جوتے اتار کر اوپر ریک میں رکھ دیتا جو دائیں ہاتھ کو بنا ہوا تھا۔ یہ فیصلہ انہوں نے اسی دن کیا تھا کہ جوتے وہاں رکھے جائیں کیونکہ برف میں لتھڑے جوتوں سمیت اندر جانے سے گدیاں خراب اور گیلی ہو جاتی تھیں۔ اس وقت سہ پہر ہوئے زیادہ دیر نہیں گذری تھی لیکن پھر بھی کچھ لڑکوں نے آنکھیں موند لیں اور سونے کی کوشش کرنے لگے۔ وزنطین گزشتہ رات نیند بھر کر سویا تھا اور آج بھی ممکن حد تک خود کو آرام دہ بنانے کی کوشش کر رہا تھا۔ وہ سامان والے حصے کے جھولے پر سونا تھا اور سخت سردی کی وجہ سے اسے اجازت دی گئی تھی کہ وہ جوتے پہنے رکھے باہر بلا کی سردی تھی۔ تیز ہوا چل رہی تھی اور ڈھانچے میں اسے جو سوراخ بھی نظر آتا اس کے راستے وہ اندر داخل ہو جاتی۔ وزنطین نے گدیوں کی پوشش سے بنایا ہوا کمبل اپنے اردگرد لپیٹ لیا اور منہ

ڈھانپ کر لیٹ گیا۔

کارلیٹوس پیٹیز نے بلند آواز سے ایک نظم پڑھی اور باقی لڑکے آہستہ آہستہ آپس میں باتیں کرتے رہے۔ گستاف نکولک نے بڑی رازداری سے رائے ہارلے سے کہا کہ اگر وہ مرجائے تو اس کا خط اس کی منگیتر تک پہنچا دینا۔ پھر خود ہی بولا کہ اگر ہم سب ہی مرگئے تو وہ طلبہ نکالتے ہوئے یہ خط پالیں گے اور میری منگیتر کو دے دیں گے۔ وہ مجھے بہت یاد آتی ہے کیونکہ میں اسے اور اس کی ماں کو بہت کم توجہ دے سکا ہوں۔ کچھ دیر خاموش رہنے کے بعد وہ پھر بولا، "کتنی ہی چیزوں پر انسان پچھتاتا ہے۔ کاش میں ان کی تلافی کر سکوں۔"

مدھم روشنی تاریک رات میں بدل گئی۔ کچھ لڑکے سو گئے۔ ان کے خراٹوں نے نیند کا ماحول پیدا کیا تو جاگنے والے بھی غنودگی کے عالم میں پہنچ گئے۔ کینیسا جاگ رہا تھا وہ اپنے ذہن کی توجہ مرکوز کر کے ٹیلی پیتھی آزماتے ہوئے مونٹی ویڈیو میں اپنی ماں کو پیغام دینے کی کوشش کر رہا تھا۔ اس کے ذہن میں ماں کی شبیہہ ابھری تو وہ آہستہ آہستہ بولا، "ماں! میں زندہ ہوں، ماں! میں زندہ ہوں۔ ماں! میں زندہ ہوں۔" یہی کہتے کہتے وہ بھی نیند کی آغوش میں چلا گیا۔ جہاز میں اب مکمل خاموشی تھی تاہم ڈیگو سارم اپنی کمر میں شدید درد کی وجہ سے نہ سو سکا۔ وہ جیویر متھول اور کارلیٹوس پیٹیز کے درمیان فرش پر لیٹا تھا۔ جتنا وہ پہلو بدل بدل کر سونا چاہتا اس کا درد اتنا ہی بڑھتا جاتا یہاں تک کہ اس نے سوچا کہ فرش کی دوسری جانب جہاز کی دیوار کے ساتھ جا کر لیٹنا بہتر رہے گا۔ اس نے دیکھا کہ وہاں رائے ہارلے ابھی تک جاگ رہا ہے اس نے اسے بھی جگہ بدلنے کو کہا، اور دونوں نے بڑی آہستگی سے اپنی جگہیں بدل لیں۔

رائے ہارلے منہ پر قمیض ڈالے نکولک کے کہے گئے الفاظ پر غور کر رہا تھا کہ اچانک اس نے ایک ارتعاش سا محسوس کیا اور پھر جیسے کوئی دھات زمین پر آنگرائی ہو۔ اس آواز نے اسے چونکا دیا۔ وہ ہڑبڑا کر اٹھ کھڑا ہوا۔ لیکن کھڑا ہونے کے ساتھ ہی اس نے خود کو کمر تک برف میں دھنسا ہوا پایا۔ اس نے چہرے سے قمیض ہٹائی تو جو منظر اس نے دیکھا وہ اس کے ہوش اڑا دینے کے لیے کافی تھا۔ پورا جہاز برف سے بھرا ہوا تھا۔ دروازے پر بنائی ہوئی سوٹ کیسوں کی دیوار گر چکی تھی اور فرش پر سوئے ہوئے تمام لوگ سامان سمیت برف کے نیچے دب چکے تھے۔ رائے ہارلے اپنے دائیں طرف مڑا اور کارلیٹوس پیٹیز کو ٹٹولنے کی کوشش کی۔ پہلے اس نے اس کے چہرے سے برف ہٹائی پھر سینے پر سے لیکن کارلیٹوس خود کو برف کی گرفت سے آزاد کرانے میں ناکام رہا۔ نرم نرم

برف لمحہ بہ لمحہ جمتی جارہی تھی۔

رائے نے کارلیٹوس کو چھوڑ کر دوسروں کی طرف توجہ دی۔ انہوں نے اپنے ہاتھ بلند کیے ہوئے تھے اور برف سے باہر نکلنے کی کوشش کر رہے تھے۔ رائے خود کو انتہائی بے بس محسوس کر رہا تھا۔ لیکن یوں معلوم ہوتا تھا کہ سب کی مدد کے لیے اکیلا باقی رہ گیا ہے۔ پہلے اس نے کینیسا پر سے برف ہٹائی پھر فیٹو سٹراچ کو باہر نکالا۔ ایک ایک لمحہ قیمتی تھا اور وقت تیزی سے گزرتا جارہا تھا۔ کئی لڑکے برف کے نیچے دبے ہوئے تھے۔ معلق بستروں میں سے ایک پر سے وزنٹین نے ہلنا جلنا شروع کر دیا تھا۔ ایشلیو یرن بے حس لیٹا تھا اور نوگر یرا گرچہ برف سے نکل آیا تھا لیکن سخت ذہنی صدمے سے دوچار تھا۔

رائے داخلے کے دروازے سے پھنس پھنسا کر اس تیزی سے باہر نکلا جیسے وہ اس ساری برف کو اسی راستے باہر پھینک دے گا لیکن پھر اسے احساس ہوا کہ یہ کام ناممکن ہے۔ اس لیے پیٹ کے بل رینگتا ہوا جب دوبارہ اندر داخل ہوا تو دیکھا کہ فیٹو سٹراچ کینیسا، پیئر اور موچو سبیلا خود آزاد ہو چکے ہیں اور برف کھود کر باقی ساتھیوں کو نکالنے میں مصروف ہیں۔

فیٹو سٹراچ، کوشے انسیارٹی سے باتیں کر رہا تھا کہ وہ پہاڑوں کی چٹانوں پر برف تہ در تہ جمتی چلی جائے تو ایک وقت وہ آتا ہے جب برف کے تودوں کا اپنی جگہ پر ٹھہرنا مشکل ہو جاتا ہے۔ تب تیز ہوا بارش اور زلزلے کے جھٹکے سے یہ برف اپنی جگہ چھوڑ کر نیچے کی طرف آتی ہے۔ اس کی رفتار ستر سے ڈیڑھ سو میل فی گھنٹہ تک ہو سکتی ہے (انگریزی میں اسے ایوالانچ اور پاکستان کے شمالی علاقوں میں "لائی" کہتے ہیں۔) مترجم

ایوالانچ نے انہیں آلیا۔ اسے فوراً محسوس ہو گیا کہ کیا حادثہ رونما ہو چکا ہے، وہ یکدم برف کے ڈھیر تلے دب گیا تھا اور باوجود کوشش کے ایک انچ بھی ادھر ادھر نہ ہل سکا۔ اس نے کوششیں ترک کر دیں اور خاموشی سے امید و ناامیدی کے درمیان موت کا انتظار کرنے لگا وہ سوچ رہا تھا۔ کہ اگر وہ بچ بھی گیا تو انڈیز کے پہاڑوں میں بچ نکلنے والا شاید وہ اکیلا ہو گا اور ایسی زندگی سے تو موت کہیں بہتر تھی۔ عین اس لمحے رائے برف ہٹاتا ہٹاتا اس تک آن پہنچا اور اس کا ہاتھ تھام لیا۔ زندگی کی امید لوٹی تو اس نے اپنے دائیں بائیں دیکھا اس کا کزن ایڈورڈ اس کے قریب ہی لیٹا تھا لیکن اب اس کے اور ایڈورڈ کے درمیان برف کی ایک پوری سل حائل تھی۔ تاہم ایک سوراخ باقی تھا جس میں سے ایڈورڈ نظر آرہا تھا اس نے اسے آواز دی کہ وہ حوصلہ قائم رکھے، چھوٹے چھوٹے

سانس لیتا رہے، اور اپنے دوسری طرف مارسیلو کو پکارے۔ اسی وقت اسے اپنی ایڑی میں درد محسوس ہُوا۔ اسے انسیارٹی نے کاٹ لیا تھا۔ اس کا مطلب تھا کہ وہ زندہ ہے اور مدد کے لیے پکار رہا ہے۔

فیلٹو باہر نکل آیا تو ایڈورڈ بھی جوں توں کر کے اسی سوراخ سے باہر آیا۔ دونوں نے مل کر انسیارٹی پر سے برف ہٹائی وہ بھی باہر آ گیا اور اس کے پیچھے پیچھے دانیال فرینڈ ریز اور بوبی فرینکوئیس تھے۔ سب نے مل کر ننگے ہاتھوں سے ہی برف کھودنا شروع کر دی جو تیزی سے جمتی جا رہی تھی۔ سب سے پہلے انہوں نے اپنے کپتان مارسیلو کو نکالنے کی کوشش کی لیکن جب وہ اس تک پہنچے تو وہ مر چکا تھا۔

فیلٹو نے باقی لڑکوں کی کھدائی کو منظم کیا۔ وہ کبھی ایک کے ساتھ کام کرتا کبھی دوسرے کے اور خیال رکھتا کہ ایک کی ہٹائی ہوئی برف کسی دوسرے کے بنائے ہوئے گڑھے میں نہ گرتی جائے۔

پیریڈو جہاز کے وسط میں لیٹا تھا۔ للیانہ متھول اس کے بائیں اور دانیال بلیسپون اس کے بائیں تھا۔ ایوالانچ آنے کی اس نے آواز تو سنی لیکن فوراً ہی اس پر برف کا پورا تودہ آ گرا، اس سے سانس بھی نہ لیا جاتا تھا۔ اس نے کسی ڈائجسٹ میں ایک دفعہ پڑھا تھا کہ برف کے نیچے زندہ رہنا ممکن ہے، چنانچہ اس نے چھوٹے چھوٹے سانس لینے شروع کر دیئے۔ وہ کئی منٹ تک اسی حالت میں رہا لیکن سینے پر برف کا بوجھ ناقابل برداشت ہوتا جا رہا تھا۔ اس کی آنکھوں میں اندھیرا چھانے لگا اور حواس جواب دینے لگے۔ اسے یقین ہو گیا کہ مرنے کا وقت آن پہنچا۔ اس نے اپنے خاندان یا کسی دوست عزیز کے بارے میں نہیں سوچا بلکہ اپنے آپ سے کہا، "اچھا تو میں مرنے لگا ہوں۔ عین اسی وقت کسی نے اس کے چہرے پر سے برف ہٹائی اس کے پھیپھڑوں نے جو ہوا نہ ملنے سے پھٹنے والے تھے، یکبارگی ایک گہرا سانس کھینچا اور امید کی شمع پھر روشن ہو گئی۔

کوشے انسیارٹی نے بھی ایوالانچ کی آواز سنی تھی لیکن اس سے پہلے کہ وہ کچھ کر سکتا، تین فٹ برف کے نیچے دب چکا تھا۔ فیلٹو کا پیر اس کے منہ پر پڑا تھا۔ اس نے اس کی ایڑی میں کاٹ لیا۔ یہی ایک طریقہ تھا یہ معلوم کرنے کا کہ فیلٹو زندہ ہے یا نہیں اور اسے بتانے کا کہ وہ بھی زندہ ہے۔ اس کی کوشش کامیاب رہی۔ فیلٹو کا پاؤں ہلا اور وہ مطمئن ہو گیا لیکن برف اس کے اوپر جمتی جا رہی تھی، اس پر اس کا دباؤ بڑھ رہا تھا اور اس دباؤ کے باعث وہ سانس لے سکتا تھا اور نہ ہی حرکت کر سکتا تھا۔ وہ انتظار کرتا رہا پھر فیلٹو نے اپنا پاؤں کھینچ لیا۔ اس طرح جو تھوڑی سی جگہ بنی، انسیارٹی اسی میں موت سے بچنے کے لیے کش مکش کرتا رہا۔ بالآخر اسی سرنگ سے وہ باہر نکلنے میں کامیاب

ہو گیا۔

کارلیٹوس پینیز کو رائے نے کمر تک برف سے چھڑا لیا تھا لیکن برف اتنی سخت تھی کہ اس سے ہلا نہ جاتا تھا۔ فیلٹو باہر نکلا تو دونوں نے مل کر اس کے پاؤں برف کی گرفت سے آزاد کرائے۔ اس نے فوراً نکولک اور سٹارم کو تلاش کرنے کے لیے برف کھودنی شروع کی لیکن جلد ہی اس کے ہاتھ سُن ہو گئے۔ اس نے اپنا لائٹر نکال کر ہاتھ گرم کیے، دوبارہ کھدائی شروع کی لیکن جب وہ نکولک تک پہنچا تو بے جان ہو چکا تھا۔

افسوس یا ماتم کا وقت نہیں تھا۔ کارلیٹوس نے فوراً زربینو کے منہ پر سے برف ہٹائی اور پھر ہیریڈو کو باہر نکالنے میں مدد دی۔ پھر اس نے ڈیگو سٹارم پر سے برف ہٹانی شروع کی۔ جلد ہی میں وہ برف ہیریڈو کے منہ پر جا کر لگی۔ ہیریڈو نے اسے سخت سُست کہا۔ کارلیٹوس نے احتیاط سے اپنا کام جاری رکھا لیکن جب وہ ڈیگو تک پہنچا تو وہ بھی دارِ فانی سے کوچ کر چکا تھا۔

کینسا پر بھی ایوالانچ کی برف یوں آ کر گری جیسے کسی کیمرے کا فلیش۔ ابھی وہ اچھا بھلا تھا اور دوسرے ہی لمحے برف کے نیچے دبا ہوا۔ اس کے لیے بھی سانس لینا دوبھر ہو گیا لیکن ہیریڈو کی طرح وہ بھی کسی گھبراہٹ کا شکار نہیں ہوا بلکہ اسے تجسس سا ہوا۔ اور وہ خود سے بولا، "اچھا اب تک تو میں جی لیا۔ اب پتہ چلے گا کہ مرنا کسے کہتے ہیں۔ اب ان باتوں کا تجربہ بھی ہو جائے گا۔ جو لوگ جنت، دوزخ، خدا اور آخرت کے بارے میں کرتے رہتے ہیں۔ مَیں ہمیشہ سے حیران ہوتا رہا ہوں کہ آخر زندگی کی حدیں کہاں جا کر ختم ہوتی ہیں۔ چلو اب میں زندگی کے آخری باب پر ہوں۔" لیکن جب کتاب بند ہونے کو تھی، ایک ہاتھ اس تک جا پہنچا، اس نے اسے تھام لیا۔ یہ رائے ہارلے تھا جس نے اس کے چہرے سے اوپر تک ایک سوراخ بنا دیا تاکہ وہ سانس لے سکے۔

کینیسا نے خود کو چھڑاتے ہی دانیال ہیسپون کو تلاش کیا۔ اس نے دیکھا کہ اس کا دوست گہری نیند سو رہا ہے۔ بہت گہری، کبھی نہ اٹھنے کے لیے۔

زربینو اس طرح برف تلے دبا تھا کہ اس کے منہ کے اردگرد برف ہٹی ہوئی تھی پھر ایوالانچ کے آتے ہی اس نے اپنا بازو برف میں سے گذار کر بلند کر لیا تھا اور اسے دائیں بائیں ہلاتا رہا تھا۔ اس طرح اوپر سے نیچے تک ایک چمنی سی بن گئی تھی جس میں سے وہ بآسانی سانس لے سکتا تھا۔ اوپر برف پر اس نے کارلیٹوس پینیز کی آواز سنی۔

"تم ہو، گستاف؟" "ہاں" زربینو چلایا، "گستاف نکولک؟" "نہیں، گستاف

کارلیٹوس پیچھے ہٹ گیا۔ پھر ایک اور آواز ملے اس نے پوچھا، "تم ٹھیک ہو؟" زربینو بولا، "ہاں۔ ہاں۔ مَیں ٹھیک ہوں۔ تم دوسروں کو نکالو۔"

وہ کئی منٹوں تک اپنے مقبرے میں دفن رہا یہاں تک کہ دوسروں نے فارغ ہو کر اسے باہر نکالا۔

ردق اور مینینڈیز دروازے پر کھڑی کی گئی دیوار کے نیچے دب کر ہلاک ہو گئے تھے لیکن دو جانیں دروازے کی وجہ ہی سے بچ گئیں۔ نیو ماٹر کاٹی اور پانچو ڈلگاڈو اس دروازے کے نیچے پھنس گئے تھے لیکن خوش قسمتی سے یہ دروازہ جو کبھی جہاز کا ایمرجنسی گیٹ تھا، حادثے کے وقت درمیان میں سے خم کھا گیا تھا اور اب یہ دونوں اس خم کی قوس کی وجہ سے برف کے دباؤ سے محفوظ تھے۔ وہ چند منٹ وہیں دبے رہے اور مدد کے لیے پکارتے رہے۔ انسیارٹی اور زربینو نے ان کی آوازیں سنیں اور انہیں باہر نکالنے کی جدوجہد کی۔ انسیارٹی نے معلق بستر پر لیٹے آرٹورو نوگویرا سے مدد کی درخواست کی لیکن وہ ساکت و صامت لیٹا خالی خالی نظروں سے انہیں گھورتا رہا جیسے وہ حقیقت کی دنیا میں نہ ہو، خواب دیکھ رہا ہو۔

پیڈرو جب چاروں طرف سے برف میں گھرا تو اس کے پاس بس اتنی ہی آکسیجن تھی جو اس کے پھیپھڑوں میں موجود تھی۔ اس نے دو تین سانس لیے اور سوچا کہ آخری وقت آ پہنچا تاہم اس خیال سے اس پر سرشاری کی سی کیفیت طاری ہو گئی کہ اس کی لاش رائیگاں نہیں جائے گی بلکہ اس کے ساتھیوں کو زندہ رہنے میں مدد دے گی اس خیال کے ساتھ وہ اپنی دانست میں جنت کے دروازوں پر جا پہنچا تھا جب کسی نے اس کے چہرے پر سے برف ہٹائی اور وہ اسی فانی دنیا کی طرف لوٹ آیا۔

جیویر میتھول اپنا ہاتھ باہر نکالنے میں کامیاب ہو گیا تھا لیکن جب باقی لڑکے اس کی مدد کو آئے تو وہ چلایا کہ اسے چھوڑ کر للیانہ کو بچانے کی کوشش کریں۔ جیویر کا پاؤں اپنی بیوی کے جسم سے چھو رہا تھا لیکن وہ اس کی مدد نہ کر سکتا تھا۔ اسے خیال آیا کہ اس کا سانس گھٹ رہا ہو گا۔ وہ چلایا۔ "للیانہ کوشش کرو۔ باہر نکلو — اچھا ٹھہرو — مَیں آیا۔" وہ جانتا تھا کہ للیانہ ایک یا دو منٹ تک تو سانس لے ہی سکتی ہے، لہٰذا اس کا حوصلہ بڑھایا جائے لیکن برف کے اوپر جو لڑکے برف کھود رہے تھے ان کا وزن اس کے سینے پر پڑ رہا تھا۔ وہ فطری طور پر اپنے اپنے دوستوں کو نکالنے میں مصروف تھے یا ان لڑکوں کو جن کے ہاتھ برف سے باہر نکلے ہوئے تھے۔ جیویر جیسے لوگوں کو جو سانس بآسانی لے

سکتے تھے، انہوں نے وقتی طور پر نظرانداز کر دیا تھا اور ظاہر ہے ان کی باری تو سب سے آخر میں آنی تھی جو نظر سے بھی پوشیدہ تھے، للیانہ بے چاری برف تلے پڑی تھی اور صرف جیویر کا پاؤں اسے چھو سکتا تھا۔ جیویر چیختا رہا بیوی کا حوصلہ بڑھاتا رہا اسے کہتا رہا کہ آہستہ آہستہ سانس لے پھر زربینو نے اسے نکالا تو دونوں مل کر للیانہ پر سے برف ہٹانے لگے لیکن جب وہ للیانہ تک پہنچے تو وہ آخری ہچکی لے چکی تھی۔ جیویر نے اسے دیکھا تو تیورا کر برف پر ہی گر پڑا اور زار و قطار رونے لگا۔ اسے صرف اتنا یقین تھا کہ وہ للیانہ جو زندگی بھر اس سے وفا نبھاتی رہی اب جنت کی فضاؤں سے اسے تک رہی ہو گی۔

○

جیویر اس دکھ میں تنہا نہیں تھا۔ جب زندہ بچ رہنے والے لڑکے جہاز کی اس جگہ میں جو برف کے فرش اور جہاز کی چھت کے درمیان باقی رہ گئی تھی۔ اکڑوں بیٹھے تھے تو انہوں نے دیکھا کہ ان کے کئی پیارے دوست اور عزیز برف کے نیچے دب چکے ہیں مارسیلو پریز ان کا کپتان ان سے جدا ہو گیا تھا، کارلوس روق اور جوان کارلوس مینندیز دیوار کے نیچے آ کر دم توڑ گئے، انریق پلیٹرو بھی، جس کا پیٹ کا زخم تقریباً ٹھیک ہو چکا تھا ___ گسٹاف نکولک جس نے ریڈیو پر اعلان سننے کے بعد انہیں مایوسیوں سے بچا لیا تھا، خود موت کے بے رحم ہاتھوں سے نہ بچ سکا۔ کینیسا کا گہرا دوست ڈانیال میسپون اور توانا لڑکوں میں سے ڈیگو سٹارم، آٹھ آدمی برف تلے آ کر فنا کے گھاٹ اتر گئے۔

باقی رہ جانے والے انیس افراد غموں کی اتھاہ گہرائیوں میں ڈوبے بیٹھے تھے کچھ سوچ رہے تھے کہ اس جسمانی اور ذہنی عذاب سے تو بہتر تھا کہ وہ بھی مر جاتے۔ ان کی یہ خواہش پوری ہوتے ہوتے رہ گئی پہلے حادثے کے ایک گھنٹے بعد ہی ایک اور ایوالانچ آیا لیکن چونکہ دروازے پر پہلے ہی کافی برف جمع تھی، نیا ایوالانچ جہاز کے اوپر سے ہی گزر گیا۔ لیکن اس نے وہ تنگ سا دہانہ بھی بند کر دیا جس کے راستے رائے ہارلے باہر گیا تھا اور پھر اندر آیا تھا۔ اب فیئر چائلڈ مکمل طور پر برف میں دفن تھا۔

رات ہوئی تو بچ رہنے والے سب گیلے تھے۔ سردی سے ان کے ہاتھ پاؤں جڑ گئے تھے، بیرون میں جوتے تھے نہ جسم پر کوئی کپڑا ___ گدیاں بھی برف میں دب گئی تھیں۔ کھڑے ہونے یا بیٹھنے کی جگہ نہ تھی وہ بمشکل ایک دوسرے میں گھسے لیٹے تھے اور خون کی گردش جاری رکھنے کے لیے ایک

دوسرے کو مکّے مار رہے تھے یہ جانے بغیر کہ یہ کس کا بازو یا کس کی ٹانگ ہے۔ جگہ بنانے کے لیے انہوں نے درمیان کی برف کھود کھود کر کناروں پر ڈال دی —— اس طرح جو گڑھا بنا اس میں چار آدمی بیٹھ سکتے تھے اور ایک کھڑا ہو سکتا تھا جس کی کھڑا ہونے کی باری ہوتی اس کی یہ ڈیوٹی لگی کہ وہ دوسروں کے پیر دباتا رہے تاکہ وہ بالکل ہی منجمد نہ ہو جائیں۔

یہ رات بہت ہی طویل تھی۔ صرف کارلیٹوس سو سکا بلکہ کہنا چاہیے اس پر نیند کے جھونکوں کا غلبہ رہا —— نیند کس کمبخت کو آسکتی تھی۔ ہر کوئی جاگ رہا تھا۔ سب لوگ انگلیاں چٹخاتے، اپنے چہرے ہاتھ اور پاؤں ملتے تاکہ گرم رہ سکیں۔

تھوڑی دیر بعد ایک اور مسئلہ پیدا ہوا۔ باہر سے تو ہوا اندر آ نہیں رہی تھی۔ جو ہوا موجود تھی وہ ان کے سانسوں میں استعمال ہو گئی چنانچہ ان کا دم گھٹنے لگا۔ رائے اٹھ کر اس جگہ گیا جہاں سے وہ باہر گیا تھا، اور ہاتھوں کی مدد سے اس نے برف توڑ کر چمنی سی بنانے کی کوشش کی لیکن برف منجمد ہو چکی تھی۔ اور اس کا ہاتھ باہر تک نہ جاتا تھا —— آخر ہیر بڈ وانٹھا اس نے وہ پول کھینچ کر باہر نکالا جس سے جھولا بنایا گیا تھا اور چھت کی طرف برف کو چھیدنے لگا۔

باقی لڑکوں نے لائٹر جلا کر روشنی کی۔ اس سے آکسیجن اور بھی کم ہو گئی لیکن کوئی اور چارہ کار نہ تھا —— انہیں کچھ معلوم نہ تھا کہ ان کے اوپر برف کی موٹائی ایک فٹ ہے یا بارہ فٹ —— ہیربڈو نے اپنا کام جاری رکھا یہاں تک کہ اسے محسوس ہوا کہ پول بغیر کسی رکاوٹ کے اوپر نکل گیا۔ اس نے لسے واپس کھینچا تو چھت میں ایک سوراخ ہو گیا تھا جس میں سے چاند ستاروں کی مدھم روشنی چھن چھن کر اندر آنے لگی۔

وہ اس سوراخ میں سے جھانک جھانک کر طلوع صبح کا انتظار کرتے رہے اور آخر اس سیاہ رات کی صبح ہوئی۔ جہاز کے اندر کی سیاہ تاریکی ملگجے اجالے میں بدل گئی۔ سورج نکلا تو اس کی روشن روشن کرنوں کی روپہلی روشنی اندر داخل ہوئی۔ اب ان کا سب سے بڑا کام یہ تھا کہ وہ برف کے مقبرے سے باہر نکلیں دروازے پر برف کی موٹائی بہت زیادہ تھی۔ اس کے برعکس پائلٹوں کے کیبن پر اس کی تہہ ہلکی دکھائی دیتی تھی کیونکہ وہاں کی برف سے اجالا جھانک رہا تھا چنانچہ کینسا سبیلا، انسیارٹی، فیلٹو ستراچ، ہارلے اور ہیربڈو اس کیبن کی طرف سے برف میں سرنگ کھودنے میں جُت گئے۔ برف منجمد ہو چکی تھی اور اب اسے ننگے ہاتھوں اکھاڑنا سخت مشکل تھا۔ چھ کے چھ باری باری کام کر رہے تھے۔ زربینو جس نے قدرے بہتر کپڑے پہنے ہوئے تھے اور جسے دوسروں

کی نسبت سردی بھی کم لگتی تھی، امرزہ پائلٹوں کے کیبن تک جا پہنچا۔ پھر اُس نے کیبن کی کھڑکی کے اوپر سے برف ہٹانے کی کوشش کی لیکن ناکام رہا۔ جہاز ترچھا ہونے کی وجہ سے کھڑکی اوپر آسمان کی جانب تھی۔ کیفیسا کی کوئی کوشش بھی بار آور نہ ہوئی، آخر رائے ہار لے آیا اور کھڑکی کے اوپر کی برف توڑ کر دن کی روشنی دیکھنے میں کامیاب ہوگیا۔ اس نے اس دہانے سے اپنا سر باہر نکالا۔ اس وقت صبح کے آٹھ بجے تھے لیکن معمول کے دنوں کی نسبت ابھی روشنی پوری طرح نہ پھیلی تھی کیونکہ آسمان پر گھنگھور گھٹا چھائی ہوئی تھی اور برفباری بھی جاری تھی۔ رائے نے سر پر اُونی ٹوپی اور جیکٹ پہن رکھی تھی لیکن تیز ہوا اس کے چہرے پر سوئیاں چبھو رہی تھی وہ واپس اندر گیا اور باقی ساتھیوں کو بتایا کہ باہر جانے کا کوئی فائدہ نہیں۔ برف کا طوفان آنے کو ہے لیکن انہوں نے اصرار کیا کہ وہ باہر جائے اور کم ازکم کھڑکیوں کی برف ہی ہٹا دے۔ رائے باہر نکلا تو جہاز کا پورا ڈھانچہ برف تلے دبا ہوا تھا کچھ معلوم نہ ہوتا تھا کہ کھڑکیاں کہاں ہیں۔ اسے یہ ڈر بھی تھا کہ چھت پر چلتے ہوئے اس کا پاؤں پھسلا تو وہ برف کی وسعتوں میں گم ہو جائے گا۔ چنانچہ وہ پائلٹ کیبن کی کھڑکی کے رَاستے پھر اندر اتر گیا اور اپنے ساتھیوں میں جا ملا۔

برف کا طوفان دن بھر جاری رہا اور برف کے گالے کھڑکی کی راہ پائلٹوں کی لاشوں پر گرتے رہے جو ابھی تک اپنی نشستوں میں پھنسی ہوئی تھیں۔ کچھ لڑکوں نے اس برف کو اکٹھا کرکے کھایا تاکہ پیاس بجھا سکیں۔ باقی پرانی برف توڑ توڑ کر کھاتے رہے۔

یہ ۳۰ اکتوبر کا دن تھا۔ نیو ماٹر کاٹی کی اکیسویں سالگرہ کا دن۔ لڑکوں نے اسے ایک فالتو سگریٹ دیا اور برف کا ایک کیک بنایا۔ وہ اولڈ کرسچن کلب کا ممبر تھا نارگبی کا کھلاڑی رنٹ بال کا شوقین تھا لیکن اس کے باوجود بس چلتا تو باقی لڑکے اسے یقیناً کوئی تحفہ دیتے لیکن اس کی بجائے خود نیو ماٹر کاٹی ان کے لیے نئی امیدوں کا پیامبر بن گیا۔ اس نے کہا، "جو بدترین حالات ہو سکتے وہ ہم پر گزر گئے اور ہم ان میں بھی زندہ رہے۔ اس سے بدتر اور کیا ہوں گے۔ اب صورتِ حال صرف بہتری ہی میں بدل سکتی ہے۔"

اس دن انہوں نے کچھ نہ کیا۔ وہ برف چوستے رہے اور طوفان تھمنے کا انتظار کرتے رہے۔ ان کی گفتگو کا موضوع ابوالانبح تھا۔ الیسارٹی سمیت کچھ لڑکوں کا کہنا تھا کہ ان میں سے جو بہترین تھے بچھڑ گئے کیونکہ وہ خدا کو زیادہ محبوب تھے۔ دوسرے لوگ اس تبصرے پر خاموش رہے کیونکہ انہیں اس میں کوئی تک نظر نہ آتی تھی۔

پیرپڈو نے اپنے عزم صمیم کا اظہار کیا، "جیسے ہی برف کا طوفان رکا، مَیں روانہ ہو جاؤں گا۔ اگر ہم اسی طرح انتظار میں بیٹھے رہے تو کسی اور ایوالانچ کے ہاتھوں مارے جائیں گے۔"

فیلٹو پرسکون لہجے میں بولا "میری تو یہ رائے نہیں۔ اب جہاز برف سے چھپا ہُوا ہے۔ دوسرا ایوالانچ اس کے اوپر سے گذر گیا۔ ہم وقتی طور پر تو اس میں محفوظ ہیں۔ بلکہ اس بات کا زیادہ امکان ہے کہ ہم باہر چلتے ہوئے کسی اور ایوالانچ کی زد میں آجائیں۔"

وہ سب احترام سے فیلٹو کی بات سنتے رہے کیونکہ ایوالانچ کے بعد سے وہ پرسکون رہا تھا اور اب بھی اس کے چہرے سے وہ گھبراہٹ بالکل ظاہر نہ ہوتی تھی جو دوسرے چہروں پر صاف پڑھی جاسکتی تھی۔ وہ کہہ رہا تھا:

"مجھے کوئی وجہ نظر نہیں آتی کہ موسم صاف ہونے تک ہم کیوں نہ یہیں انتظار کریں۔"

"آخر کب تک؟" وزنطین نے پوچھا۔ وہ بھی فوری طور روانہ ہونا چاہتا تھا۔

الگورٹا بولا، "مجھے سانٹیاگو میں ایک ٹیکسی ڈرائیور نے بتایا تھا کہ یہاں پندرہ نومبر سے برفباری رک جاتی ہے اور موسم گرما کا آغاز ہوجاتا ہے۔"

فیلٹو نے اپنی رائے دی۔ "پندرہ نومبر —— صرف دو ہفتے باقی ہیں اور زندگی کی اُمید میں اتنا انتظار تو کیا جاسکتا ہے۔"

کوئی بھی اس کے خلاف نہ بولا۔ فیلٹو نے اپنے دلائل جاری رکھے، "اس وقت تک چاند بھی پورا ہو چکا ہوگا جس کا مطلب یہ ہوگا کہ ہم رات کو چل سکیں گے۔ جب برف سخت ہو جاتی ہے اور دن کے وقت سو سکیں گے۔ جب سورج کی وجہ سے موسم قدرے گرم اور آرام دہ ہوتا ہے۔

وہ دن انہوں نے بغیر کچھ کھائے پئے گزارا۔ رات کو جب وہ ایک دوسرے میں گھسے لیٹے تھے تو سب نے کارلیٹوس کے ساتھ مل کر نظم پڑھی۔ دوسرے دن ۳۱ راکتوبر کو اس کی اینسویں سالگرہ تھی۔ بہترین تحفہ جس کی ان حالات میں وہ خواہش کرسکتا تھا، یہ تھی کہ موسم صاف ہو جائے۔ لیکن دوسرے دن جب اس نے کھڑکی سے باہر جھانکا تو دیکھا کہ برفباری بدستور جاری ہے۔ وہ واپس آیا اور پیش گوئی کی، "آئندہ تین دن موسم سخت خراب رہے گا اور اس کے بعد تین دن روشن اور صاف ہوں گے۔"

سخت سردی نے ان کے گیلے کپڑوں کے ساتھ مل کر انہیں ادھ موا کر دیا تھا۔ پچھلے دو دنوں سے انہوں نے کچھ نہیں کھایا تھا اور اب بھوک سے ان کی آنتیں قل ہو اللہ پڑھ رہی تھیں۔ ایوالانچ کے

حادثے میں مارے جانے والوں کی نعشیں جہاز کے دروازے کے قریب پڑی تھیں۔ چنانچہ سٹراچ برادران نے ایوالاپنچ کی برف کے نیچے دب جانے والی ایک نعش پر سے برف ہٹائی اور ہر ایک کے سامنے اس سے گوشت کاٹا۔ اس سے پہلے گوشت سینک کر کھایا جاتا تھا یا کم از کم دھوپ میں خشک ہی کر لیا جاتا تھا لیکن اس دن سوائے اس کے کوئی چارہ نہ تھا کہ اسے کچا ہی نگلا جاتا۔ بھوک بڑی بلا ہے۔ انہوں نے بلا جھجک گوشت کے بڑے بڑے ٹکڑے اٹھائے اور کھانے لگے۔ ایک تو ٹکڑے بڑے تھے، دوسرے گوشت خشک نہیں تھا، نگلنے سے پہلے انہیں چبانا پڑا اور کئی لوگوں نے پہلی بار انسانی گوشت کا ذائقہ محسوس کیا۔ اس سے پہلے تو ان کی کوشش ہوتی تھی کہ منہ میں رکھتے ہی حلق کے پار دھکیل دیں۔ کچھ کے لیے یہ کام انتہائی مشکل تھا۔ وہ ایسے دوستوں کا گوشت کھا رہے تھے جو صرف چند دن پہلے ان کے ساتھ ہنس بول رہے تھے۔

رابرٹو کینیسا اور فیٹو سٹراچ نے ایسے لوگوں کو قائل کرنے کی کوشش کی۔ فیٹو نے رابرٹ کو زبردستی گوشت کھلانا چاہا۔ وہ کہہ رہا تھا، ”تم نے یہ گوشت نہ کھایا تو مر جاؤ گے اور ہمیں تمہاری لاش کی نہیں زندہ وجود کی ضرورت ہے۔“

لیکن یہ سب دلائل ایک طرف اور انہیں جو متلی محسوس ہو رہی تھی وہ ایک طرف۔ تمام بہلانا پھسلانا بیکار گیا۔ ایڈورڈو، انسیارٹی اور ٹرکاٹی گوشت نہ کھا سکے اور ان کی جسمانی حالت مزید ابتر ہو گئی۔

یکم نومبر کو پونچو ڈیلگاڈو کی سالگرہ تھی۔ کارلیٹوس کی پیشین گوئی کے مطابق برفباری رک گئی تھی۔ چھ لڑکے کھڑکی کے راستے باہر آئے تاکہ دھوپ سے کچھ حرارت حاصل کر سکیں۔ کینیسا اور زربینو نے کھڑکیوں پر سے برف ہٹائی تاکہ ڈھانچے کے اندر روشنی میں اضافہ ہو۔ فیٹو، ایڈورڈو اور دانیال فرنینڈز نے پینے کے لیے برف پگھلائی اس دوران کارلیٹوس بیٹھا سگریٹ پھونکتا رہا۔

یکم نومبر اس کے والد اور اس کی بہن کی سالگرہ کا دن بھی تھا۔ اسے یقین تھا کہ وہ اپنے خاندان سے ضرور جا ملے گا۔ اس کے ذہن میں دلائل ابھر رہے تھے، ”اگر خدا نے مجھے جہاز کے حادثے اور ایوالاپنچ میں محفوظ رکھا ہے تو اس کے علاوہ اور کیا وجہ ہو سکتی ہے کہ اس کی رضا یہی ہے کہ میں اپنے گھر والوں سے ملوں۔“ ہر سو خاموشی سے خدا کی قدرت نمایاں تھی۔ اسے ایسے لگا جیسے خدا ان کے بہت قریب ہے۔ خدا سے قربت کے اس احساس نے اس کے زندہ رہنے کے عزم کو اور پختہ کر دیا۔

سورج کسی بادل کے پیچھے چھپ گیا تو فضا میں سردی کی کاٹ پھر بڑھ گئی۔ چھ کے چھ دوبارہ جہاز

میں داخل ہو گئے۔

آنے والے دنوں میں موسم صاف رہا۔ زندہ بچ جانے والوں میں سے جو قدرے توانا تھے کسی کام میں جتے رہے بڑی جدوجہد کے بعد انہوں نے جہاز کے پیچھے سے ایک اور سرنگ کھود نکالی ٹین کے ٹکڑوں اور پلاسٹک کے ٹوٹے ہوئے حصّوں سے وہ آہستہ آہستہ برف کھرچتے رہے اس دوران انہیں برف میں دبی چھوٹی موٹی چیزیں بھی ملتی رہیں مثلاً پئیز کو اپنے جوتے مل گئے۔

برف میں سرنگ نکالنے کے بعد انہوں نے جہاز کے اندر کی برف اور ایوالانچ میں دب جانے والی لاشیں باہر نکالنا شروع کیں، برف پتھروں کی طرح سخت تھی اور پلاسٹک اور ٹین کے جن ٹکڑوں سے وہ برف ہٹانے کا کام لے رہے تھے، ظاہر ہے اس کام کے لیے ناکافی تھے، کچھ لڑکوں نے ایوالانچ کے وقت اضطراری کیفیت میں ہاتھوں سے چہرہ ڈھانپ لینا چاہا ہوگا۔ برف میں گھر کر ان کی لاشیں اسی حالت میں منجمد ہو گئی تھیں اور انہیں ہاتھ لگاتے ہوئے بھی خوف آ رہا تھا۔ یوں لگتا تھا وہ ابھی بول پڑیں گے۔ جب خوف پر قابو نہ پایا جا سکا تو نائلن کی رسیاں لے کر ان لاشوں کے بازوؤں میں سے گزاری گئیں اور گھسیٹ کر انہیں باہر لے جایا گیا۔

وہ نعشیں جو جہاز کے دروازے کے پاس برف میں دبی ہوئی تھیں، اسی حالت میں چھوڑ دی گئیں کیونکہ آئندہ ایوالانچ کے خطرے کے پیش نظر دروازے کی برف نہیں ہٹائی گئی تھی۔ یہ بھی سوچا گیا کہ یہ نعشیں خوراک کے محفوظ ذخیروں کے طور پر وہیں چھوڑ دی جائیں کیونکہ جہاز کے حادثے میں مرنے والوں کی تمام نعشیں ایوالانچ کی برف تلے گہری دفن ہو گئی تھیں اور یہ خطرہ تھا کہ ایوالانچ میں دب کر مرنے والے افراد کے مردہ جسم کسی ایوالانچ کی برف تلے آ کر ان سے جاتے نہ رہیں۔ حفظ ماتقدم کے اس احساس کے تحت جب وہ شام کو اندر آتے تو کوئی پسلی، بازو یا ران وغیرہ داخلے کی جگہ کے قریب ہی رکھ چھوڑتے کہ اگر موسم خراب ہونے کی صورت میں وہ باہر نہ نکل سکیں تو ہاتھ بڑھا کر یہ کھانا تو اٹھا سکیں۔

جہاز کے ڈھانچے کو قابلِ رہائش بنانے میں کوئی آٹھ دن صرف ہوئے اور اتنی جدوجہد کے بعد بھی حالت یہ تھی کہ ڈھانچے کی دونوں دیواروں کے ساتھ ساتھ برف کی ایک تہہ جمی ہوئی تھی اور جو جگہ انہیں میسر آئی تھی خاصی تنگ تھی۔ اب انہیں ایوالانچ سے پہلے کا وقت یاد آتا تو

آہیں بھرتے۔ کہتے، ان دنوں ہمارا خیال تھا کہ ہم انتہائی ابتر حالت میں ہیں لیکن ان دنوں کے مقابلے میں تو وہ عیاشی تھی عیاشی"۔

ایوالانچ سے انہیں ایک فائدہ ہوا تھا۔ فالتو کپڑے جو انہوں نے ایوالانچ میں مرنے والوں کے جسموں سے اتار لیے تھے۔ اس احساس کے تحت کہ خدا ان کی مدد تبھی کرے گا، جب وہ اپنی مدد آپ کریں گے، زندہ رہنے والوں نے نہ صرف خود کو آرام دہ بنانے کی بھرپور کوشش کی بلکہ وہ آئندہ نجات کی راہیں تلاش کرنے کی منصوبہ بندی بھی کرنے لگے۔

ایوالانچ سے پہلے یہ بات طے پا چکی تھی کہ ان میں سے توانا اور تندرست افراد پر مشتمل ایک پارٹی چلی کی طرف روانہ ہو گی۔ شروع شروع میں ان کی آرا مختلف تھیں۔ ایک گروپ کا خیال تھا کہ مدد کی تلاش کے لیے ایک بڑی پارٹی روانہ کی جائے تاکہ وہ مل جل کر ایک دوسرے کا حوصلہ بڑھاتے ہوئے کسی منزل تک پہنچ سکیں جب کہ دوسرے گروپ کا خیال تھا کہ اگر یہ پارٹی تین یا چار افراد پر مشتمل ہو تو ساتھ لے جانے والی خوراک زیادہ دن ان کا ساتھ دے سکے گی اور مختصر پارٹی کے لیے کپڑے وغیرہ بھی زیادہ مہیا کیے جا سکتے تھے۔ ایوالانچ کے بعد جو موسمی صورت حال رہی اس کے پیش نظر دوسرے گروپ کی رائے زور پکڑتی گئی اور یہ طے ہوا کہ چار یا پانچ افراد اس مہم پر بھیجے جائیں گے۔ انہیں زائد خوراک دی جائے گی، سونے کے لیے بہتر جگہ دی جائے گی۔ گوشت کاٹنے برف پگھلانے اور کیبن کی صفائی کے تمام کام انہیں معاف ہوں گے وہ صرف آرام کریں گے اور اپنی صحت کی طرف توجہ دیں گے تاکہ جب برف پگھلنے لگے اور موسم گرما شروع ہو تو وہ زیادہ صحت مند مضبوط اور توانا ہو۔ راستے کی مشکلات جھیلنے کے قابل ہو جائیں۔

سب سے پہلی بات جو ان مہم جو افراد کے انتخاب میں پیش نظر تھی ان کی جسمانی حالت تھی۔ وہ لوگ جو حادثے میں محفوظ رہ گئے تھے، بعد میں کسی نہ کسی مصیبت کا شکار ہو گئے۔ زربینو جب سے پہلی مہم سے لوٹا تھا، آنکھوں کی تکلیف میں مبتلا تھا۔ اس کی بینائی ابھی تک بحال نہیں ہوئی تھی انسیارٹی کے پیروں پر آبلے پڑے ہوئے تھے۔ سبیلا اور فرینینڈیز گرچہ ٹھیک ٹھاک تھے لیکن کھلاڑی نہ ہونے کی وجہ سے رگبی کے کھلاڑیوں کی نسبت کمزور ہی تھے۔ ایڈورڈ شروع میں خاصا توانا تھا لیکن ایوالانچ کے بعد سے اسے جو گوشت سے گھن آنا شروع ہوئی تھی، تو وہ بھی کمزور ہو گیا تھا۔ اب انتخاب پیریڈو، کینیسا، ہارلے، ٹپنیز، ٹرکاٹی، وزنطین اور فیتو سٹراچ کے درمیان رہ گیا تھا۔ ان میں سے کچھ دوسروں کی نسبت اس مہم کے معاملے میں زیادہ جوشیلے تھے۔ پیریڈو کی تو یہ حالت تھی کہ اسے اس

مہم کے لیے منتخب نہ بھی کیا جاتا تو وہ خود ہی روانہ ہو جاتا۔ ٹرکائی کو یقین تھا کہ اسے مہم میں ضرور شامل کیا جائے گا۔ اس سے پہلے دو مہموں میں شامل ہو کر وہ اپنی جسمانی مضبوطی اور بہتر قوت ارادی کا ثبوت بہم پہنچا چکا تھا اور باقی لوگوں کا بھی یہ ایمان ہو چلا تھا کہ اسے اگر مہم میں شامل کیا گیا تو ضرور کامیابی نصیب ہو گی۔

کینسا دوسروں کی نسبت سوچتا زیادہ تھا اور ان خطرات اور مشکلات پر غور کر رہا تھا جو مہم کی صورت میں پیش آنے والی تھیں۔ لیکن اپنے زرخیز دماغ اور دوسروں کی نسبت بہتر جسمانی حالت کی وجہ سے وہ سمجھتا تھا کہ مہم پر جانا اس کے فرائض میں شامل ہے۔ فیٹو سٹراچ نے بھی جانے کی رضاکارانہ پیش کش کی، یہ پیش کش اس نے اخلاقی ذمہ داری کا ثبوت دیتے ہوئے کی تھی ورنہ اس کا اپنا خیال تھا کہ مہم پر جانے کی نسبت ڈھانچے میں رہنا زیادہ محفوظ راستہ تھا۔ لیکن آنے والے دنوں میں اسے بواسیر نے آلیا۔ اور اس طرح مہم کے لیے جانے والوں میں سے اس کا نام خود بخود خارج ہو گیا۔ اس کے بعد دوسرے چچا زاد بھائی اس کے پیچھے رہ جانے سے خوش تھے باقی تین یعنی پئیز، ہارلے اور وزنطین جانے کے لیے تیار تھے وہ جسمانی طور پر اس قابل بھی تھے لیکن باقی لوگوں کو ان کی قوت ارادی اور ذہانت پر اعتماد نہیں تھا چنانچہ طے یہ ہوا کہ ان تینوں کو ایک روزہ آزمائشی مہم پر بھیج کر آزمایا جائے ایوالانچ کے بعد چھوٹی موٹی مہمیں مختلف سمتوں میں روانہ کی گئی تھیں۔ فرنیکوئیس اور انسیارٹی تین سو فٹ کی بلندی تک گئے تھے۔ وہ ہر دس قدم چل کر بیٹھ جاتے اور سگریٹ پیتے۔ ٹرکائی، انگوٹا کے ہمراہ جہاز کے ٹوٹے ہوئے بازو تک گیا تھا۔ زیادہ گوشت نہ کھا سکنے کی وجہ سے اس کی حالت بھی غیر ہوتی جا رہی تھی۔

ایوالانچ کے سات دنوں بعد پئیز، ہارلے اور وزنطین، خود کو مہم کا اہل ثابت کرنے کے لیے صبح گیارہ بجے آزمائشی مہم پر روانہ ہوئے۔ ان کا ہدف یہ تھا کہ وہ وادی کے نشیب کی طرف نظر آنے والے بڑے پہاڑ تک جا کر واپس آئیں۔ ایک روزہ مہم کے لیے یہ کوئی بڑا کام نہیں محسوس ہوتا تھا۔

ہر لڑکے نے دو سوئٹر، دو پاجامے اور رگبی کے جوتے پہن رکھے تھے۔ برف کی سطح منجمد ہو چکی تھی اور چلنا دشوار نہیں تھا چنانچہ وہ آسانی سے چلتے گئے۔ جہاں اترائی زیادہ ڈھلوانی ہوتی وہ راستہ بدل لیتے اور دائیں بائیں کو ہو کر گزر جاتے۔ اپنی رفتار قائم رکھنے کی خاطر انہوں نے اپنے ساتھ

کچھ بھی نہ لیا تھا۔ اس طرح کوئی ڈیڑھ گھنٹہ چلنے کے بعد انہیں جہاز کے کچن کا پچھلا حصہ ملا ــــ اس کے ارد گرد کوکا کولا کے خالی کریٹ پڑے تھے۔ ایک ردی کی ٹوکری تھی اور ایک کافی کا ڈبہ، جو گرچہ خالی تھا لیکن اس کے نیچے کافی کا کچھ پاؤڈر سا جما ہُوا تھا۔ انہوں نے فوری طور پر اس میں برف ڈالی اور ہلا ہلا کر اسے پانی بنایا اس طرح کافی کی خوشبو والا جو پانی تیار ہوا اسے پی گئے۔ پھر انہوں نے ردی کی ٹوکری الٹائی اور یہ دیکھ کر ان کی خوشی کی انتہا نہ رہی جب اس میں سے انہیں "گنے" کے کچھ ٹکڑے ملے۔ انہوں نے اسے فوراً تین حصوں میں تقسیم کیا اور مزے لے لے کر چوسنے لگے۔ چند لمحوں کے لیے تو وہ سرور کی کیفیت میں مبتلا رہے پھر اُٹھ کر مزید کھانے پینے کی چیزیں تلاش کیں لیکن انہیں گیس کے ایک سلنڈر، ٹوٹے ہوئے تھرموس اور ایک خاص قسم کی چائے کی پتی کے سوا کچھ نہ ملا۔ انہوں نے یہ پتی ٹوٹے ہوئے تھرموس میں ڈالی اور آگے روانہ ہوگئے۔

دو گھنٹے تک چلنے کے بعد انہیں احساس ہُوا کہ برف میں فاصلوں کا اندازہ لگانا کتنا مشکل ہے۔ نشیب کی طرف وہ جس پہاڑ کو قریب سمجھ رہے تھے ان سے اتنا ہی دور تھا جتنا روانگی کے وقت تھا۔ دوپہر کے سورج کی گرمی سے برف بھی نرم ہوگئی تھی او ۔ چلتے ہوئے ان کے پاؤں برف میں دھنسنے لگے تھے۔ انہوں نے واپسی کا قصد کیا تو پتہ چلا چڑھائی پر چلنا کس قدر مشکل تھا۔ ادھر سورج بادلوں کے پیچھے جا چھپا تھا۔ تھوڑی دیر میں بادل گھر آئے اور برف کے گالے گرنے لگے۔

وہ واپس اسی کافی کے ڈبے تک آئے جس میں پانی بنا کر پی گئے تھے۔ رائے اور کارلٹیوس نے کچن کے حصے سے دو خالی ڈبے اٹھائے یہ سوچ کر کہ جہاز میں جا کر یہ پانی بنانے کے کام آئیں گے لیکن چند قدم چل کر ہی وہ بوجھل محسوس ہونے لگے چنانچہ انہیں پھینک دیا گیا۔ وزنطین نے البتہ ردّی کی ٹوکری اٹھائے رکھی۔ وہ اُوپر چڑھتے ہوئے اسے چھڑی کے طور پر استعمال کر رہا تھا۔

چڑھائی سخت مشکل ہوتی جا رہی تھی۔ ڈھلوان خاصی زیادہ تھی۔ اترتے وقت تو انہیں اس کا احساس نہ ہُوا تھا لیکن اب وہ بڑی طرح ہانپ رہے تھے۔ ہر ہر قدم کے ساتھ وہ رانوں تک برف میں دھنسنے لگے تھے۔ ادھر برف گرنے کی رفتار بڑھتی جا رہی تھی۔ رائے اور کارلٹیوس سخت گھبرائے چاروں طرف گرتی ہوئی برف نے سب کچھ ان سے چھپا لیا تھا اور انہیں کچھ اندازہ نہ تھا کہ وہ جہاز کے ڈھانچے سے کتنے فاصلے پر ہیں۔ پہاڑ میں کئی نشیب و فراز تھے۔ ہر نشیب سے نکلتے ہوئے وہ امید کرتے کہ اب انہیں ڈھانچہ نظر آجائے گا لیکن مایوسی کے سوا کچھ ہاتھ نہ آتا۔ رائے نے تو باقاعدہ

رونا شروع کر دیا اور کارلیٹوس بھی بالآخر برف پر گر پڑا اور بولا، "مجھ سے نہیں چلا جاتا ــــ میں چل ہی نہیں سکتا۔ مجھے چھوڑ دو۔ تم جاؤ۔ مجھے مرنے دو ــــ میں چل نہیں سکتا۔"

رائے روتے روتے بولا، "کارلیٹوس، اٹھو، خدا کے لیے چلو ــــ اپنے گھر والوں کے لیے ــــ اپنی ماں کے لیے، اپنے باپ کے لیے۔"

نہیں۔ نہیں میں تو ہل بھی نہیں سکتا اب اپنی جگہ سے۔"

وزنطین غرّایا۔ "یہ لڑکیوں کے سے نخرے مت دکھاؤ ــــ کھڑے ہو جاؤ۔ ہم یہاں ٹھہرے رہے تو یہیں منجمد ہو جائیں گے۔"

"ہاں! ہاں۔ میں لڑکی ہوں۔ بزدل ہوں۔ مانتا ہوں۔ جاؤ تم جاؤ مجھے چھوڑ جاؤ۔"

لیکن وہ کھڑے رہے اور کارلیٹوس کو سمجھاتے رہے۔ کبھی دھمکاتے کبھی پھسلاتے اور بالآخر اسے پیروں پر کھڑا کر ہی لیا۔ کچھ دیر اور چڑھتے رہے اور ایک پہاڑی کو سر کرنے میں کامیاب ہو گئے لیکن جہاز کا اب بھی کچھ پتہ نہ تھا۔

کارلیٹوس نے پوچھا، "کتنی دُور رہ گیا ہے جہاز ــــ ؟ کتنی دور ــــ ؟

تھوڑی دُور جا کر وہ پھر برف پر ڈھیر ہو گیا۔ بولا، "تم چلو ــــ میں آتا ہوں ایک آدھ منٹ بعد۔" وزنطین اور ہارنے کو ایک بار پھر اسے منانا پڑا۔ انہوں نے اسے گالیاں دیں، پیار سے سمجھایا اور اٹھا کر دم لیا۔

جب وہ جہاز میں پہنچے تو سورج غروب ہو چکا تھا۔ دوسرے لڑکے اندر جا چکے تھے اور بڑی بے تابی سے ان کی واپسی کا انتظار کر رہے تھے۔ جب تینوں لڑکھڑاتے ہوئے جہاز میں داخل ہوئے تو ان کے چہروں بشروں سے ظاہر تھا کہ امتحان بڑا ہی سخت تھا۔ کارلیٹوس اور رائے کی آنکھوں میں آنسو تھے۔

کارلیٹوس خود ہی بولا، "یہ ناممکنات میں سے تھا۔ انتہائی ناممکن تھا برف میں چلنا۔ میں تو برف میں بیٹھ گیا تھا، مرنا کہیں زیادہ آسان تھا۔ میں بچوں کی طرح روتا رہا۔"

رائے صرف روتا رہا، بولا بالکل نہیں۔

وزنطین کی چھوٹی چھوٹی آنکھیں بالکل خشک تھیں۔ وہ نہایت اعتماد سے بولا، "کام خاصا مشکل تھا لیکن ممکن تھا۔"

اس طرح وزنطین چوتھا مہم جو قرار پایا۔ کارلیٹوس آزمائشی مہم کے بعد خود ہی دستبردار ہو گیا

جب کہ رائے کو ہیر یڈو نے صاف صاف بتا دیا کہ اسے بڑی مہم پر کسی طرح بھی ساتھ نہیں لے جایا جا سکتا تھا کیونکہ وہ روتا بہت تھا۔ یہ سن کر وہ اور بھی پھوٹ پھوٹ کر رو یا۔ اسے یہ بھی دکھ تھا کہ نینڈو مہم پر جا رہا تھا۔ وہ دونوں بچپن سے اکٹھے رہے تھے اور اس کی قربت میں وہ خود کو محفوظ تصور کرتا تھا جب بواسیر کی وجہ سے فیلیٹو کو بھی رکنا پڑا تو اسے خاصی خوشی ہوئی۔

چاروں مہم جو افراد کے انتخاب کے بعد ان کی حیثیت ان بہادر محافظوں کی سی ہو گئی جو اپنے مخصوص فرائض کی وجہ سے خاص حقوق کے مستحق ٹھہرتے ہیں۔ انہیں ہر اس چیز کی اجازت تھی جو ان کے جسم اور دماغ کے لیے تقویت کا باعث بن سکے۔ وہ دوسروں کی نسبت زیادہ گوشت کھاتے اور جو حصے پسند کرتے وہی انہیں ملتے۔ جہاں جیسے اور جب تک چاہتے سوتے۔ ان پر گوشت کاٹنے پانی بنانے اور کیبن کی صفائی کرنے کی کوئی پابندی نہ تھی گرچہ ہیر یڈو اور کسی حد تک کینیسا ان معاملات میں دوسروں کا ہاتھ بٹایا کرتا۔ اس طرح کچھ دنوں میں ان کی صحت سنبھلنے لگی دماغی صلاحیتیں بھی نکھرنے لگیں۔ سونے سے پہلے روزانہ ان کی صحت اور عافیت کی دعائیں مانگی جاتیں اس کے نتیجے میں ان کی باتوں میں عزم، حوصلے اور روشن خیالی کی جھلکیاں اور واضح ہونے لگیں۔ اگر جیور پر متھول یہ سوچتا بھی کہ جہاز انڈیز کے پہاڑوں کے وسط میں گرا ہے تو یہ بات مہم جو افراد کے سامنے کبھی نہ کہتا۔ اگر جہاز کی پوزیشن کے بارے میں بحث ہوتی بھی تو یہیں آکر ختم ہوتی کہ اس کی پوزیشن چلی سے ایک دو میل سے زیادہ نہیں۔

چاروں مہم جو جس انداز کے "خلیفے" بن بیٹھے تھے، ناگزیر تھا کہ باقی افراد میں ان کے خلاف کسی حد تک غم و غصہ بھی پیدا ہو۔ سبیلا کو اپنا دوسرا پاجامہ کینیسا کو دینا پڑا تھا۔ فرنیکو میس کے پاس جرابوں کا صرف ایک جوڑا تھا جب کہ وزنطین کو چھ جوڑے مہیا کیے گئے تھے۔ بھوک سے بلبلاتا کوئی لڑکا اگر گری پڑی ہڈیوں سے کچھ چربی اتار لاتا تو کینیسا یہ کہتے ہوئے اسے ہتھیا لیتا۔ "مجھے اس کی زیادہ ضرورت ہے۔ مجھے اپنی جان بنانا ہے اگر میں کمزور رہا تو تم کبھی بھی یہاں سے باہر نہ نکل سکو گے۔" البتہ ہیر یڈو اور ٹرکاٹی نے اپنی پوزیشن سے کبھی ناجائز فائدہ نہ اٹھایا۔ دونوں پہلے کی طرح کام بھی کرتے رہے اور اسی سکون، پیار اور روشن خیالی کی صفات کا مظاہرہ کرتے رہے جو مہم کے لیے چنے جانے سے بیشتر ان میں پائی جاتی تھیں۔

مہم کے لیے چنے جانے والے افراد کی حیثیت رہنماؤں کی سی نہیں تھی۔ اپنے خصوصی مشن کی وجہ سے انہیں خاص مراعات دی گئی تھیں اور بس۔ تاہم بر وقت روک ٹوک نہ کی جاتی تو وہ

یقیناً باقی لوگوں پر چھا جاتے اور من مانیاں کرتے رہتے۔ باقی رہ جانے والے افراد میں جو چھوٹے چھوٹے گروپ بنے ہوئے تھے ایک کے سوا تمام ایوالانچ نے توڑ کر رکھ دیئے تھے۔ نوجوانوں میں سے نکومک اور سٹارم دب کر مر گئے تھے، کیفیسا، بیسپون کی رفاقت سے محروم ہو گیا تھا، نوگویرا، پلیٹرو سے بچھڑ گیا تھا اور متھول کو اپنی بیوی سے جدائی کا صدمہ ملا تھا۔ اب تک رہنمائی کرنے والا لیڈر مارسیلو بھی باقی نہیں رہا تھا۔

فیٹو سٹراچ، ایڈورڈ سٹراچ اور فرینینڈیز میں جو قربت تھی، اس نے ذہنی و جسمانی مشقتوں کو برداشت کرنے میں ان کی بڑی مدد کی۔ تنہائی کے جس دکھ میں وہ سب مبتلا تھے، ان تین افراد میں اس کی شدت کہیں کم تھی۔ تینوں میں حقیقت پسندی اور عملی نقطہ نظر کی بھی فراوانی تھی اور ان پہاڑوں میں ڈیلگاڈو کی فصاحت و بلاغت یا کوشے انسیارٹی کی نرم طبیعت کی بجائے انہی چیزوں کی زیادہ ضرورت تھی۔ شروع کے دنوں میں تینوں نے خاص طور پر فیٹو نے جو کام دکھائے تھے، ان کی وجہ سے بچ رہنے والوں کے دلوں میں ان کا خاصا احترام تھا۔ بہت سے ناگوار فیصلے قبول کروانے میں فیٹو پیش پیش رہا تھا اور انہی فیصلوں کی وجہ سے وہ اب تک زندہ تھے۔ فیٹو تینوں میں کم عمر تھا لیکن اس کی عزت سب سے زیادہ تھی اس کی وجہ صرف یہی نہیں تھی کہ وہ حقیقت پسند تھا یا بڑی جچی تُلی رائے کا اظہار کرتا تھا بلکہ بڑی وجہ یہ بھی تھی کہ ایوالانچ کے وقت جب سب گھبرائے ہوئے تھے اور دماغی توازن کھو جانے کے قریب تھے۔ فیٹو نے نہ صرف بڑے صبر اور سکون کا مظاہرہ کیا تھا بلکہ کئی لوگوں کی جانیں بچا کر انہیں ہمیشہ کے لیے ممنون بھی کر دیا تھا۔ حقیقت پسند ہونے کے باوجود اس کا پختہ ایمان تھا کہ وہ اس مصیبت سے بچ نکلیں گے۔ اسی رویے کی وجہ سے کارلیٹوس اور رائے نے یہ تجویز پیش کی کہ مارسیلو کی جگہ اسے باقاعدہ لیڈر چن لیا جائے لیکن فیٹو نے یہ تاج پہننے سے انکار کر دیا۔ سٹراچ برادران کو جو اثر و رسوخ حاصل تھا اسے جاری رکھنے کے لیے باقاعدہ انتخاب یا رسموں کی ضرورت نہ تھی۔

سب کاموں سے زیادہ مشکل اور ناگوار کام اپنے دوستوں کے مردہ جسموں سے گوشت اتارنا تھا اور اسے فیٹو، ایڈورڈ اور دانیال فرینینڈیز انجام دیا کرتے۔ یہ واقعی بڑا کام تھا ہیرڈ اور وزنطین جیسے دل گردے کے آدمی بھی خود کو اس کے لیے آمادہ نہ کر سکے تھے اس سلسلے میں سب سے پہلا کام یہ ہوتا کہ مردہ جسموں کو برف سے نکال کر دھوپ میں رکھا جائے تاکہ ان کے ارد گرد کی برف پگھل جائے۔ منجمد کر دینے والی سردی کی وجہ سے تمام نعشیں اسی حالت میں

محفوظ تھیں جس حالت میں انہوں نے وفات پائی تھی۔ کسی کی آنکھیں کھلی ہوتیں تو گوشت کاٹنے سے پہلے وہ انہیں بند کر دیتے، اس یقین کے باوجود کہ ان کی روحیں ان کا ساتھ چھوڑ چکی ہیں، ان سے یہ نہیں ہو سکتا تھا کہ کھلی آنکھوں کے سامنے ان کا گوشت اتار کر کھائیں۔

سٹراچ برادران اور فرینڈیز جن کے ساتھ زربینو بھی مل جایا کرتا جسموں سے گوشت کے بڑے بڑے ٹکڑے اتار کر ایک دوسری ٹیم کے حوالے کیے جاتے جو انہیں بلیڈوں کی مدد سے چھوٹے چھوٹے ٹکڑوں میں کاٹتے۔ یہ کام نسبتاً آسان تھا کیونکہ مردہ جسم سے الگ کرنے کے بعد ذہن سے یہ محو کرنا آسان تھا کہ یہ کیا چیز ہے کہاں سے آئی ہے۔

گوشت کی باقاعدہ راشن بندی کی جاتی تھی اور یہ کام بھی سٹراچ برادران اور دانیال فرینڈیز انجام دیا کرتے۔ راشن کی تقسیم کا کام عموماً دوپہر کے وقت ہوتا اور ہر شخص کو آدھے پونڈ کے قریب گوشت ملتا تاہم اس بات پر سب نے صاد کیا ہوا تھا کہ کام کرنے والے افراد زیادہ گوشت کھا سکتے ہیں کیونکہ کام میں ان کی قوت اور توانائی صرف ہوتی تھی۔ مہم پر جانے والے افراد پر کوئی پابندی نہ تھی، وہ جتنا چاہتے کھا سکتے تھے۔ نئی لاش شروع کرنے سے پہلے پہلی لاش مکمل طور پر ختم کی جاتی تھی۔

ضرورت کے تحت وہ مجبور تھے کہ مردہ جسموں کا ہر حصہ کھائیں۔ کینیسا جانتا تھا کہ جگر میں جسم کے وٹامن محفوظ ہوتے ہیں اس لیے وہ اسے کھانے کو ترجیح دیتا تھا اور دوسروں کو بھی تلقین کیا کرتا کہ وہ جگر کھائیں۔ مہم جو افراد کے انتخاب کے بعد جگر ان کے لیے مختص کر دیا گیا۔ ایک بار جب وہ جگر جیسی چیز کھا گئے تو کوئی کراہت باقی نہ رہی۔ اب دل، گردے اور کپورے کھانے میں بھی کوئی چیز مانع نہ تھی۔ کسی یورپی یا شمالی امریکہ کے باشندے کے لیے انہیں کھانے میں شاید کوئی دشواری پیش آتی لیکن یوراگوئے میں ہوٹلوں اور ریستورانوں میں گردے کپورے عام بکتے تھے اور یہاں تو ویسے بھی معاملہ مجبوری کا تھا۔ مردہ جسموں سے اتاری جانے والی چربی پہلے دھوپ میں رکھ کر سکھائی جاتی۔ اس طرح اس پر پاپڑ کی سی ایک تہہ بن جاتی؛ اس کے بعد اسے سب میں تقسیم کر دیا جاتا۔ یہ قوت اور توانائی حاصل کرنے کے لیے بہترین چیز تھی۔ گرچہ گوشت کے مقابلے میں اسے کھانا مشکل تھا۔ اس کی راشننگ بھی نہیں ہوتی تھی۔ اسی طرح وہ حصے اور ہڈیاں بھی راشننگ میں نہیں آتی تھیں جو کھائی جانے والی لاش میں سے باقی رہ گئی ہوتیں اور ادھر ادھر بکھری ہوئی تھیں۔ زیادہ بھوک محسوس کرنے والے افراد ان ہڈیوں ہی کو بھنبھوڑتے رہتے۔ صرف جبڑے، کھال اور کھوپڑی کو بخشا جاتا تھا۔

اب تک ہر کام کے کچھ اصول و ضوابط مقرر ہو چکے تھے لیکن آہستہ آہستہ ان سے انحراف شروع ہوا۔ گوشت کاٹنے والے گوشت کاٹتے کاٹتے ایک آدھ ٹکڑا منہ میں رکھ لیتے۔ سڑابچ براداران اور فرینڈیز بھی یہ حرکت کر گزرتے اور کوئی اس کا برا بھی نہ مناتا۔ دوسروں کے لیے گوشت کے دس ٹکڑے کاٹنے کے بعد ایک آدھ منہ میں رکھ لینا معمول کی بات تھی تاہم ملیجینو کبھی کبھی ہر پانچویں ٹکڑے پر ایک خود نگل جاتا۔ پئیز نے تو حد ہی کر دی وہ ہر تیسرا ٹکڑا کاٹ کر ایک منہ میں رکھ لیتا لیکن یہ کام چھپ کر نہ کیا جاتا تھا وہ اس میں مشغول رہتے، تاہم دوسرے ان پر چلانے لگتے تو وہ خاموشی سے باز بھی آجاتے۔

کسی اچھے آئین کی طرح یہ نظام نظریے کی حد تک تو صحیح تھا کہ اس میں کام کرنے والوں کے لیے لچک موجود تھی لیکن اس طرح زیادہ نقصان ان کا ہوتا تھا جو بالکل کام نہ کر سکتے تھے۔ الیشیوین اور نوگویرا اپنی ٹوٹی ہوئی ٹانگوں کی وجہ سے جہاز کے اندر ہی پڑے رہتے تھے۔ ان کی ٹانگوں پر سوجن تھی اور دکھن کی وجہ سے وہ زیادہ ہل جل بھی نہ سکتے۔ کبھی کبھار ہی ایسا ہوتا کہ وہ اپنے جسموں کو گھسیٹتے ہوئے باہر آئیں۔ باہر بھی آتے تو زیادہ سے زیادہ پانی بنا لیا کرتے۔ گوشت کاٹنے کے لیے جس توانائی کی ضرورت تھی وہ ان میں نہ تھی۔ ڈیلگاڈو کی ٹانگ بھی ٹوٹی ہوئی تھی۔ النسیاٹی کی ٹانگ خراب سے خراب تر ہوتی جا رہی تھی۔ متھول ابھی تک بلندی کی وجہ سے سرگرانی محسوس کرتا تھا۔ فرنیکو ئیس اور رائے ہارلے جسمانی طور پر اپاہج تو نہ تھے لیکن ان کی قوت ارادی ان کا ساتھ چھوڑ گئی تھی۔ ہارلے کو ایوالانچ اور اس کے بعد آزمائشی مہم میں ناکامی پر سخت صدمہ پہنچا تھا۔ دونوں کے ذہن خالی تھے اور وہ باہر نکلتے تو دھوپ میں خاموش بیٹھے خلاؤں میں گھورتے رہتے۔

کام کرنے والوں کو بیکار رہنے والوں پر غصہ بھی آتا۔ جن حالات میں وہ جی رہے تھے، ان میں کام نہ کرنا بڑا جرم تھا۔ وزنطین کی تو یہ رائے تھی کہ کام نہ کرنے والوں کو کھانے پینے کے لیے بالکل کچھ نہ دیا جائے۔ دوسروں کی رائے یہ تھی کہ اپنے ساتھیوں کو زندہ رکھا جائے لیکن اس کے لیے زائد کام کرنے پر وہ بھی جھنجھلاہٹ کا شکار ہوتے تھے۔ پھر زخمیوں کی تکالیف کے بارے میں بھی انہیں شبہات تھے کچھ کا خیال تھا کہ نوگویرا کی ٹانگیں ٹوٹی ہوئی نہیں تھیں بلکہ اس کی ساری تکلیف محض ایک ڈھکوسلہ تھی۔ اسی طرح ڈیلگاڈو کے بارے میں بھی ان کی رائے یہ تھی کہ ران کی ہڈی ٹوٹنے سے اسے جو تکلیف تھی وہ اسے بڑھا بڑھا کر بیان کرتا ہے کیونکہ میبجو کی ٹانگ بھی تو ٹوٹی ہوئی تھی لیکن وہ دوسروں کے ساتھ مل کر گوشت کاٹتا تھا۔ متھول کی سرگرانی اور چکرانے سے کسی کو ہمدردی

بھی نہ فرینکوئیس کے منجمد پیروں سے اس سب کچھ کا نتیجہ یہ تھا کہ عام خوراک کے علاوہ ان کے جسم کو زائد توانائی کی ضرورت ہوتی تو وہ جسم کے باقی اعضاء ہی سے پوری کی جاتی کچھ لڑکوں کے لیے ابھی تک انسانی گوشت کچا کھانا مشکل تھا۔ جب کہ دوسرے گوشت کے علاوہ جگر، دل، گردے اور آنتیں تک کھا جاتے تھے۔ انسیارٹی، ہارلے اور ٹرکاٹی کو سرخ گوشت دیکھ کر ابکائی آنے لگتی۔ تاہم اس کو تھوڑا بہت سینک لیا جاتا تو ان کے لیے اسے کھانا آسان ہو جاتا۔ اس کام کی ذمہ داری ہینز پر تھی چنانچہ ہر صبح انسیارٹی اس کی طرف اُمید بھری نظروں سے دیکھتا اور پوچھتا۔

”کارلیٹوس! آج کھانا پکانا ہوگا یا نہیں؟“

”مجھے کیا پتہ۔ یہ تو موسم پر منحصر ہے۔“ جواب ملتا۔

ظاہر ہے آگ جلانے کی عیاشی تبھی ہو سکتی تھی جب موسم صاف اور اُجلا ہو۔ دوسرے عوامل پر بھی غور کیا جاتا تھا۔ لکڑیاں بہت ہی کم تھیں۔ جب کوکا کولا کے تمام کریٹ ختم ہو گئے تو جہاز کی دیواروں کے ساتھ ساتھ استعمال کی گئی لکڑی کی پھٹیوں کی باری آئی۔ پھر کینیسا کا کہنا کہ زیادہ آنچ پر پروٹین جل جاتے تھے اور فرینڈیز کی یہ دلیل کہ گرم کرنے سے گوشت سکڑ جاتا ہے اور کھانے کے لیے اس کی مقدار کم ہو جاتی تھی۔ ان سب باتوں کے پیشِ نظر گوشت بھوننے کا کام ہفتے میں ایک دو دن ہی ہوتا تھا وہ بھی جب موسم اس کی اجازت دے۔ ایسے موقعوں پر کچے گوشت سے کراہت نہ رکھنے والے کم کھاتے تاکہ دوسرے اپنا پیٹ بھر سکیں۔

○

مہم جُو افراد کے انتخاب کے بعد جب وہ موسم سرما کے اختتام کے منتظر تھے۔ ان سب کی شخصیتوں کے نئے نئے پہلو سامنے آئے۔ مثلاً پیریڈو جو حادثے سے پہلے ایک شرمیلا اور چپ چاپ سا لڑکا تھا، اپنے حوصلے، ایثار کے مظاہرے اور جسمانی قوت کی وجہ سے سب میں مقبول ہو گیا۔۔۔ سب اس کا احترام کرتے تھے۔ پہاڑوں کو عبور کرنے اور سردی کا مقابلہ کرتے ہوئے کسی انسانی بستی تک جا پہنچنے کے جس ناقابلِ تسخیر عزم کا اظہار اس کی طرف سے ہوتا تھا، اس کی وجہ سے کمزور اور ناتواں افراد تمام تر اُمیدیں اسی سے وابستہ کیے ہوئے تھے ـــــ جب کسی کا دل بھر آتا اور سسکیاں لے لے کر رونے لگتا تو وہ ان کی ڈھارس بندھاتا۔ کیبن کی صفائی وغیرہ کے کاموں میں بھی بڑھ چڑھ

کر حصہ لینا حالانکہ مہم جُو ہونے کی حیثیت سے اسے یہ سب کام معاف تھے وہ کوئی ایسی تجویز پیش نہ کرتا جس پر سب سے پہلے خود عمل نہ شروع کرتا۔ ایک رات جب سوٹ کیسوں کی وہ دیوار جو باہر سے سرد ہوا کو روکنے کے لیے کھڑی کی گئی تھی، گر گئی تو وہ کمبلوں سے نکلا اور خود یہ دیوار دوبارہ کھڑی کر دی۔ اس دوران سردی سے اس کے ہاتھ پاؤں سُن ہو گئے۔ کام ختم کر کے وہ دوبارہ آ کر لیٹا تو اس قدر یخ ہو چکا تھا کہ اس کے دائیں بائیں سونے والوں کو اس کے جسم کی مالش کرنا پڑی تاکہ اس کے خون کی گردش بحال ہو سکے لیکن آدھ گھنٹے بعد جب یہ دیوار دوبارہ گری تو پھر وہ رضاکارانہ اٹھا اور دیوار کھڑی کرنے لگا۔

اس کی صرف دو کمزوریاں تھیں ایک تو روانگی کے معاملے میں بے صبری۔ اسے اس کے حال پر چھوڑا جاتا تو ایوالانچ کے بعد وہ بغیر کسی تیاری کے روانہ ہو جاتا۔ وہ دوسرے لڑکوں کے ساتھ تو بڑے صبر اور سکون سے پیش آتا لیکن حالات سے سمجھوتہ کرنے میں اسے خاصی دِقت پیش آ رہی تھی۔ دوسرے اسے نہ روکتے تو وہ کبھی کا روانہ ہو چکا ہوتا اور ظاہر ہے پہاڑوں میں کھپ گیا ہوتا۔

دوسری کمزوری رائے ہارنے کا مسلسل رونا اور روتے ہی چلے جانا تھی۔ اسے اس بات سے سخت جھنجھلاہٹ ہوتی تھی کہ ایک شخص جو جسمانی طور پر ٹھیک ٹھاک تھا، خواہ مخواہ ٹسوے بہاتا رہے۔ دوسرے بھی کبھی کبھار آبدیدہ ہو جاتے تھے لیکن پیرپڈو ان سے ہمدردی سے پیش آتا، انہیں تسلیاں دیتا۔ وہ سادہ دل، گرم جوش طبیعت کا مالک، روشن خیال اور مزاج کا نرم تھا۔ اس نے شاید ہی کبھی کسی کو گالی دی ہو۔ سونے کے معاملے میں بھی لوگ اس کے پاس لیٹنے کو ترجیح دیتے تھے۔

پیرپڈو کے بعد سب سے زیادہ احترام نیو ماٹرکائی کا تھا۔ وہ چھوٹے قد اور گٹھے ہوئے جسم کا مالک تھا اور شروع ہی سے دوسروں کی بہتری کا خیال رکھتا تھا۔ ایوالانچ سے پہلے وہ جس مہم پر گیا تھا، اس نے اسے کافی کمزور کر دیا تھا اور الگورٹا نے جہاز کے ٹوٹے ہوئے ونگ کی طرف جاتے ہوئے محسوس کیا تھا کہ اس میں پہلا سا دم خم باقی نہیں۔ کچے گوشت سے کراہت ابھی تک باقی تھی۔ مونٹی ویڈو سے روانگی سے قبل وہ بہت کم لڑکوں کو جانتا تھا لیکن اپنی سادہ دلی، بے غرضی اور ایثار کی وجہ سے وہ بہت جلد سب میں مقبول ہو گیا۔ سب کی یہ رائے تھی کہ وہ اور پیرپڈو جس مہم پر بھی جائیں گے وہ ضرور کامیاب ہو گی۔

باقی دو بچوں افراد کا یہ حال نہ تھا۔ کینسا کے بارے میں یہ بات طے تھی کہ اس کا دماغ بڑا زرخیز تھا اور اسے نت نئی تدبیریں سوجھتی رہتی ہیں۔ جہاز کی نشستوں کے استر سے کمبل اور نائلون کی رسیوں سے جھولا بنانے کی ترکیب اسے ہی سوجھی تھی جس کی وجہ سے جہاز کے ڈھانچے میں زندگی قدرے آرام دہ ہو گئی تھی۔ پروٹین اور وٹامن کے بارے میں بھی اس کا علم وسیع تھا۔ مُردہ جسموں کا گوشت کھانے کا بھی وہ بڑا زبردست حامی رہا تھا۔ بلیٹرو کے آپریشن کے بعد سرجری میں بھی وہ ماہر مانا جاتا رہا تھا۔ جب سے اس نے انسیارٹی کی ٹانگ کے ایک آبلے کو پھوڑا تھا اس کی مہارت پر شک و شبے کا اظہار کیا جانے لگا تھا کیونکہ جب سے اس کی ٹانگ مسلسل بگڑ رہی تھی۔

اس کی شخصیت کچھ اس طرح کی تھی کہ لوگوں کا اس کے ساتھ گزارہ مشکل تھا۔ وہ مسلسل اضطراب کا شکار رہتا اور اس کے ذہن میں ایک کھچاؤ سا رہتا۔ ذرا ذرا سی بات پر مرنے مارنے پر تُل جاتا اور پوری قوت سے چیخنے چلانے لگتا۔ وہ بہادر تھا، بے غرض تھا لیکن اکثر بے صبری کا مظاہرہ کرتا۔ باقی لڑکوں نے اس کا نام ہی مسّل رکھ دیا تھا اور یہ نام اسے محض جسمانی قوت کے بل پر نہیں بلکہ اس کی حاضر دماغی کی وجہ سے دیا گیا تھا۔ وہ کھیل کے میدان میں ہوتا تھا تو مرضی سے کھیلتا تھا اور اب جہاز کے اندر دوسرے لڑکوں کے اوپر پھلانگتا پھرتا۔ جو چاہتا کرتا اور کوئی اسے روکنے والا نہ تھا۔ صرف ہیریڈ و کو اس پر کچھ رسوخ حاصل تھا۔ سٹراچ برادران اسے قابو کر سکتے تھے لیکن مہم پر جانے والوں میں ہونے کی وجہ سے وہ بھی اسے کچھ نہ کہتے تھے۔

ونزلطین کینسا کی طرح دھکے شاہی نہیں کرتا تھا بلکہ اپنی ذات کے خول میں بند رہتا تھا۔ اس کی دماغی صلاحیتیں بھی کینسا کی طرح نہیں تھیں۔ اس میں عزم تھا، حوصلہ تھا اور اس کا مظاہرہ وہ آزمائشی مہم کے دوران کر بھی چکا تھا لیکن جہاز میں واپسی کے بعد سے اس کی حرکتیں بچگانہ اور احمقانہ ہو گئی تھیں۔ وہ ہر ایک سے جھگڑتا خاص طور پر انسیارٹی اور الگورٹا سے۔ واحد کام جو وہ کرتا۔ برف پگھلانا تھا وہ بھی صرف اپنے لیے۔ اس کے علاوہ چھوٹے موٹے کام کرتا تھا مگر مہم پر جانے کے لیے۔ اس نے نشستوں کے استر کھاڑ کھاڑ کر جانے والے افراد کے لیے دستانے نما کور تیار کیے تھے، اسی طرح دھوپ کی عینکیں بھی بنائی تھیں۔ رات کے وقت وہ ماں کو یاد کر کر کے رویا کرتا۔

کینسا کو ونزلطین پر کنٹرول حاصل تھا جب کہ فینخو اس کی قربت میں خوش رہتا۔ تینوں انیسویں سال میں تھے اور غالباً سب لڑکوں سے زیادہ حساس۔ اس باہمی قربت نے انہیں ایک چھوٹے سے گروپ میں بدل دیا تھا۔ فینخو کو تنہائی کا احساس بڑی شدت سے ہوتا تھا۔ ٹرکاٹی کی طرح وہ بھی ٹانگی

سے پہلے کسی کو نہ جانتا تھا اور اب جھنجھلاہٹ میں کہہ جاتا
"میری طرف سے تم جہنم میں جاؤ۔"
حادثے کے فوراً بعد اس کا رویہ خود غرضی پر مبنی تھا لیکن آہستہ آہستہ وہ تبدیل ہوا اور پورے گروپ کے لیے کام کرنے لگا۔ اپنی ٹوٹی ہوئی ٹانگ کے باوجود وہ کام کرتا تھا اور یہ کینیسا اور ایڈورڈ سٹراج کے دل جیتنے کے لیے کافی تھا وہ جھگڑے کے وقت ہمیشہ اس کی حمایت کیا کرتے۔

بوبی فرینکوئیس عجیب شے تھا۔ ایسا لگتا تھا جیسے اس میں زندہ رہنے کی کوئی جبلت سرے سے موجود ہی نہیں ہے۔ حادثے کے بعد وہ برف پر جا بیٹھا تھا اور بڑے اطمینان سے سگریٹ سلگا کر بولا تھا:

"بُرے پھنسے۔" اس کے بعد سے وہ کوئی کام کاج نہ کرتا تھا۔ اسے خود اپنا خیال نہ تھا۔ کسی کے لیے کیا کرتا ــــ روانگی سے پہلے بھی وہ سست مزاج لڑکوں میں شمار ہوتا تھا۔ لڑکے اسے "موٹو موٹو" کہہ کر چھیڑا کرتے تھے۔ اس جگہ پر بیکار رہنا جرم تھا لیکن اس کی حالت یہ تھی کہ رات کو اس پر سے کمبل اتر جاتا تو اس سے یہ نہیں ہوتا تھا کہ اٹھ کر کمبل کھینچ کر خود پر ڈال لے۔ یہ کام بھی کسی اور ہی کو کرنا پڑتا ــــ جب بہت ہی مجبور کرتے تو وہ زیادہ سے زیادہ پانی پگھلانے میں ہاتھ بٹا دیا کرتا۔ ایک بار تو اس کے پاؤں بالکل ہی سُن ہو گئے تھے اور ان میں خون کی گردش بحال کرنے کے لیے دانیال فرینینڈیز کو اس کے پیروں کی مالش کرنا پڑی تھی۔

ایک وقت ایسا بھی آیا جب سٹراج برادران کو اس پر سخت غصہ آیا اور انہوں نے اسے صاف صاف بتا دیا کہ اگر وہ کام نہیں کرے گا تو اسے کھانے کو بھی کچھ نہیں ملے گا اس پر بوبی نے اپنی بڑی بڑی اداس آنکھوں سے ان کی طرف دیکھا، شانے اچکائے اور بولا "بالکل ٹھیک بات ہے۔" لیکن اس صبح بھی اس نے حسبِ معمول دھیلے کا کام نہ کیا۔ جب دوپہر کو کھانے کی تقسیم کا وقت آیا تو وہ اپنی جگہ پر بیٹھا رہا اور کھانا لینے کے لیے قطار میں کھڑا نہ ہوا۔ یوں لگتا تھا اسے اس بات کی قطعاً کوئی پروا نہیں کہ وہ زندہ رہتا ہے یا مرتا ہے۔ بلکہ اس بات پر زیادہ مطمئن دکھائی دیتا تھا کہ اس کے مرنے کے بارے میں فیصلہ بھی دوسروں نے کر دیا تھا لیکن ظاہر ہے دوسروں کو یہ گوارا تو نہ تھا انہوں نے اس سے کام لینے کے لیے جو دھمکی استعمال کی تھی وہ بیکار گئی، اسے کھانا تو بالآخر مل ہی گیا۔

بڑی عمر کے لڑکوں میں ایڈورڈ سٹراج پیریڈو کی طرح تھا۔ کم عمر اور کمزور مینجنو، فرینکوئیس

اور مونجو سبیلا کے لیے رحم دل اور شفیق ۔ مونجو سبیلا گرچہ زخمی نہیں تھا لیکن دوسروں کی نسبت زیادہ کمزور تھا ۔ اس کی طبیعت میں گھبراہٹ نمایاں تھی ۔ حادثے کے وقت اس نے کافی کام کیا تھا ۔ نکولک کا خیال تھا کہ اس کی جان اسی نے بچائی تھی اور وہ خود کو سخت جانی میں دوسروں کے برابر ہی سمجھتا تھا لیکن اس میں قوت کی کمی تھی چنانچہ وہ اس گروپ میں شامل ہو گیا جو دھوپ میں بیٹھے گپ لڑاتے، سگریٹ پھونکتے یا برف پگھلایا کرتے

جیوبر متھول بھی اسی گروپ میں شامل تھا ، بلندی کی وجہ سے اس کا سر چکرایا کرتا ۔ بولتا بہت تھا لیکن اس کی باتوں میں کوئی ربط نہیں تھا ۔ وہ جملے ادھورے چھوڑ کر کسی اور موضوع پر بات شروع کر دیتا لڑکے اس سے دس دس سال کم عمر ہونے کے باوجود اس کا مذاق اڑاتے اور اس پر ہنستے وہ اس ہنسی مذاق کا بُرا منانے کی بجائے اس میں شامل ہو جاتا اور ایسی ایسی حرکتیں کرتا کہ لڑکے کافی دیر تک ہنستے رہتے اور یہی اس کا مقصد ہوا کرتا ۔ لڑکے اسے "ڈمبو" کہہ کر پکارتے اس نے خود انہیں بتایا تھا کہ بچپن میں اسے اسی نام سے پکارا جاتا تھا ۔ کوئی اس سے پوچھتا کہ "کریم بنز کسے کہتے ہیں ۔" اور یہ جانتے ہوئے بھی کہ اس کا ریکارڈ لگایا جا رہا ہے ، وہ کریم بنز کی تفصیلات بیان کرنے لگتا ۔ جب اس کی تفصیلات ختم ہونے والی ہوتیں تو کوئی اور لڑکا اٹھتا اور پوچھتا " ڈمبو تم کیا بتا رہے ہو ؟" " میں کریم بنز کے بارے میں بتا رہا ہوں " " اچھا وہ کیا ہوتا ہے ؟"
اور وہ پھر سے کریم بنز کی تشریح شروع کر دیتا ——— "یہ ایک گول گول سی کھانے کی چیز ہوتی ہے ۔ اس کے اندر کریم ہوتی ہے ۔ بیکری سے ملتا ہے یہ ......"

اس کی ذمہ داری چاقو تیز کرنا تھا اور وہ چاقو یا تو ایک دوسرے پر رگڑ کر تیز کیا کرتا یا پتھروں پر رگڑ کر ۔ اس نے پائلٹوں کے کیبن سے پلاسٹک لے کر دو دھوپ کی عینکیں بھی بنائی تھیں ایک کینیسا کے لیے اور دوسری اپنے لیے ۔ اس نے جب صرف ایک آنکھ کی عینک بنائی تو باقی لڑکوں کو معلوم ہوا کہ وہ صرف ایک آنکھ سے دیکھ سکتا تھا ۔

جب لڑکے اداس ہوتے تو وہ انہیں ہنسانے اور دل بہلانے کی کوشش کرتا ۔ کوشے انسیارٹی بھی ان کی دل جوئی کرتا ۔ باقی لڑکوں سے سلوک میں وہ پیریڈو اور زرکاٹی کی طرح تھا ۔ وہ دونوں تو خیر مہم جُو افراد تھے اور ان کا معاملہ اور تھا لیکن کوشے انسیارٹی باقی لڑکوں میں سے ایک تھا اور ان کے مسائل بخوبی سمجھتا تھا ۔ ٹانگ خراب ہونے سے پہلے تک اس نے کچھ کام وغیرہ کیا تھا لیکن بعد میں وہ بیکار ہو کر رہ گیا ۔ اسی وجہ سے اسے راشن بھی کم ملتا تھا لیکن وہ اسے محسوس

اس لیے نہیں کرتا تھا کہ کچا گوشت اس سے ویسے بھی نہیں کھایا جاتا تھا۔ اس اذیت ناک صورت حال میں وہ مونتی ویڈو کی زندگی کے تصورات میں کھویا رہتا تھا، دوسرے اس کے کچھ نہ کرنے پر غضب ناک تو ہوتے رہتے تھے لیکن اتنا پسند بھی کرتے تھے کہ زیادہ ناراضگی کی نوبت نہیں آتی تھی وہ کھلے دل کا دیانتدار آدمی تھا، نرم خو، نرم جو اور حاضر جواب۔ سگریٹ کے کسی گرے پڑے ٹکڑے اور گوشت کے زائد حصے پر اس کی آنکھوں میں جو چمک اور ہونٹوں پر جو مسکراہٹ ابھرتی، لڑکے اس سے بڑے محظوظ ہوتے۔

دوسری طرف پانچو ڈیلگاڈو تھا جو انسیارٹی کی طرح عضو معطل تو نہیں تھا لیکن اس کی انسیارٹی جیسی شخصیت نہیں تھی نہ ہی انسیارٹی کی طرح وہ فیٹوسٹراچ کا دوست تھا۔ البتہ باتوں میں خاصا تیز تھا، دلچسپ باتوں سے دوسروں کا دل موہ لینے کی صلاحیت رکھتا تھا اور زندگی میں اس نے ان صلاحیتوں سے فائدہ اٹھایا تھا۔ مثلاً سار طوریز اسے اپنی لڑکی دینے کو تیار نہیں تھا لیکن وہ جب اس کے پاس جاتا تو پھولوں کے گل دستے اور تحفے ساتھ لے جاتا اور اپنی چکنی چپڑی باتوں سے بالآخر اس کا دل جیتنے میں کامیاب ہوگیا۔

ان پہاڑوں پر پھول تھے نہ تحفے، اور اس کا ذاتی حُسن یا فصاحت و بلاغت ایسی صلاحتیں نہ تھیں جو ان حالات میں کسی کے کام آسکتیں۔ بلکہ اب تو اس کا بولنا الٹا گراں گزرتا تھا۔ اس نے امداد آنے کے بارے میں اتنے بڑھ چڑھ کر بیانات دیئے تھے کہ لڑکوں کی توقعات بلند ہوگئی تھیں لیکن بعد میں یہی بیانات اس کے خلاف استعمال کیے جانے لگے۔ لڑکے کہتے کہ وہ عمر میں ان سے بڑا تھا اور اسے سوچ سمجھ کر بات کرنی چاہیے تھی۔ آخر میں جب اُس نے اپنی ٹانگ کی وجہ سے کام کرنا چھوڑ دیا تو کئی لڑکوں نے اس کا یقین ہی نہ کیا۔ اور یہ سمجھا کہ وہ بن رہا ہے۔

یہ بڑی خطرناک بات تھی۔ ایسی صورتِ حال میں لوگ قربانی کے کسی بکرے کی تلاش میں رہتے ہیں اور ڈیلگاڈو اس خطرے سے دوچار تھا، صرف نیو ماٹر کاتی اس کا دوست تھا لیکن وہ اتنا ساد تھا کہ اس صورت حال کو سمجھ ہی نہ سکتا تھا، مینجیو، مبلیلا، ہارلے اور فرینکوئیس کم عمر ہونے کی وجہ سے اور انسیارٹی اپنی خوش طبعی کی وجہ سے۔ باقی لڑکوں کی تنقید سے محفوظ تھے انسیارٹی میں یہ بات بھی تھی کہ وہ بڑ بھڑ تھا، وہی ظاہر کرتا تھا جب کہ ڈیلگاڈو کی طبیعت قانون دان کی سی تھی اور اس کی چرب زبانی دوسروں پر گراں گزرتی تھی۔

آزمائشی مہم کے بعد رائے ہارلے اور کارلیتوس پیئنز بالکل ہی بدل گئے۔ رائے کی کارکردگی

کارلیتوس کی نسبت بہتر رہی تھی لیکن آزمائشی مہم میں ناکامی کا اس کے ذہن پر گہرا اثر ہوا تھا۔ وہ سوچتا تھا کہ اس نے اپنے ساتھیوں کو مایوس کیا ہے۔ اس کی اگر ٹانگ بھی ٹوٹ جاتی تو شاید اسے اتنا دکھ نہ ہوتا جتنا اس مہم میں ناکامی پر ہوا تھا وہ کمزور ہوتا چلا گیا۔ کوئی اس سے تیز آواز میں بات بھی کرتا تو وہ آنکھوں میں آنسو بھر لاتا اور ایک بچے کی طرح پھوٹ پھوٹ کر رونے لگتا۔ اس میں سستی اور خود غرضی عود کر آئی تھی اور اسے کام کرنے پر اکسانے کے لیے دوسرے اسے بُرا بھلا کہتے، ڈانٹتے، گالیاں نکالتے۔

کارلیٹوس پر البتہ بالکل برعکس اثرات مرتب ہوئے۔ پہلے وہ بزدل اور شرمیلا تھا لیکن اب سخت محنتی اور ذمہ دار شخص بن گیا۔ وہ نہ صرف گوشت کاٹنے میں مدد کرتا بلکہ رات کو دروازے پر دیوار کھڑی کرنے میں بھی پیش پیش رہتا۔ کچھ خامیاں بھی تھیں۔ اس کا رویہ آمرانہ اور جھگڑالو تھا۔ لیکن اس کی وجہ سے تمام لڑکوں کا حوصلہ بلند رہتا تھا وہ سب سے کم عمر تھا لیکن اس کا رویہ بالغوں کا سا تھا۔ وہ غیر ذمہ داری کا مظاہرہ کرتے ہوئے لائٹر اور چاقو برف میں گم کر دیتا لیکن پہاڑوں کی اس دکھ بھری تنہائی میں اس کا وجود غنیمت تھا جس کا نام ہونٹوں پر آتے ہی لڑکے مسکرانے لگتے۔ لڑکے صرف اس کے لطیفوں پر ہی نہیں مسکراتے تھے بلکہ اس کا وجود ہی ایسا تھا جسے دیکھ کر ہنسی آتی تھی اور یہ بڑی بات تھی۔

کارلیٹوس پیئز صف دوئم کے رہنماؤں میں شامل تھا۔ انگورٹا اور زربینو کے ساتھ مل کر سٹراچ برادران کے بعد یہی گروپ تھا جسے اثر و رسوخ حاصل تھا۔ ان کی حیثیت فوج کے نان کمیشنڈ افسروں کی سی تھی جو بالا افسروں سے احکامات حاصل کر کے اپنے ماتحتوں تک پہنچاتے ہیں گستاف زربینو کا تو رویہ ہی یہ تھا وہ سٹراچ برادران کی چاپلوسی کرتے نہ تھکتا لیکن اپنوں سے چھوٹوں کو مستقل ڈانٹ ڈپٹ کرتا رہتا۔

کینیسا کی طرح اسے بھی بہت جلد غصہ آجاتا تھا۔ رات کو سوتے وقت اگر کوئی اس کی من پسند جگہ دانیال فرینینڈیز کے پاس لیٹ جاتا تو وہ مرنے مارنے پر تل جاتا۔ فرینینڈیز سے اس کی وابستگی مثالی تھی۔ وہ اگر اس سے کوئی پاجامہ مانگتا تو بخوشی دے دیتا لیکن اگر وزنطین جو مہم کے لیے منتخب کیا جا چکا تھا اس سے کچھ مانگتا تو وہ چلانے لگتا۔

"تم جہنم میں جاؤ ـــــ گیدی بھیڑیئے جاؤ اپنا کام کرو۔"

فرینینڈیز کے ساتھ مل کر اس نے مرنے والوں کی نقدی اور ضروری کاغذات سنبھالنے کی

ذمہ داری لے رکھی تھی وہ سوتے میں بھی، جاگتا رہتا تھا اور بتا سکتا تھا کہ رات کو کون کون اٹھ کر چلتا پھرتا رہا ہے۔ اس صلاحیت کی وجہ سے اس کا نام جاسوس رکھ دیا گیا تھا۔ تاہم اس کا رویہ قنوطی تھا۔ اسے اگر کہا جاتا کہ باہر جھانک کر ذرا موسم کا پتہ کرو تو وہ دروازے ہی سے واپس آجاتا اور کہتا:

"باہر تو بلا کی سردی ہے۔ برف کا طوفان آنے ہی کو ہے۔"

تب فیٹو کارلیٹوس کو باہر جھانکنے کو کہتا جو روشن خیال اور پرامید رہتا تھا۔ وہ آکر رپورٹ دیتا تھوڑی تھوڑی برف پڑ رہی ہے لیکن جلد ہی تھم جائے گی! ور میرا خیال ہے ایک آدھ گھنٹے میں موسم بالکل صاف ہو جائے گا۔

پیڈرو الگور ٹاشر میلا سالڑ کا تھا۔ حادثے کے بعد سے اب تک اس کا حافظہ ٹھیک نہیں ہوا تھا اسے کچھ یاد نہ تھا کہ وہ کہاں سے آئے تھے، کہاں جا رہے تھے۔ ایک دن انسیارٹی نے مذاق میں اس سے کہا کہ ارجنٹینا کی ٹیم نے فٹ بال چیمپئن شپ جیت لی ہے۔ یہ سنتے ہی وہ خوشی سے رقص کرنے لگا اور برف پر اچھلنے کودنے لگا۔ اسے یہ بھی یاد نہ تھا کہ وہ چلی محض معاشیات کی سستی کتابیں خریدنے نہیں جا رہا تھا بلکہ اس کی بڑی دلچسپی اس لڑکی سے ملاقات تھی جس نے سانٹیاگو میں کچھ وقت اس کے ساتھ گزارا تھا۔ اس کا خیال تھا کہ وہ اس لڑکی سے محبت کرتا تھا لیکن ڈیڑھ سال میں وہ مل نہ سکے اور ان کے درمیان محض خط و کتابت ہوتی رہی۔ اس وقت اس کا خیال تھا کہ لڑکی کے خطوں میں وہ گرم جوشی نہ تھی جو وہ اپنے جذبات میں محسوس کرتا تھا چنانچہ اس نے چلی جا کر اس سے صاف صاف بات کرنے کا فیصلہ کیا تھا لیکن اب اسے کچھ یاد نہ تھا تاہم اسے اتنا احساس ضرور تھا کہ زندہ رہنے کے لیے کام کرنا ضروری ہے چنانچہ وہ کسی نہ کسی کام میں لگا ہی رہتا تھا۔

ایڈورڈ، فیٹو اور دانیال فرینینڈیز دوسروں سے زیادہ مختلف نہ تھے لیکن باقی لڑکوں پر ان کی "حکومت" اس لیے قائم تھی کہ وہ ایک دوسرے کے لیے تقویت کا باعث تھے مثلاً زندہ رہنے والوں میں تسھول کے بعد دانیال فرینینڈیز عمر میں سب سے بڑا تھا اور اس لحاظ سے اس پر جو ذمہ داری عائد ہوتی تھی، اس سے بخوبی آشنا تھا۔ اس کی عمر چھبیس سال تھی لیکن اس کا رویہ کہیں زیادہ ذمہ دارانہ تھا۔ وہ کیبن کو صاف رکھنے میں سخت محنت کرتا، لائٹروں اور چاقوؤں کی تقسیم میں احتیاط کرتا تاکہ کوئی گم نہ ہونے پائے۔ مرنے والوں کی نشانیاں سنبھال کر رکھتا کہ

بعد میں ان کے عزیزوں کو دی جاسکیں۔ جب بوبی فرینکوئیس کے پاؤں سردی سے سُن ہو گئے تھے تو اس نے ان کی مالش کی تھی جس کے بدلے بوبی نے وعدہ کیا تھا کہ مونٹی ویڈیو جا کر وہ تمام عمر اس کا غلام بن کر رہے گا۔ گرچہ فطری طور پر وہ کم گو تھا لیکن کبھی کبھار کہانیاں سنایا کرتا۔ اس میں ایک ہی کمزوری تھی کہ اس کی جسمانی قوت اس کے ارادوں کا ساتھ نہ دیتی تھی۔

ایڈورڈو سٹراچ کو اس کے جثے اور ڈیل ڈول کی وجہ سے "جرمن" کا لقب ملا تھا لیکن رویے میں وہ باقی بھائیوں کی نسبت زیادہ شستہ اور نرم خو تھا۔ غالباً اس کی وجہ یہ تھی کہ وہ یورپ کے سفر کر چکا تھا اور وہاں کے ادب آداب سے آشنا تھا، عام طور پر وہ پُرسکون ہی رہتا۔ تاہم کبھی کبھار غصے میں بھی آ جاتا۔

فیلٹو سٹراچ، ایڈورڈ کی نسبت ذرا گرم مزاج تھا لیکن باقی لڑکوں کے حوصلے بلند رکھنے میں اس کا بڑا ہاتھ تھا۔ جب لڑکے مایوسی کی اتھاہ گہرائیوں میں ڈوب جاتے تو وہ اُمید کی شعاع بن کر جھلملاتا۔ اس کے فیصلے محکم ہوتے اور کام مفید۔ دھوپ کی عینک کی ایجاد کا سہرا بھی اسی کے سر تھا۔ پائلٹوں کے کیبن سے کھڑکیوں کے رنگین پلاسٹک کے ٹکڑے اتار کر اس نے انہیں موم جامے میں رکھ کر سی لیا تھا۔

○

فیٹو بھی خامیوں سے پاک نہیں تھا۔ وہ بھی مینیجو سے چڑتا تھا۔ سوتے وقت ایڈورڈ سے گھبراتا تھا۔ ایک بار الگورٹا اسے پھلانگتے ہوئے اس پر پاؤں رکھ بیٹھا۔ وہ اس کی ٹانگوں سے چمٹ گیا اور چیخا "تم مجھے جان سے مار دو گے۔ تم مجھے جان سے مار دو گے۔" اس کی چیخ و پکار سُن کر الگورٹا نے آنکھیں کھولیں اور بولا، "اوہ۔ فیٹو! یہ تم ہو؟" اور اس کے بعد اپنی جگہ جا کر سو گیا۔

○

ان کے درمیان جو نظام عمل طے پا گیا تھا، ٹھیک ٹھیک چل رہا تھا۔ جیسے امریکہ کے دستور میں توازن ہے اسی طرح اس نظام میں بھی توازن تھا۔ سٹراچ برادران مہم جو افراد پر نظر رکھتے تھے، اسی طرح مہم جو افراد انہیں ان کی حدود سے آگے نہ بڑھنے دیتے تھے۔ دونوں گروپ ایک دوسرے کا احترام کرتے تھے اور باقی انیس افراد کی رضا کے مطابق کام کرتے تھے۔

صرف دو افراد ایسے تھے جو اپنے زخموں کی وجہ سے کسی بھی گروپ کا ساتھ نہ دے سکتے تھے یہ تھے ریفائیل الیشیوران اور آرطورو نوگیرا۔ وہ دونوں اس جھولے پر سوتے تھے جو کیفنیا نے بنایا تھا اور شاذونادر ہی جہاز سے باہر آتے تھے۔ باہر آنے کے لیے انہیں خاصی قوت صرف کرنا پڑتی تھی اور ان میں اتنی جان باقی نہ تھی کہ اس صعوبت کو برداشت کر سکیں ـــــ دونوں کے مزاج مختلف تھے، زندگی کا پس منظر مختلف تھا۔ لوگویرا کی عمر اکیس سال تھی اور وہ معاشیات کا طالب علم تھا۔ الیشیورن بائیس سال کا تھا اور ایک ڈیری فارم پر کام کرتا تھا۔ وہ حوصلہ مند شخص تھا۔ اس کی ٹانگ سخت خطرے میں تھی اس کی پنڈلی کا جو گوشت پھٹ گیا تھا اسے زخم میں ڈال تو دیا گیا تھا لیکن اس میں زہر سرایت کر چلا تھا۔ اس وجہ سے پہلے اس کی ایڑی نیلی ہوئی اور آہستہ آہستہ بالکل کالی پڑ گئی۔ رات کو تو کچھ نہ ہو سکتا تھا، دن کے وقت وہ دوسروں کو مالش کے لیے کہتا تاکہ خون کی گردش بحال ہو سکے۔ وہ دنیال سے کہتا، "ذرا میری ٹانگ کی مالش کر دو۔ میری ٹانگیں تو اتنی سُن ہو گئی ہیں کہ ان کی موجودگی کا احساس ہی نہیں ہوتا۔

فرینڈبز مالش کر چکتا تو وہ کہتا "فرینڈبز! میرا وعدہ ہے اگر ہم یہاں سے واپسی میں کامیاب ہو گئے تو مَیں تمہیں اتنا پنیر دوں گا کہ زندگی بھر کے لیے کافی ہو۔"

وہ بچ نکلنے کا مصمم ارادہ رکھتا تھا۔ ہر صبح وہ بآواز بلند خود سے کہتا، "مَیں الیشیورن ہوں اور قسم کھاتا ہوں کہ واپس جاؤں گا۔" کوئی اسے تجویز پیش کرتا کہ وہ اپنی منگیتر یا والدین کو خط لکھ لے تو کہتا، "نہیں نہیں! مَیں سارے چشم دید واقعات انہیں خود زبانی سناؤں گا۔" اس کے اس عزم صمیم سے دوسروں کو بڑی تقویت حاصل ہوتی۔ ویسے بھی اپنی دیانتداری اور وسیع القلبی کی وجہ سے وہ ہر دلعزیز تھا۔ رات کو کوئی اس کی ٹانگ پر ٹانگ رکھ دیتا تو وہ چلاتا، گالیاں نکالتا لیکن ایک دومنٹ بعد معافی مانگ لیتا۔ وہ انہیں ہنساتا بھی تھا۔ کبھی اس صورت کا مذاق اڑاتے ہوئے وہ خود پر ہنستا اور ٹابیوں کا کوئی خالی ڈبہ اٹھا کر چبانے کی کوشش کرتا۔ کبھی وہ بڑی تفصیل سے انہیں بتاتا کہ اپنے ڈیری فارم پر پنیر کیسے بناتا تھا۔

اس کی حالت روز بروز خراب ہوتی جا رہی تھی۔ اس کی ٹانگ میں پیپ پڑ گئی تھی اور زہر ایڑی سے پورے پاؤں میں پھیل گیا تھا۔ پوری جلد سیاہ ہو گئی تھی۔ ایک دن وہ صبح اٹھا تو بڑے اعتماد بھرے لہجے میں مسکراتے ہوئے اس نے سب کی توجہ اپنی طرف مبذول

کرائی اور بتایا کہ وہ مرنے لگا ہے۔ سب نے اس کی حرکت پر احتجاج کیا لیکن وہ بڑے اعتماد سے اپنی بات دہراتا رہا۔ اس کا کہنا تھا کہ اس کی خواہشات اس کے گھر والوں تک پہنچا دی جائیں۔ وہ چاہتا تھا کہ اس کی موٹر سائیکل اس کے خادم کو دے دی جائے اور جیپ اس کی منگیتر کو۔ اسے سختی سے روکا گیا لیکن دوسرے دن تک اس پر یہی کیفیت طاری رہی۔ تاہم اگلی صبح اس کی خوش مزاجی لوٹ آئی اور وہ پھر ہنسنے گانے لگا۔

آرطورو لوگو یرا کی جسمانی حالت قدرے بہتر تھی لیکن ذہنی طور پر اس کی حالت سب سے زیادہ مایوس کن تھی۔ حادثے سے پہلے بھی خود پسند، خاموش طبیعت کا آدمی تھا اور خاندان میں قنوطی مشہور تھا۔ واحد شخصیت جس کے سامنے وہ ذرا کھلتا تھا اس کی منگیتر تھی جو بیچاری خود دکھوں کی ماری ہوئی تھی۔ اس کے دو بھائی دریا میں ڈوب کر مر گئے تھے اور آرطورو کو دیکھ کر اسے سکون ملتا تھا چنانچہ وہ اس سے کھل کر محبت کرتی تھی۔

شروع شروع میں اس نے سب کے ساتھ مل کر کام کیا اور نقشوں وغیرہ کی مدد سے اپنی پوزیشن نکالنے کی سرتوڑ کوشش کی لیکن وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ اس پر یاس کے سائے گہرے ہوتے گئے اور وہ ہاتھ پاؤں توڑ کر بیٹھ رہا۔ بچپن سے اس کے ذہن میں یہ بات سمائی ہوئی تھی کہ وہ اکیس سال کی عمر میں مر جائے گا۔ چنانچہ اس نے پیر بڈو کو بتایا کہ وہ عنقریب مر جائے گا۔ اس سے بھی زیادہ کربناک صورتِ حال یہ تھی کہ وہ تنہا تھا اور اس کا رویہ اتنا درشت تھا کہ کوئی بھی اس کا دکھ بانٹنے کو تیار نہ تھا۔ پیڈرو الگورٹا اس کا واحد دوست تھا لیکن وہ بے چارہ خود تنہائی کے کرب میں مبتلا تھا اس کا ساتھ کیا دیتا۔

اس کے ذہن میں سیاست اتنی رچ بس گئی تھی کہ چھوٹے چھوٹے معاملات کو بھی وہ سیاسی نقطۂ نظر سے دیکھتا۔ رات کو اس کی الشیویرن سے کمبلوں پر یا پیر رکھنے کی جگہ پر لڑائی ہوتی ——— لیکن اصل بات یہی تھی کہ سیاسی اختلاف کی وجہ سے الشیویرن سے لڑنے کے بہانے ڈھونڈتا رہتا تھا۔ ایک بار پینز دوسروں کا دل بہلانے کو اپنے والد کے کارنامے سنا رہا تھا کہ وہ کیسے افریقہ کے طویل سفر پر گیا اور کیسے گنتھر ساس اور ربزجی بار دوت ان کے گھر آ کر ٹھہری تھیں۔ ان باتوں کے دوران کینیسا نے اسے مخاطب کرتے ہوئے پوچھا "آرطورو" اشن رہے ہو؟ تمہارا کیا خیال ہے۔"

وہ تنک کر بولا، "مجھے ان باتوں سے کوئی دلچسپی نہیں۔ میں سوشلسٹ ہوں۔"

"تم سوشلسٹ نہیں، احمق ہو۔" کینیسا نے پلٹ کر جواب دیا۔
"تم رجعت پسند اور سامراجی ہو۔" آرطورو غرایا۔
انسیارٹی بولا "چلو تم سوشلسٹ ہو گے لیکن سب سے پہلے تم انسان ہو اور یہاں انسانیت کی ضرورت ہے، سوشلزم کی نہیں۔"
انگورٹا نے نوگویرا کو سمجھایا، "کس فضول بحث میں پڑ گئے ہو؟ چپ کرو۔"
نوگویرا خاموش ہو گیا۔ بعد میں وہ اپنے کیے پر شرمندہ ہوا اور اس نے سب سے معافی مانگی۔

دن کے وقت سورج نکلا بھی ہوتا تو وہ جہاز کے اندر ہی پڑا رہتا۔ پانی کے لیے وہ چھت سے ٹپکنے والے قطرات کو جمع کرتا یا انگورٹا، کینیسا، زربینو میں سے کوئی اسے باہر سے لا دیتا۔ وہ اسے باہر جانے کو کہتے، اس کے گھر والوں کے بارے میں اس سے بات کرتے لیکن اس سب کچھ کا کوئی فائدہ نہ تھا۔

جہاز میں سیلن اور ٹھنڈک کے علاوہ کچھ نہ تھا۔ اس میں ٹھہرنے والا شخص مرطوب ہوا میں سانس لیتا تھا۔ نوگویرا کمزور ہوتا گیا اور ہفتے بعد پتہ چلا کہ وہ اپنے حصے کا گوشت کھا نہیں رہا۔
اس کے بعد انگورٹا نے یہ ذمہ داری اپنے سر لی کہ وہ اپنے سامنے بٹھا کر اسے گوشت کھلایا کرتا۔
پیریڈو اور فیٹو سٹراچ نے بالآخر سوچا کہ اگر نوگویرا کو اس کے حال پر چھوڑا گیا تو وہ یقیناً مر جائے گا۔
ایک دن وہ دونوں اس کے پاس گئے۔ پیریڈو بڑی نرمی سے بولا۔
"کیا تم یہیں ٹھہرنا چاہتے ہو؟"
یہیں ٹھہرنے سے مراد یہ تھی کہ وہ یہیں مر جائے گا۔ نوگویرا بولا، "میں جانتا ہوں کہ میں یہیں رہوں گا۔"

پیریڈو نے اس کا حوصلہ بڑھایا، "نہیں۔ تم یہاں نہیں ٹھہرو گے۔ میں تمہیں یہاں سے نکال لے جاؤں گا اور آئندہ سالگرہ تم اپنی منگیتر کے ساتھ مناؤ گے۔"
ایک رات جب وہ سونے کی تیاریاں کر رہے تھے تو گویرا نے دعائیہ نظم خود پڑھانے کی خواہش ظاہر کی۔ کسی نے اعتراض نہ کیا چنانچہ پیز نے تسبیح اس کے حوالے کر دی۔
تب نوگویرا نے جھولے میں لیٹے لیٹے بڑی دلسوزی اور دلگیر آواز میں دعا پڑھوائی۔ اس کی آواز میں اتنی رقت اور اتنا سوز تھا کہ کئی لڑکے آبدیدہ ہو گئے۔ سب نے دلوں میں اس کے

بے احترام محسوس کیا، اس سے پہلے دعائیہ نظم کی حیثیت محض اتنی تھی کہ سونے کا ماحول پیدا ہو اور نیند لانے کی کوشش کی جائے لیکن اس دن نظم سب کے دل میں اتر گئی۔ وہ اپنے لیے مرنے والوں، زندہ رہ جانے والوں اور ملک کے لیے دعاؤں میں مصروف تھا اور سب ہمہ تن گوش اسے سُن رہے تھے۔ دعائیں کرتے کرتے اس کی ہچکیاں بندھ گئیں۔ پیڈرو نے جوسے کی طرف دیکھا اور اس سے رونے کی وجہ پُوچھی۔ وہ بولا "خدا سے قربت نے مجھے رُلا دیا ہے۔"
سفر پر روانگی سے پہلے اس نے اپنے کپڑوں کی ایک فہرست بنائی تھی۔ اس شام اس نے اس فہرست پر یعنی سے منگیتر کے نام ایک خط لکھا۔

"اس صورتِ حال میں کوئی بھی منطق اس لامتناہی اور مطلق قوت کا اندازہ نہیں کر سکتی جو خدا کو اپنے بندوں پر حاصل ہے۔ مَیں نے کبھی ایسے دکھ نہیں اٹھائے۔ جسمانی دکھ، ذہنی کرب۔ اس اذیت نے میرا خدا پر ایمان بحال کر دیا ہے۔ سب کچھ انسان کے بس میں ہو تو وہ صرف راحتوں کا متلاشی رہے —— میرا جسمانی دکھ یہ ہے کہ ایک ٹانگ ٹوٹی ہوئی ہے ایڑی سوجی ہوئی ہے۔ ذہنی کرب تم سے دُوری ہے —— اس پر ملنے کی بے تاب تمنائیں۔ مچلتی ہوئی یہ خواہش کہ مَیں تمہیں ویسے ہی سینے سے لگا کر بھینچ لوں جیسے میرے ماں باپ مجھے لاڈ سے گود میں لے کر کیا کرتے تھے —— میرا والدین سے رویہ بھی ٹھیک نہیں رہا۔ مَیں اپنے کیے پر پشیمان ہوں اور ان سے معافی کا خواستگار —— آہ —— موت ...... زندگی مشکل ہے ..... لیکن گزر رہی ہے ...... دکھ ..... حوصلے۔"

خط لکھنے کے ایک دن بعد آرطورو کو بخار نے آلیا۔ پیڈرو وانگو رٹا جوسے میں چڑھ کر اس کے ساتھ سویا تاکہ جسم کی حرارت سے اسے گرم رکھ سکے۔ وہ اس سے باتیں کر کر کے اس کا دل بہلاتا رہا لیکن پہلے تو اس کی گفتگو کے سلسلے ٹوٹنے پھر وہ بہکنے لگا۔

"دیکھو —— وہ دودھ کی گاڑی آئی —— کسان دودھ لیے کھڑا ہے۔ جاؤ گیٹ کھول دو —— جاؤ نا —— دروازہ کھول دو۔"

وہ کبھی دودھ کی گاڑیوں کی بات کرتا، کبھی آئس کریم کی۔ کبھی اپنی منگیتر کی کبھی اپنے گھر والوں کے ساتھ گزارے خوشگوار لمحوں کی۔ وہ تیز بخار میں بھٹک رہا تھا۔ اچانک اٹھا اور جوسے سے اتر کر دوسروں کے جسموں پر پیر رکھتا باہر کی طرف بھاگا۔ پیڈرو نے اسے بازوؤں میں بھر لیا لیکن وہ چیخ

رہا تھا۔" ایشیورن اور پیڈرو مجھے مارنا چاہتے ہیں۔" پیڈرو نے زبردستی اسے جھولے میں لٹا دیا۔
بعد میں اسے لبریم اور ویلیم کی گولیاں دی گئیں کہ آرام سے سو سکے۔

دوسرا دن بھی آرمورد نے نیم بے ہوشی کی حالت میں گزارا۔ کبھی ہوش میں آتا بھی تو بہکی بہکی باتیں کرتا۔ رات کو ٹھنڈ اتنی زیادہ تھی کہ اسے جھولے سے نیچے اتار لیا گیا تاکہ دوسروں کے ساتھ مل کر سونے سے وہ قدرے گرم رہ سکے۔ نیچے آکر وہ پرسکون ہو گیا اور پیڈرو سے لپٹ کر اس کے بازوؤں میں سو گیا ۔۔۔۔ کبھی نہ اٹھنے کے لیے۔

نوگویرا کی موت سب پر بجلی بن کر گری۔ اس سے ان کا یہ عقیدہ باطل ہو کر رہ گیا کہ ایوالانچ میں بچ جانے والے مزدور گھروں کو لوٹنے میں کامیاب ہوں گے۔ فرار کی راہیں تلاش کرنے کی بے تابیاں بڑھ گئیں اور مہم جو افراد کو ان کے مشن پر روانہ کرنے کے لیے تمام لڑکے بے چین ہو گئے لیکن تند و تیز سرد ہواؤں اور برفانی طوفانوں کے ہاتھوں وہ ابھی تک بے بس تھے۔

○

ایوالانچ کے حادثے کے بعد ان کے سونے کی کوئی ترتیب باقی نہ رہی تھی جو سب سے پہلے جہاز میں داخل ہوتا، آرام دہ جگہ پر قبضہ کر لیتا لیکن بعد میں انہوں نے کچھ اصول مقرر کر لیے جن کے مطابق آرام دہ جگہوں پر لوگ باری باری سوتے یا جو زیادہ کام کرتے انہیں جگہ بھی آرام دہ ملتی۔ اس طرح جو نظام ترتیب پایا یہ تھا کہ شام ہوتے ہی دانیال فرنینڈیز اور پانچویں ڈیلگاڈو جہاز کی چھت سے گدیاں اتار کر لاتے جو وہاں خشک ہونے کے لیے پھیلائی جاتی تھیں۔ ان گدیوں کو فرش پر پھیلا دیا جاتا۔ پھر تقریباً ساڑھے پانچ بجے جب سورج پہاڑوں میں چھپ جاتا اور درجہ حرارت اچانک گرنے لگتا تو وہ قطار بنا کر جہاز میں داخل ہو جاتے۔ سب سے پہلے انسیارٹی (کارلیٹوس پیئز کے بغیر جو اس کے ساتھ سوتا تھا) اندر جاتا۔ پھر فیٹو، ایڈورڈ، دانیال فرنینڈیز اور گستاف زربینو (گوشت کاٹنے کا اہم کام ان کے سپرد تھا) ان کے بعد کوئی خاص ترتیب مقرر نہ تھی۔ کینیا جہاں چاہتا لیٹ جاتا۔ پیریڈو اس کے پہلو میں پڑ رہتا۔ فرینکوئیس اور ہارلے اکٹھے سوتے تھے۔ جینو پر متھول منجینو کے ساتھ نتھی ہو جاتا۔ الگورٹا، ٹرکاٹی یا ڈیلگاڈو کے ساتھ سو جاتا۔ آخر میں داخل ہونے والا جوڑا سب سے ٹھنڈے علاقے یعنی دروازے کے پاس سوتا تھا۔ سب سے آخر میں کارلیٹوس پیئز داخل ہوتا۔ اس کی ذمہ داری یہ تھی کہ وہ روزانہ

دروازے پر دیوار کھڑی کرے۔ اس ڈیوٹی کے بدلے وہ سب سے آرام دہ علاقے یعنی کیبن کے پاس انسپارٹی کے پہلو میں سوتا تھا ——— لیکن اس آرام کے بدلے اسے ایک اور ناخوشگوار فریضہ بھی انجام دینا پڑتا تھا۔

جگہ کی تنگی کی وجہ سے رات کو چلنا پھرنا خاصا مشکل ہوتا تھا۔ کوئی شخص اگر ضرورت کے تحت اٹھ کر باہر جانا چاہتا تو لاکھ احتیاط کے باوجود کسی نہ کسی کے ہاتھ پاؤں پر پیر رکھا ہی جاتا۔ چنانچہ انہوں نے ایک طریقہ اختیار کیا۔ سوتے وقت وہ پلاسٹک کا ایک مگ اپنے ساتھ رکھ لیتے۔ جس کسی کو پیشاب کی حاجت محسوس ہوتی وہ مگ طلب کرتا اور اپنی جگہ بیٹھے بیٹھے مگ بھر کر اپنے ساتھ والے کو دے دیتا وہ اسے اپنے سے دوسرے کے حوالے کرتا آخر میں یہ کارلیٹوس پیئز کے پاس پہنچتا جو پائلٹ کیبن کے پاس لیٹا ہوتا وہاں ایک سوراخ تھا جس کے ذریعے وہ یہ پیشاب باہر انڈیل دیتا۔ اکثر ایسا ہوتا کہ ایک مگ سے کسی کی تسلی نہ ہوتی چنانچہ اسے دوسری بار مگ دینا پڑتا۔ کبھی کبھار تو تیسرے مگ کی نوبت بھی آجاتی۔

یہ بہت ہی ناگوار فریضہ تھا کیونکہ مگ کی طلب بہت زیادہ تھی اور اس کی وجہ یہ تھی کہ لڑکوں کو پندرہ گھنٹوں تک جہاز کے اندر ہی رہنا پڑتا تھا۔ کچھ کو تو خود پر قابو حاصل تھا وہ اندر آنے سے پہلے اپنے مثانے خالی کر کے آتے اور پھر نو بجے کے قریب جب چاند کی روشنی بھی ماند پڑ جاتی اور وہ سونے کی تیاریاں کرنے لگتے تو وہ مگ مانگ کر پیشاب کر لیتے۔ لیکن کچھ لڑکے کے اوقات نہایت تکلیف دہ تھے مثلاً منجینو رات کو تین چار بجے کے قریب مگ طلب کرتا۔ ایک بار تو کارلیٹوس سخت جھنجھلایا اور مگ دینے کی بجائے اس نے یہ ظاہر کیا کہ مگ مل نہیں رہا چنانچہ منجینو کو اٹھ کر باہر جانا پڑا۔ ایک اور موقع پر اسے ایک سگریٹ کی رشوت دے کر کارلیٹوس کو مگ دینے پر آمادہ کرنا پڑا۔

ایک بار انہوں نے دروازے کے قریب والی جگہ کو پیشاب گاہ کے طور پر آزمایا لیکن مشکل یہ پیش آئی کہ اس وقت تو پیشاب برف میں مل کر منجمد ہو جاتا لیکن صبح کے وقت جب برف پگھلتی اور پانی رس رس کر اندر آتا تو پیشاب بھی اندر آجاتا اور کراہت کا سبب بنتا چنانچہ یہ تجویز ترک کرنا پڑی۔ دروازے کے ساتھ سونے والوں کو ایک اور ذہنی کوفت کا بھی سامنا تھا۔ انہیں مگ کی ضرورت پڑتی تو اس کا مطلب یہ ہوتا کہ

مگ ایک سرے سے دوسرے سرے تک سفر کرے اور تقریباً تمام لڑکوں کے ہاتھوں سے گذرے۔ آٹھ نو بجے کے قریب تو یہ بات گوارا تھی لیکن رات کے پچھلے پہر اگر انہیں مگ کی طلب ہوتی تو مگ حاصل کرنے کے لیے تمام سوئے ہوؤں کو جگانا پڑتا۔ چنانچہ وہ بے چارے ضبط کئے لیٹے رہتے۔ ایک رات انگورٹا دروازے کے قریب لیٹا تھا۔ اسے حاجت محسوس ہوئی بجائے مگ طلب کرنے کے اس نے دیوار کے ساتھ لگی برف میں مثانہ خالی کر لیا۔ صبح اٹھا تو دیکھا تمام پیشاب واپس فرش پر پھیل گیا ہے۔ اور ارد گرد کی تمام گدیاں گیلی ہو گئی ہیں۔

سونا ویسے بھی خاصا مشکل تھا۔ وہ ایک دوسرے سے جڑ کر لیٹتے تھے اور کسی ایک کو اٹھنے کی ضرورت محسوس ہوتی تو تقریباً ہر شخص ہی متاثر ہوتا تھا۔ وہ سیٹ کو ربو نیچے بچھائے جاتے تھے وہ بھی اِدھر اُدھر ہو جاتے۔ پھر ان سب پر ایوالانچ کا خوف بھی طاری رہتا تھا۔ کبھی کبھی ٹنگو ری ریریکا کا آتش فشاں پہاڑ دہل اٹھتا، کبھی چوٹی سے پتھر لڑھک کر جہاز سے آ ٹکراتے۔ ان کے کان ان آوازوں پر لگے رہتے۔ ایک بار تو ایک بڑا پتھر اس زور سے آ کر ٹکرایا کہ وہ سمجھے کہ ایوالانچ آ گیا۔ غیر ارادی طور پر ہر شخص فوراً اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ منھول گھٹنوں پر سر رکھ کر بیٹھے بیٹھے سویا کرتا تھا اور اپنے چہرے پر ایک قمیص لپیٹ لیتا تھا تاکہ سانس کی گرمی سے اس کے چہرے کے ارد گرد کی ہوا گرم ہو سکے۔ جونہی اسے اونگھ آئی وہ یا تو آگے کو گرتا یا اپنے پہلو پر اور ظاہر ہے ارد گرد لیٹنے والوں کے غصے کا نشانہ بنتا۔

اسی طرح کی چھوٹی چھوٹی باتیں جھگڑوں کا سبب بنتی تھیں۔ سوتے میں کوئی اپنا پاؤں کسی کے منہ پر دے مارتا، کوئی کروٹ بدلتے ہوئے کمبل کھینچتا تو کسی اور کو ننگا کر دیتا۔ اس پر گالیوں کے تبادلے ہوتے، ڈانٹ ڈپٹ کی نوبت آ جاتی۔ اس معاملے میں کینیسا اور ورنطین سب سے زیادہ جھگڑالو تھے۔ وہ جسمانی طور پر دوسروں سے زیادہ قوی تھے اور اپنی اس حیثیت کا فائدہ اٹھاتے تھے تاہم یہ احتیاط کرتے تھے کہ مہم جو افراد یا سٹراچ برادران میں سے کسی کا غصہ مول نہ لے بیٹھیں۔ ایک دفعہ ورنطین نے اپنا پاؤں ہارلے کے منہ پر رکھ دیا کیونکہ وہ اپنے پہلو میں اس کی ٹانگ کے لیے جگہ نہیں دے رہا تھا۔ ہارلے نے اسے ٹانگ ہٹانے کو کہا لیکن اس نے سنی ان سنی کر دی اس پر

ہارلے نے اس کی ٹانگ اٹھا کر پرے دے ماری اس پر ورنطین نے لات چلائی ۔۔۔ ہارلے نے مغلظات کی بوچھاڑ میں اس پر دوبارہ حملہ کرنا چاہا لیکن ڈانیال فرینینڈیز آڑے آ گیا اور بیچ بچاؤ کرا دیا۔ ایک اور موقع پر ورنطین نے ٹرکالی کو پاؤں مارا۔ ٹرکالی جو مزاج میں سب سے زیادہ نرم اور خوشگوار تھا، غصے میں پھنکارا، "گندے شور! میں زندگی بھر تم سے بات نہیں کروں گا۔"

انسیارٹی نے اس کی حمایت کرتے ہوئے ورنطین کو ٹانگ پرے کرنے کو کہا جس پر ورنطین نے دونوں کو گالیاں بکنا شروع کر دیں۔ قریب تھا کہ جھگڑا بڑھ جاتا لیکن فرینینڈیز نے پھر صلح صفائی کروا دی۔

انسیارٹی کی ایک بار کینیسا سے بھی لڑائی ہو گئی جس نے انسیارٹی پر ہاتھ اٹھایا تو وہ دہاڑا، "تم نے مجھے ہاتھ لگایا تو میں تمہاری گردن توڑ دوں گا۔" کمزور ترین آدمی کی طرف سے اتنے سخت لفظ۔ کینیسا کچھ سوچ کر رک گیا اور جھگڑا ختم ہو گیا۔ تمام جھگڑے اسی طرح ختم ہوتے آنسوؤں، سسکیوں اور ہچکیوں کے درمیان۔ اور وہ ایک دوسرے کو گلے لگا لیتے اور اس عزم کا اظہار کرتے کہ وہ مل کر نہ رہے تو وہاں سے کبھی نہ نکل سکیں گے۔

مغلظات کی یہ بوچھاڑ، ڈانٹ ڈپٹ، گالیاں، دھمکیاں، شکوے شکایتیں بے کار نہیں جاتے تھے۔ ان کے اندر جو گھٹن تھی، اس کا اظہار انہی طریقوں سے ہوتا تھا۔ غبار نکل جاتا تو وہ خود کو ہلکا پھلکا محسوس کرتے۔ لیکن سب سے عجیب رویہ پیریڈو کا تھا، اس کی کبھی کسی سے لڑائی نہیں ہوئی تھی۔

ایک رات کو شے انسیارٹی نے خواب دیکھا کہ وہ بیونس آئرز میں اپنے چچا کے گھر میں فرش پر سو رہا ہے۔ منجینو اس کے پہلو میں لیٹا ہے۔ منجینو نے اس کی ٹانگ پر اپنا پاؤں رکھ دیا۔ خواب میں ہی وہ اسے صلواتیں سنانے لگا پھر اس نے چیخ و پکار کی آوازیں سنیں۔ آنکھ کھلی تو دیکھا کار لیٹوس اور فیٹو اسے شانوں سے پکڑ کر جھنجھوڑ رہے ہیں۔ منجینو آنکھوں میں آنسو لیے اس کے پہلو میں بیٹھا ہے اس کا خواب سچا ثابت ہوا تھا لیکن فرق یہ تھا کہ وہ اپنے چچا کے گھر کی بجائے انڈیز کے وسط میں فیرچائلڈ کے ڈھانچے کے اندر تھا۔

سونے سے پہلے وہ مل کر دنیا جہان کی باتیں کیا کرتے۔ رگبی جو تقریباً ان سب کا کھیل تھا زیادہ زیر بحث رہتا۔ زراعت کے مختلف طریقے، فصلوں کی قسمیں، ذاتی مشاغل، رشتہ داریاں لطیفے۔ لیکن ہر پھر کر بات خوراک کے موضوع پر آجاتی۔ انسانوں کی سی باقاعدہ خوراک خواب و خیال بن کر رہ گئی تھی۔ اب وہ چٹخارے لے لے کر ان کھانوں کو یاد کرتے۔ ایشیورن جو ڈیری فارم پر کام کرتا تھا پوری تفصیلات سے انہیں پنیر بنانے کے طریقے سمجھاتا۔ پنیر کی مختلف قسمیں گنواتا، ان کے ذائقوں کا فرق بیان کرنے کی کوشش کرتا اور جب اپنی بات ختم کرتا تو کئی لڑکے یہ سوچتے کہ کاش وہ بھی کسی ڈیری فارم ہی میں ملازم ہوتے۔

مقصد تو وقت گزاری ہوتا تھا چنانچہ انہوں نے خوراک کے موضوع پر بھی تفصیلی بات چیت شروع کی۔ ہر لڑکے کے ذمے یہ بات آئی کہ وہ کم ازکم ایک ڈش کی تفصیلات بتائے جو اس کے گھر میں تیار ہوتی تھی پھر اس ڈش کے بارے میں بتائے جو وہ خود تیار کرسکتا تھا۔ اس کے بعد منگیتروں یا دوستوں کی بات چلتی۔ کس کی منگیتر کون سا کھانا بہتر پکا سکتی تھی پھر یہ کہ ہر آدمی اس کھانے کی تفصیلات بتائے جو اس نے زندگی میں لذیذ ترین سمجھ کر کھایا ہو۔ پھر اس کی پسندیدہ پڈنگ، کوئی غیر ملکی ڈش، دیہات میں کھائے جانے والے کھانے یا پھر زندگی کا سب سے بد ذائقہ کھانا۔

نوگویرا نے مرنے سے پہلے انہیں دودھ اور چینی سے مل کر بننے والی ایک کریم کی تفصیلات بتائی تھیں۔ ہارلے نے مٹر اور چاکلیٹ سے بنائی جانے والی ایک ڈش کے بارے میں بتایا۔ سنتھول عمر میں ان سب سے زیادہ تھا۔ اور ظاہر ہے اس نے طرح طرح کے کھانے کھائے تھے چنانچہ اس نے سب سے زیادہ کھانوں کے نام اور ترکیبیں گنوائیں۔

کھانوں کے بعد ہوٹلوں اور ریستورانوں کی باری آئی۔ جس جس نے جہاں جہاں کھانا کھایا تھا اسے اس ہوٹل کا نام لکھوانے کو کہا گیا جیویر سنتھول اس میں بھی سب سے آگے نکلا۔ انسیارٹی نے نکولک کی نوٹ بک لے کر ریستورانوں کے نام لکھنے شروع کئے جب گفتگو ختم ہوئی تو اٹھانوے ہوٹلوں کے نام لکھے جاچکے تھے۔

پھر ان میں مینو بنانے کا مقابلہ ہوا ــــــ لیکن اس ساری گفتگو کا حاصل مایوسیاں اور ناامیدی تھی کیونکہ اشتہا انگیز لذیذ کھانوں کے تصورات سے نکل کر حقیقت کی

دنیا میں لوٹتے تو کیا انسانی گوشت ان کا منتظر ہوتا۔ یہ بات بھی سامنے آئی کہ تصوّرات میں نئے نئے کھانوں کے بارے میں سوچتے رہنے سے جو مختلف لعاب خارج ہوتے ہیں، استعمال میں نہ آنے کی وجہ سے معدوں میں السر کا باعث ہو سکتے ہیں چنانچہ ان کے درمیان یہ طے پایا کہ کھانوں کے بارے میں گفتگو ختم کر دی جائے۔ صرف جیویر متھول نے اپنی تمسخرانہ ڈشوں کی بات جاری رکھی۔

وہ شعوری طور پر لذیذ کھانوں کے بارے میں بات چیت سے تو پرہیز کر سکتے تھے لیکن خوابوں پر کسے اختیار۔ کارلیٹوس پیئیز نے ایک رات خواب دیکھا کہ اس کے عین سر پر ایک سنگترہ لٹک رہا ہے وہ اچھل اچھل کر اسے پکڑنے کی کوشش کرتا ہے لیکن وہ اس کے ہاتھ ہی نہیں آتا۔ ایک اور رات اس نے کیا دیکھا کہ ایک اڑن طشتری آکر اس کے قریب اتری اس سے سیڑھیاں باہر آئیں اور ایک خوبصورت ایئر ہوسٹس مسکراتی ہوئی باہر نکلی۔ پیئیز نے اس سے سٹرابری ملک شیک کا ایک گلاس طلب کیا لیکن ایئر ہوسٹس نے اسے جو گلاس دیا وہ پانی کا تھا ـــــ وہ اڑن طشتری میں سوار ہو کر کینیڈی ایئر پورٹ نیویارک گیا جہاں اس کے والدین نے اس کا استقبال کیا۔ برآمدہ عبور کر کے وہ ایک بار پر پہنچا اور ملک شیک کا ایک گلاس خریدا لیکن منہ سے لگایا تو گلاس خالی پایا۔

ان کے لاشعور سے چیزوں کے ذائقے بھی معدوم ہوتے جا رہے تھے۔ خوابوں میں کوئی چیز چکھتے تو کیونکر؟

رائے نے خواب دیکھا کہ وہ ایک بیکری میں کھڑا ہے جہاں خستہ بسکٹ تنور سے نکالے جا رہے ہیں۔ وہ بیکری والے کو بتانے کی کوشش کرتا ہے کہ وہ سب اینڈیز کے پہاڑوں میں پھنسے ہوئے ہیں، یہ بسکٹ وہاں بھجوائے لیکن وہ اس کی بات سمجھ ہی نہیں پاتا۔

رہ رہ کر ان کا دھیان اپنے گھر والوں کی طرف لوٹتا۔ کارلیٹوس اکثر چاند کو تکتا رہتا۔ اسے یہ سوچ سوچ کر بڑی تسلی ہوتی کہ مونٹی ویڈیو میں اس کے والدین بھی اسی چاند کو دیکھ رہے ہوں گے۔ لیکن جہاز کے اندر لیٹ کر وہ پریشان رہتا کیونکہ اس کی جگہ ایسی تھی جہاں سے وہ کھڑکی سے باہر نہ دیکھ سکتا تھا۔ ایک دفعہ فیٹو نے مگ پکڑانے کے بدلے ایک جیبی آئینہ اس طرح سے تھاما کہ پیئیز چاند کا عکس دیکھ سکتا تھا۔

ایڈورڈ فیٹو کو اپنے دورۂ یورپ کی داستان سناتا۔ یا دونوں مل کر اپنے گھر والوں کے بارے میں باتیں کرتے لیکن ایسے موقعوں پر انہیں دانیال فرینینڈیز کی سسکیاں سنائی دینے لگتیں۔ گھر کا خیال آتے ہی دل بھر آتے۔ اچھے دنوں کی یادیں خون کے آنسو رلاتی تھیں۔ لیکن اس کے علاوہ اور تھا بھی کیا جس پر وہ گفتگو کیا کرتے۔ انہیں یوراگوئے کی سیاست سے دلچسپی تھی لیکن نوگویرا نے اس موضوع پر جس جھلاہٹ کا مظاہرہ کیا تھا، وہ انہیں اس موضوع سے بھی باز رکھتی تھی۔ وہ کوئی ایسی بات نہیں کرنا چاہتے تھے جس سے دوسروں کے جذبات کو ٹھیس پہنچے۔ لیکن اس احساس کے باوجود جب انہوں نے ریڈیو پر یہ خبر سنی تھی کہ لوریڈو کے سیاستدان جارج ٹیلے کو فوج پر تنقید کرنے کے جرم میں گرفتار کر لیا گیا ہے تو دانیال فرینینڈیز خوشی سے اچھل پڑا کیونکہ وہ اس کا مخالف تھا۔ خوشی کے اس مظاہرے پر کینیسا اور ایڈورڈ نے بالکل کچھ نہ کہا حالانکہ گذشتہ انتخابات میں دونوں نے اسے ووٹ دیئے تھے۔

سب سے محفوظ موضوع زراعت ہوا کرتا کیونکہ ان میں سے بیشتر کسی نہ کسی طرح زراعت یا ڈیری فارم سے متعلق تھے۔ ایشبوبرن اور انسپارٹی خود ڈیری فارم چلاتے تھے جب کہ باقی خود براہ راست متعلق نہ سہی ان کے خاندانوں میں کوئی نہ کوئی اس پیشے سے وابستہ تھا۔

پیڈرو الگورٹا کبھی کبھی خود کو بالکل تنہا محسوس کرتا کیونکہ ملکی معاملات میں وہ بالکل کورا تھا۔ اس کی تنہائی کا احساس کرتے ہی لڑکے کوئی نیا چٹکلہ چھوڑ دیتے مثلاً ایک بار یہ تجویز پیش کی گئی کہ زراعتی تجربوں کے سلسلے میں کارلیٹوس کی زمینوں پر ایک منصوبہ شروع کیا جائے گا۔ جس کے مطابق خرگوشوں کا چارج الگورٹا کے پاس رہے گا۔ ہر آدمی کسی نہ کسی منصوبہ بندی میں مصروف رہتا۔ ایک رات جیویر متھول نے فرینینڈیز کو کہا کہ وہ زربینو سے انتہائی ذاتی موضوع پر کوئی بات کرنا چاہتا ہے وہ ذرا پرے ہو جائے ——— لیٹے لیٹے وہ ذرا پرے کھسک گیا۔ جیویر زربینو کی طرف جھکا اور انتہائی راز داری سے بولا۔

"میرا ارادہ واپس جا کر ایک ریسٹورنٹ کھولنے کا ہے۔ تم اکاؤنٹنٹ کی حیثیت سے کام کرو گے میرے ساتھ؟"

یہ ریسٹورنٹ سب کی کمزوری بن گیا۔ اب وہ اس موضوع پر بات کرتے کہ مویشیوں کو کھلا پلا کر موٹا کیسے کیا جا سکتا ہے۔ باسوروں کو کس طرح پالا جائے کہ ان کا گوشت ریسٹورنٹ میں پیش کیا جائے تو لوگ عش عش کر اٹھیں۔ گفتگو میں کھانے پینے کی چیزوں سے پرہیز ناممکن تھا۔ وہ کوئی بھی بات کرتے بات کھانوں پر آکر ختم ہوتی۔ وہ اپنی منگیتروں کے بارے میں بات کرتے تو سوچتے کہ انہیں کس ہوٹل میں لے جا کر کیا کھلائیں گے۔ وہ جب لوٹیں گے اور ان کے احباب ان کے اعزاز میں استقبالیے دیں گے تو مینو کیا ہوگا۔

وہ جب اپنی منگیتروں یا دوستوں کے بارے میں بات کرتے تو ان کی باتوں سے احترام اور تقدس جھلکتا تھا۔ اس وقت انہیں خدا کی زیادہ ضرورت تھی ان کے خیالات پاکیزہ تھے اور انہیں گناہ کا ادنیٰ سا خیال بھی نہ آتا تھا۔ ایسا لگتا تھا جیسے ان میں جنسی قوت باقی ہی نہ رہی ہو۔ یہ سب کچھ مسلسل بھوکا رہنے کی وجہ سے ہوا تھا۔ کچھ لوگوں کو تو خوف پیدا ہو چلا تھا کہ نامکمل خوراک کی وجہ سے وہ نامرد ہی نہ ہو جائیں۔ اس طرح انہیں جنسی اشتہا تو محسوس نہ ہوتی تھی لیکن جذباتی طور پر وہ زندگی کے کسی ساتھی کے بارے میں سوچا ضرور کرتے۔ نوگریرا اور نکولک نے جو خط لکھے تھے وہ والدین سے زیادہ منگیتروں کو مخاطب کر کے لکھے گئے تھے۔ جن کی منگیتریں موجود تھیں وہ ان کے بارے میں بڑے اخلاص و وفا سے بات کرتے اور جن کی منگنی نہیں ہوئی تھی وہ ان لڑکیوں کے بارے میں احترام سے بات کرتے جن سے وہ مل چکے تھے اور جن کے بارے میں ان کا خیال تھا کہ وہ ان سے منسوب ہو جائیں گے۔

صورتِ حال کی نزاکت کی وجہ سے وہ زندگی اور موت کے فلسفوں میں نہیں الجھتے تھے تاہم کبھی کبھار یہ موضوع چھڑ جاتے تھے۔ انسیارٹی، زربینو اور الگورٹا جو باقی سب لڑکوں کی نسبت سیاست کی طرف زیادہ رجحان رکھتے تھے، ایک بار اس بات پر بحث کرنے لگے کہ مذہب اور سیاست کا آپس میں کوئی تعلق ہے بھی یا نہیں۔ ایک اور موقع پر پیڈرو الگورٹا اور فیٹو سٹراچ خدا کے وجود پر بحث کرتے پائے گئے۔ خدا کے وجود کے بارے میں تو دونوں متفق تھے لیکن اس بارے میں شک و شبہ میں مبتلا تھے کہ آیا خدا کی ہستی اتنی طاقتور ہے کہ اس نے اتنی بڑی کائنات کی ہر مخلوق کے مقدر پر نظر رکھی ہوئی ہو۔ پیڈرو کا کہنا تھا کہ خدا محبت ہی ایک روپ ہے وہ محبت جو دو دلوں میں اترتی ہے تو وہ ایک دوسرے کے

کارلیٹوس نے ان کی گفتگو میں شریک ہونے کی کوشش کی۔ خدا کے بارے میں اس کے اپنے نظریات تھے لیکن فیٹو اور پیڈرو نے اسے بتایا کہ اس کا دماغ اس قابل نہیں کہ وہ ان کی جوشیلی بحث میں حصّہ لے سکے اس لیے وہ اس وقت تو چپکا ہو رہا لیکن دوسرے دن اس نے بدلہ لے لیا۔ پیڈرو کسی کو گالیاں بک رہا تھا جس نے اس کی ٹانگ پر پاؤں رکھ دیا تھا۔ کارلیٹوس بولا، "یہ کیا کر رہے ہو؟ تمہارے نزدیک تو محبت کی اہمیت سب سے زیادہ ہے۔ خدا بھی محبت ہی ہے۔ محبت کا یہ کون سا روپ ہے جس کا اظہار تم کر رہے ہو؟"

ان کے پاس پڑھنے کے لیے کچھ نہیں تھا۔ کھیلنے کا کوئی موقع تھا نہ ہمّت۔ گیت گنگنانے وہ کبھی کے ختم کر بیٹھے تھے۔ کبھی کبھار فیٹو کی بواسیر کا مذاق اڑایا جاتا یا کبھی کبھی وہ خود اپنے آپ پر ہنستے۔ کوئی کہتا۔ "مونٹی ویڈو میں گوشت خریدنے جایا کروں گا تو پہلے چکھ لیا کروں گا۔" یہ اس طرف اشارہ تھا کہ کچا انسانی گوشت کھا کھا کر وہ اس قابل ہو گئے تھے کہ بازار سے گوشت کھاتے ہوئے بلا کراہت چکھ سکیں۔ کوئی کہتا، "میں اس برف میں پڑا ہوا جانے کیسا لگوں گا؟"

جوں جوں دن گذرتے گئے ان کی گفتگو کا موضوع فرار پر مرتکز ہونے لگا۔ مہم کے بارے میں تفاصیل طے کی جائیں ان پر بار بار بحث کی جاتی۔ ان کے ساتھ بھیجے جانے والے سامان کے بارے میں بات ہوتی۔ راستوں کے بارے میں مباحثہ ہوتا۔ اس بارے میں کسی کو کوئی شبہ نہ تھا کہ مہم جو افراد کی کامیابی پر سب کی زندگی منحصر تھی۔ اس لیے انہیں زیادہ سے زیادہ آرام دہ بنانے کی جو ترکیب جس کے ذہن میں آتی، وہ پیش کرتا پھر اس پر بحث ہوتی وہ کھانے کے لیے کیا ساتھ لے جائیں گے، سردی سے بچنے کے لیے کیا کچھ پہنیں گے اور ان کے پیروں کو برف سے کیسے محفوظ رکھا جا سکے گا۔ بات چلتی تو دور نکل جاتی وہ جب چلی پہنچیں گے تو سب سے پہلا کام کیا کریں گے؟ شاید مونٹی ویڈو ٹیلیفون کر کے اپنے والدین کو بتائیں کہ وہ زندہ ہیں اور فون کے بعد ٹرین پکڑ کر سیدھے گھر جا پہنچیں۔ کوئی کہتا کہ مونٹی ویڈو پہنچ کر وہ کسی صحافی سے بات کریں گے جو ان کے دکھوں کی داستان قلمبند کر سکے۔ کیفا نے تو اس کتاب کا نام بھی رکھ چھوڑا تھا، "شاید کل"۔ چونکہ ان کے قیام میں کوئی دن الیسا نہ

گذرا تھا جب کل کے بارے میں وہ پرامید نہ رہے ہوں

○

نو بجے کے قریب جب چاند پہاڑوں کے پیچھے چھپ جاتا اور روشنی غائب ہو جاتی تو وہ سونے کی تیاریاں کرتے۔ کارلیٹوس دعا شروع کرتا باقی آہستہ آہستہ دہراتے پھر انسیارٹی یا فرینینڈز دوسرا حصہ دہراتا پھر کوئی اور ——— وہ مختلف بزرگوں اور درویشوں کے حوالے سے دعائیں کرتے ——— فیٹو اس بارے میں ہمیشہ شکوک میں مبتلا رہا لیکن ایک دن ایسا ہوا کہ ٹنگوی ریریکا کا آتش فشاں پہاڑ لرزنے لگا۔ سب کو یہ خوف لاحق ہو گیا کہ اگر یہ اسی طرح ہلتا رہا تو پہاڑ کی ساری برف الوالانچ کی شکل میں ان پر آ پڑے گی اور وہ اس میں دب کر رہ جائیں گے۔ انہوں نے دعاؤں والی کتاب فیٹو کے ہاتھ میں تھما دی اور وہ جو سہما ہوا تھا ڈرا ہوا تھا اپنے شکوک کے باوجود بڑی دل سوزی سے دعائیں پڑھنے لگا۔ دعا ختم ہونے سے پہلے زلزلہ تھم چکا تھا۔

○

ایک اور مسئلہ جو ان کے ذہنوں پر مسلط تھا سگرٹوں کا تھا۔ پیر بڈرو، کینیسا اور وزنطین تو سگریٹ پیتے ہی نہیں تھے۔ زربینو پہلے نہیں پیتا تھا لیکن وقت گذاری کے لیے اس نے وہاں پینی شروع کر دی تھی۔ باقی سب پہلے سے سگریٹ پیتے تھے اور مخصوص صورتِ حال کی وجہ سے عام دنوں کی نسبت سگرٹوں کی طلب زیادہ محسوس کرتے تھے۔

یہ محض اتفاق کی بات تھی کہ جیویر متھول اور پانچو ابیل جو ایک تمباکو کمپنی میں کام کر چکے تھے، چلی میں سگرٹوں کی قلت کی خبر سن کر اپنے ساتھ اچھا بھلا سٹاک لے کر چلے تھے۔ اس کے علاوہ راشن کا نظام بھی موجود تھا۔ ہر لڑکے کو دو دنوں کے لیے بیس سگرٹوں کا ایک پیکٹ دیا جاتا تھا۔ اور خود پر اتنا کنٹرول کرنے تھے کہ دس سگریٹ پورے دن میں پئیں۔ کچھ لڑکے تاہم بے صبر تھے۔ مثلاً انسیارٹی اور ڈیلگاڈو اپنے حصے کی سگرٹیں پہلے دن ہی پھونک بیٹھتے اور دوسرے دن بیٹھے منہ تکا کرتے۔ اب ان کے لیے اس کے سوا کوئی اور چارہ نہ تھا کہ وہ یا تو اپنے آئندہ روز کا راشن ایک دن پہلے وصول کر لیں یا دوسرے افراد کی

چاپلوسی کرتے رہیں۔ انہی موقعوں پر ڈیلگاڈو کو یاد آتا تھا کہ وہ سبیلا کے بھائی کا بہت گہرا دوست تھا یا انسیارٹی کو خیال آتا کہ وہ الگورٹا سے وعدہ کرے کہ مونٹی ویڈو پہنچ کر وہ اسے شاندار ڈنر دے گا۔

پہلا سگریٹ صبح اٹھنے کے بعد جہاز کے اندر ہی پیا جاتا پھر کوئی دوسرے سے کہتا "موسم بڑا شاندار لگتا ہے۔ تم باہر کیوں نہیں جاتے؟"

"کیوں! نہیں کیا تکلیف ہے؟ تم کیوں نہیں جاتے؟" جواب ملتا۔

آخر کوئی اٹھتا، اپنے جوتے جھاڑ کر پہنتا، پھر سوٹ کیسوں اور کپڑوں کی بنی ہوئی وہ دیوار گراتا جو کارلیٹوس نے رات کو بنائی ہوتی اور باہر نکل جاتا۔ باہر جانے والا اہر لڑکا کچھ گدیاں ساتھ لے جاتا اور انہیں جہاز کی چھت پر ڈال دیتا تاکہ وہ خشک ہو سکیں۔ وہ خود کو بھی خشک کرتے۔ کپڑے اتارنے کا کوئی سوال ہی نہیں۔ وہ صرف کپڑوں پر مزید کپڑے پہنتے رہتے تھے۔ کمبل اٹھا کر جھولے پر ڈال دیے جاتے۔ سب سے آخر میں باہر آنے والا کیبن کی صفائی کرتا۔

صبح کے وقت سٹراچ برادران گوشت کاٹنے کے کام میں مصروف ہو جاتے۔ جب کہ دوسرے برف کی سطح سخت ہونے کا فائدہ اٹھاتے اور ادھر ادھر گھوم کر گری پڑی چربی یا گوشت کا کوئی ٹکڑا ڈھونڈنے کی کوشش کرتے۔ یا پھر جہاز کی اگلی سمت جا کر رفع حاجت کی کوشش کرتے۔

سگرٹوں کے بعد ان کا دوسرا بڑا مسئلہ یہی تھا۔ خوراک جس پر وہ جی رہے تھے، کچے گوشت، چربی اور برف پر مشتمل تھی اور اس سے ان سب کو شدید قسم کی قبض لاحق ہو گئی تھی۔ پہلے تو وہ کئی کئی دن رفع حاجت کے بغیر گذارتے تھے پھر یہ وقفہ بڑھ کر ہفتوں تک پھیل گیا۔ کچھ کو تو یہ خطرہ تھا کہ کہیں ان کی آنتیں پھٹ ہی نہ جائیں۔ اس ڈر سے انہوں نے مختلف طریقے آزمانے شروع کئے۔ زربینو نے ایک جڑی استعمال کی، متھول نے چربی کو پگھلا پگھلا کر تیل سا جمع کیا اور اسے پی گیا۔ کارلیٹوس نے اسی تیل سے اپنے اور فیٹو کے لیے قبض کشا سوپ تیار کرنے کی کوشش کی۔

یہ صورتِ حال کبھی کبھی مزاحیہ رخ بھی اختیار کر لیتی۔ ایک بار مونچو سبیلا جہاز کے اگلے حصے میں بیٹھا زور لگا رہا تھا۔ وہ چلانے لگا، "اف توبہ! مجھ سے یہ نہیں ہو گا۔

مجھ سے یہ نہیں ہوگا۔"

وزنقین اس پر ہنسنے لگا اور بولا، "ہاں۔ ہاں میاں۔ تم سے یہ نہیں ہوگا۔ اٹھ آؤ۔"

ادھر مونچھ سیبلا نے اور زور لگایا تو وہ کامیاب ہوگیا اور پتھر کی طرح کا فضلہ اٹھا کر ہنستے ہوئے وزنقین کی طرف اچھال دیا۔

جیویر متھول اپنے پیروں کے نیچے گدیاں رکھے کتنی ہی دیر بیٹھا اپنے پیسے گنتا رہتا۔ آخر کار ایک دن وہ کامیاب ہو ہی گیا اور اپنی اس کامیابی کا اعلان اس نے پورے گروپ کے سامنے کیا۔ سب یہ خبر سن کر ٹھٹھے مار کر ہنسنے لگے ـــــ مقابلہ سخت سے سخت تر ہوتا گیا۔ پیمنر اٹھائیس دنوں کے بعد فارغ ہوا، ڈیلگاڈو بتیس دنوں بعد اور بوبی فرینکو ئیس کی چونتیس دنوں بعد قبض ختم ہوئی تو انہیں دستوں نے آلیا۔ ان کی اپنی تشخیص یہ تھی کہ قبض کے علاج کے لیے زیادہ چربی کھانے سے انہیں دست لگے ہیں۔ صرف الگورٹا اس سے محفوظ رہا اور اس کی وجہ وہ یہی بتاتا تھا۔ کہ وہ مرمری ہڈیاں چباتا رہتا تھا۔

یہ بیماری ان کے دکھوں میں خوفناک اضافہ تھی۔ ایک رات کینیسا کو اچانک پیٹ میں مروڑ اٹھا۔ وہ باہر کی طرف بھاگا تو کیا دیکھتا ہے کہ وہ اکیلا نہیں ہے چاند کی روشنی میں چھ سات اور لڑکے بھی اِدھر اُدھر بیٹھے رفع حاجت میں مصروف ہیں۔ اس منظر سے وہ سخت مایوس ہوا۔ اس نے سوچا کہ اس بیماری کے ہاتھوں بچنا مشکل ہے۔ جب انسان زندگی کی آس کھو بیٹھے تو اس کا رویہ بھی بدل جاتا ہے۔ اس کے بعد بھی اس کا پیٹ خراب رہا لیکن رات کے وقت وہ اٹھ کر باہر نہ آتا۔ وہیں لیٹے لیٹے وہ کسی کمبل پر، کسی قمیض پر فارغ ہو لیتا۔ دوسروں کو اس پر سخت غصہ آیا اور انھوں نے اسے برا بھلا بھی کہا لیکن اس کا رویہ بدستور یہی رہا۔ کارلیٹوس خاص طور پر اس سے ناراض تھا کیونکہ ایک رات جب وہ دروازے پر دیوار چُن رہا تھا تو اس نے ایک قمیص اٹھا کر رہے سہے سوراخ بند کرنے کی کوشش کی لیکن وہ کینیسا کے پاخانے سے لتھڑی ہوئی تھی۔

اسہال کا شدید ترین حملہ سیبلا پر ہوا تھا۔ چند دنوں بعد اس کی حالت خطرناک ہوگئی۔ وہ بہکی بہکی باتیں کرنے لگا۔ اس سے سب میں خوف پھیل گیا۔ اسے سمجھایا گیا کہ وہ کھانا کم کر دے اور خاص طور پر چربی کا استعمال چھوڑ دے لیکن اس کے اپنے دلائل تھے۔ وہ روزانہ دس قدم باقاعدہ پی ٹی کے طور پر چلا کرتا ـــــ اور اس کا کہنا تھا کہ اس نے

ایک قدم یا خوراک کا ایک دانہ بھی کم کیا تو وہی اس کے زوال کا آغاز ہوگا۔ چنانچہ نہ اس نے کھانا کم کیا نہ چلنا۔ لیکن جب اس کی حالت ابتر ہونے لگی تو سٹراج برادران نے اس کا راشن بند کر دیا اور اس کے جہاز سے نکلنے پر پابندی لگا دی۔

دوسرے دن سبیلار رفع حاجت کے لیے جہاز سے باہر گیا۔ واپس آیا تو بتایا کہ اس کے اسہال ٹھیک ہو گئے ہیں۔ یہ اعلان کرتے ہوئے وہ زربینو کو بھول گیا تھا جو ان کا ڈاکٹر بھی تھا اور جاسوس بھی —— وہ باہر گیا اور اس کے فضلے کا معائنہ کر کے لوٹا تو اس پر برس پڑا —— اسے کھانے سے پھر محروم رکھا گیا۔ وہ اس پر چیخا چلایا بھی لیکن یہ رویہ اس کے حق میں مفید ثابت ہوا۔ اس کا پیٹ چلنا بند ہو گیا اور بعد میں اس کی قوت بھی بحال ہو گئی۔

○

جوں جوں پندرہ نومبر قریب آ رہا تھا، ان کا جوش و خروش بڑھتا جا رہا تھا۔ وہ اکثر سوچتے کہ سب سے پہلے اپنے گھر ٹیلیفون کرنے میں کون کامیاب ہوگا، ان کے والدین ان کے بارے میں سوچ بھی نہیں سکیں گے کہ وہ زندہ ہیں۔ وہ کیسے گھروں کو لوٹیں گے۔ کہاں سے بس پکڑیں گے، کہاں سے ٹرین میں سوار ہوں گے، کیا کیا کھائیں گے اور اپنے گھر والوں کے لیے کیا کیا تحفے خریدیں گے۔

مہم جو افراد کی تشویش بڑھتی جا رہی تھی۔ وہ ان مسائل پر غور کرتے تھے جو انہیں پیش آنے والے تھے۔ سب سے اہم مسئلہ سردی سے بچاؤ کا تھا۔ ہر شخص نے تین پائجامے ایک ٹی شرٹ، دو سویٹر اور ایک ایک اوورکوٹ حاصل کر لیا تھا۔ ہر ایک کے پاس دھوپ کی تین تین عینکیں تھیں۔ وزنطین کے پاس پائلٹوں کی عینکیں تھیں۔ اس نے پائلٹ کا ہیلمٹ بھی سنبھال رکھا تھا۔ علاوہ ازیں اس نے کرسیوں کی گدیوں کے استروں سے چھ دستانے بھی تیار کر لیے تھے۔ جن میں انگلیوں کی گنجائش تو نہیں تھی تاہم وہ سردی سے بچاؤ کا کام تو دیتے۔

گذشتہ تجربوں سے انہیں اس بات کا اندازہ ہو گیا تھا کہ ان کا سب سے بڑا مسئلہ پیروں کے بچاؤ کا ہوگا۔ ان کے پاس رگبی کے جوتے تو تھے اور وزنطین لے بار لے سے وہ

جوتے بھی ہتھیا لیے تھے جو اس کی منگیتر نے اسے دیے تھے لیکن ان کے پاس موٹی جرابیں نہ تھیں سوچ بچار کے بعد ان کے ذہن میں یہ ترکیب آئی کہ اگر مردہ جسموں کے بازو اور کہنیوں کی کھال کو نیچے کی چربی سمیت احتیاط سے اتار لیا جائے اور بعد میں انہیں ایک جانب سے سی دیا جائے تو یہ کھال بہترین جرابوں کا کام دے سکتی۔

روانگی کا دن قریب آیا تو ایک اور مسئلہ اٹھ کھڑا ہوا۔ ایک رات کسی نے نیو ما کی ٹانگ پر پاؤں رکھ دیا تھا جب سے اس کا زخم بگڑ رہا تھا اور زہر پھیلتا جا رہا تھا۔ نیو ما نے اس کی کوئی پروا نہ کی اور دوسروں نے بھی روانگی کے جوش میں اس پر زیادہ توجہ نہ دی۔ ان سب کی توجہ اب اس بات پر مرکوز تھی کہ مہم جو افراد کے جانے کا روٹ کیا ہوگا۔ انہیں یاد تھا کہ مرنے سے پہلے پائلٹ ایک ہی بات دہراتا رہا تھا کہ وہ کیوریکو عبور کر آئے ہیں، کیوریکو چلی میں تھا اور چلی مغرب کی طرف واقع تھا۔ لیکن مغرب کی طرف پہاڑ اتنے عمودی تھے کہ چڑھائی کا سوال ہی پیدا نہ ہوتا تھا۔ وہ کمپاس جو پائلٹوں کے کیبن سے ملا تھا ظاہر کرتا تھا کہ وہ جس وادی میں گرے تھے وہ مشرق کی طرف کھلتی تھی ——— بالآخر وہ اس نتیجے پر پہنچے کہ مہم جو افراد کو مشرق کی طرف ہی روانہ ہونا چاہیے یہی وادی چکر کاٹ کر بالآخر مغرب کی جانب کھلے گی اور اس طرح وہ مغرب کی سمت اپنا سفر جاری رکھ سکتے تھے۔

پندرہ نومبر کو سب لڑکے جلدی بیدار ہو گئے اور جانے والوں کو بڑے اہتمام سے تیار کیا۔ باہر برفباری ہو رہی تھی لیکن سات بجے تک چاروں مہم جو جہاز سے باہر نکل آئے پیر بڈو نے سرخ جوتوں کا وہ جوڑا پہنا جو اس نے اپنے بھانجے کے لیے خریدا تھا۔ دوسرا جوڑا اس نے جہاز میں لٹکا چھوڑا اور کہا، "میں اسے اتارنے واپس آؤں گا۔"

وہ ان کی امیدوں سے بہت پہلے واپس آ گیا۔ برفباری شدید ہو گئی تھی اور روانگی کے تین گھنٹوں بعد وہ جہاز کی طرف لوٹ آئے۔

اس کے بعد کے دونوں میں موسم اسی طرح خراب رہا جیسے وہ شروع سے دیکھتے آئے تھے۔ ہوائیں غراتی رہیں اور برف کے طوفان دندناتے رہے۔ پیڈرو الگورٹا جس نے یہ خبر سنائی تھی کہ پندرہ نومبر کے بعد موسم سرما ختم ہو جاتا ہے، وقتی طور پر ان کی تنقید کا نشانہ بن گیا۔ انہی دنوں نیو ماٹر کانٹی کی ٹانگ کا زخم بھی مزید خراب ہو گیا۔ اس کی ٹانگ پر مرغی کے انڈے کے برابر دو چھالے تھے۔ کینیسا نے ان کی پیپ نکالنے کے لیے انہیں پھوڑ دیا۔

گرچہ اب اس کے لیے چلنا مشکل ہوگیا تھا لیکن جب کینیسا نے اس سے کہا کہ وہ مہم پر جانے کے قابل نہیں رہا تو وہ غصے سے کانپنے لگا اور بولا کہ وہ ہر قیمت پر ان کے ساتھ جائے گا لیکن ہر آدمی یہ محسوس کرسکتا تھا کہ اگر وہ ساتھ گیا تو باقی افراد کے لیے مصیبت بن جائے گا۔ اسے اکثریت کے فیصلے کے سامنے سر جھکانا پڑا۔

سترہ نومبر جمعے کا دن تھا۔ اور انہیں پہاڑوں میں پڑے پانچ ہفتے گذر گئے تھے۔ یہ دن روشن اور چمکدار تھا۔ اب مہم جو افراد کی روانگی میں کیا چیز مانع ہوسکتی تھی۔ انہوں نے جگر، گوشت اور چربی سے ایک تھیلا بھرا جو پیر یڈو کی ماں اپنے ساتھ لائی تھی۔ پانی کی ایک بوتل اور سیٹ کور کے پہنے ہوئے کمبل ساتھ لیے اور جہاز سے باہر آگئے۔ تمام لڑکے انہیں الوداع کہنے باہر جمع ہوگئے اور جب تک وہ دور افق کے پار گم نہیں ہوگئے وہ انہیں دیکھتے رہے ان کے گم ہوتے ہی ان میں شرطیں لگنے لگیں کہ وہ کب تک کسی انسانی بستی تک پہنچ سکیں گے۔ انہیں یقین تھا کہ وہ سب زیادہ سے زیادہ تین ہفتوں کے اندر اندر مونٹی ویڈیو پہنچ جائیں گے اور نو دسمبر کو پیر یڈو کی سالگرہ بڑے دھوم دھام سے منائیں گے۔ گرچہ ان میں سے بعض کا خیال یہ تھا کہ وہ اس سے کہیں پہلے وہاں سے نکل سکیں گے۔ الگورٹا کا خیال تھا کہ وہ آئندہ منگل تک چلی پہنچ جائیں گے، فرکاٹی کی رائے تھی بدھ کے روز چھ لڑکے جمعرات پر اصرار کر رہے تھے، زربینو اور فیٹو کے نزدیک جمعہ کا دن مبارک ثابت ہوتا تھا۔۔۔

○

مہم کا سربراہ تھا ــــــ کینیسا جو ایک سوٹ کیس اٹھائے سب سے آگے آگے چل رہا تھا۔ اس سوٹ کیس میں گوشت، چربی، جگر، پانی کی بوتل اور چند گدیاں تھیں۔ یہ گدیاں برف پگھلنے کی صورت میں جوتوں سے باندھی جاتی تھیں تاکہ ان کے پاؤں برف میں نہ دھنس سکیں۔ اس کے پیچھے وزنطین تھا جس نے کمبل اٹھائے ہوئے تھے اور سب سے آخر میں پیر یڈو۔

شمال مشرق کی طرف چلتے ہوئے ان کی رفتار خاصی تیز تھی کیونکہ ایک تو اترائی تھی دوسرے برف سخت تھی اور انہیں چلنے میں کوئی دشواری پیش نہ آتی تھی۔ چلتے چلتے کینیسا

کافی آگے نکل گیا اور کوئی دو گھنٹوں کے بعد انہوں نے اس کے چلانے کی آواز سنی۔ انہوں نے نگاہ اٹھا کر دیکھا تو وہ برف کے ایک ڈھیر پر کھڑا انہیں قریب آنے کا اشارہ کر رہا تھا۔
وہ اس کے پاس پہنچے تو وہ بولا، "تمہارے لیے ایک حیران کن چیز ہے۔"
"کیا" پیریڈو نے پوچھا۔
"جہاز کی دم" اس نے جواب دیا۔

پیریڈو اور وزنطین جلدی سے برف کے ٹیلے پر پہنچے تو ان کی خوشی کی انتہا نہ رہی۔ کوئی ایک سو گز کے فاصلے پر جہاز کی دم پڑی ہوئی تھی۔ اس کے دونوں بازو کہیں گر گئے تھے لیکن دم کا درمیانی حصہ باقی تھا۔ اس سے بھی زیادہ خوش کن منظر یہ تھا کہ ٹیل کے ارد گرد مختلف سوٹ کیس بکھرے پڑے تھے۔ وہ بھاگ کر ان تک پہنچے اور سوٹ کیس الٹ دیے۔ انہیں جیسے قارون کا خزانہ مل گیا ہو۔ ان میں کپڑے تھے، پتلونیں، قمیضیں، جرابیں، اور پنجائٹو ابیل کی سکی انگ کٹ۔ اس کے سوٹ کیس میں سے انہیں چاکلیٹ کا ایک ڈبہ بھی ملا۔ انہوں نے فوراً چار چار چاکلیٹ کھائیں بھی لیکن پھر فیصلہ کیا کہ باقی کی راشن بندی کی جائے۔

پھر تینوں نے اپنے غلیظ کپڑے اتار پھینکے اور ان سوٹ کیسوں سے جو بہترین کپڑے وہ چن سکتے تھے، چن چن کر پہن لیے۔ کینسا اور پیریڈو نے وہ جرابیں اتار دیں جو انسانی کھال سے بنائی گئی تھیں۔ ان کپڑوں میں بہترین اونی جرابیں موجود تھیں۔ ہر ایک نے تین تین جرابیں سنبھال لیں۔ وزنطین نے چار جوڑے لئے کیونکہ نکومک کے جوتے اسے ڈھیلے تھے اور اس طرح وہ فٹ آ سکتے تھے۔ اس نے ابیل کی گرم اونی ٹوپی بھی لے لی۔ پیریڈو نے اس کے جوتے سنبھال لیے۔

پھر وہ ٹیل کے اندر گئے وہاں انہیں چینی کا ایک پیکٹ اور تین پیسٹریاں پڑی ملیں پیسٹریاں تو وہ فوراً چٹ کر گئے البتہ چینی سنبھال رکھی۔ کچن کے پیچھے سامان رکھنے کا ایک بڑا کمپارٹمنٹ تھا جس میں مزید سوٹ کیس نظر آ رہے تھے۔ انہوں نے سب کو کھول مارا اور سارے کپڑے فرش پر بکھیر دیے۔ ایک سوٹ کیس میں شراب کی ایک بوتل اور دوسرے میں سگرٹوں کا ایک بڑا ڈبہ ملا۔

جہاز کے مستری روق نے انہیں بتایا تھا کہ بیٹریاں ٹیل میں موجود ہیں اور اگر کسی طرح

مل جائیں تو کیبن میں ریڈیو چالو کیا جا سکتا تھا۔ تھوڑی سی تلاش کے بعد انہیں بیٹریاں مل گئیں کچھ کتابیں بھی ملیں جنہیں جلا کر کینیسا نے گوشت بھوننا شروع کر دیا جب کہ پیریڈ اور وزنطین نے تیل کے باقی حصے کی تلاش جاری رکھی۔ انہیں کوکا کولا کے خالی کریٹ اور کچھ سینڈوچ ملے۔ جب کینیسا نے کھانا تیار کر لیا تو تینوں نے آگ کے اردگرد بیٹھ کر کھایا اور اوپر سے شراب کی بوتل چڑھا گئے۔ زندگی میں اس سے زیادہ لذیذ اور مزیدار کھانا انہوں نے شاید ہی کبھی کھایا ہو۔

سورج چھپ گیا تو باہر سردی بڑھ گئی۔ وزنطین اور پیریڈو باہر گئے اور بکھرے ہوئے تمام کپڑے لا کر فرش پر ڈھیر کر دیے۔ سامان والے حصے کے کپڑے بھی لا کر یہیں بچھائے گئے اس دوران کینیسا نے بیٹریوں سے چھیڑ چھاڑ جاری رکھی۔ سامان والے حصے سے دو بلب اتار لیا ایک بلب اس نے تاروں سے ملایا تو وہ دھماکے سے پھٹ گیا۔ کینیسا نے کوشش جاری رکھی اور تھوڑی دیر بعد دوسرا بلب لگایا تو وہ جل اٹھا۔ پھر تینوں نے سوٹ کیسوں کی مدد سے دروازے پر ایک دیوار کھڑی کی اور فرش پر لیٹ گئے۔ روشنی کی وجہ سے وہ کتابیں پڑھ سکتے تھے چنانچہ جو کتابیں جلنے سے بچ گئی تھیں انہوں نے پڑھنا شروع کر دیں جہاز کی نسبت یہاں زیادہ آرام اور وسعت تھی۔ نو بجے کے قریب کینیسا نے بیٹری کی تاریں ہٹا کر بلب بجھا دیا۔ انہوں نے عرصے کے بعد پیٹ بھر کر کھانا کھایا تھا، پڑتے ہی لمبی تان کر سو گئے۔

صبح اٹھے تو ہلکی ہلکی برفباری جاری تھی لیکن انہوں نے اپنا تھیلہ بھرا اور شمال مشرق کی طرف روانہ ہو گئے۔ ان کے مغرب میں پہاڑ ختم ہونے کا نام ہی نہ لیتا تھا ـــــ انہوں نے اندازہ لگایا کہ اس کا پورا چکر کاٹ کر مغرب کی طرف آنے میں انہیں کم از کم تین دن لگیں گے وہ چلتے رہے۔ برفباری رک گئی۔ آسمان صاف ہو گیا۔ گیارہ بجتے بجتے اچھی خاصی گرمی ہو گئی۔ سورج ان کی پشت پر پوری آن بان سے چمک رہا تھا اور برف سے منعکس ہو کر سورج کی شعاعیں ان کے چہروں پر پڑ رہی تھیں۔ تھوڑی تھوڑی دور جا کر وہ کوئی پاجامہ یا سوئٹر اتار دیتے لیکن اس میں بھی مصیبت ہی تھی۔ ان کپڑوں کو اٹھا کر چلنا پہننے سے زیادہ تکلیف دہ تھا۔

نصف النہار کے وقت وہ ایک ایسی چٹان کے قریب پہنچے جو باہر کی طرف کو ابھری

ہوئی تھی اور اس کے اوپر سے پانی کی ایک پتلی سی دھار بہہ رہی تھی۔ انہوں نے سورج سے پناہ لینے کے لیے اس کے نیچے ٹھہرنے کا فیصلہ کیا اور کمبلوں اور دھات کی چھڑیوں کی مدد سے جو وہ اٹھائے ہوئے تھے خیمہ سا بنا لیا۔ پھر انہوں نے کچھ گوشت کھایا۔ وزنلین نے چٹان پر سے آتا ہوا پانی پینے کی کوشش کی لیکن وہ کھارا تھا چنانچہ انہوں نے برف کو پگھلا کر پانی بنایا اور پیا۔ پھر آرام کے لیے لیٹ گئے۔ لیٹے لیٹے وہ پہاڑ اور آئندہ ردِ عمل پر غور کرتے رہے۔

کینیبا جتنا سوچتا اتنا ہی وہ اور شک و شبے میں مبتلا ہوتا جس وادی میں وہ سفر کر رہے تھے وہ مسلسل شمال مشرق کی طرف جارہی تھی اور مغرب کی طرف مڑنے کے کوئی آثار دکھائی نہ دیتے تھے اس طرح وہ جو قدم بھی اٹھاتے، انڈیز کے وسط کی طرف ہی اٹھتا اور وہ چلی سے مزید دور ہوتے جارہے تھے۔ تاہم اس نے یہ خیالات خود ہی تک محدود رکھے۔

سورج ڈوب گیا تو درجہ حرارت فوراً ہی گر گیا۔ انہوں نے رات وہیں گذارنے کا فیصلہ کیا۔ سردی سے بچنے کے لیے انہوں نے برف ہٹا کر ایک گڑھا سا کھود لیا تاکہ چلتی ہوا سے محفوظ رہ سکیں۔ وہاں لیٹے لیٹے انہیں آسمان خوبصورت نظر آئی آسمان بالکل صاف تھا اور سینکڑوں ہزاروں ستارے اس کی وسعتوں میں جھلملا رہے تھے۔ آسمان کے اس حسن سے زیادہ دیر محظوظ نہ ہو سکے کیونکہ سردی بڑھنے لگی اور آہستہ آہستہ انہیں یوں لگنے لگا جیسے انہوں نے کچھ پہن ہی نہیں رکھا۔ وہ ایک دوسرے کے اوپر لیٹ گئے۔ وزنلین سب سے نیچے، درمیان میں پیریڈو اور سب سے اوپر کینیبا تمام رات وہ اپنی جگہیں بدل بدل کر سردی سے محفوظ رہنے کی کوشش کرتے رہے۔ دوسری صبح سورج نکلا تو کینیبا اور پیریڈو اٹھ بیٹھے۔ کینیبا بولا۔

"اگر ایک رات اور اسی طرح گذارنی پڑی تو ہم میں سے ایک بھی زندہ نہیں رہے گا۔"

پیریڈو کھڑا ہو گیا اور شمال مشرق کی طرف دیکھتا ہوا بولا، "ہمیں آگے جانا ہے وہ سب ہم پر آس لگائے بیٹھے ہیں۔"

کینیبا پہاڑ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بولا، "دیکھو۔ یہ وادی مسلسل مشرق کی طرف جارہی ہے۔ مغرب کی طرف کوئی راستہ نہیں ـــــ ہم جو قدم اٹھاتے ہیں

وہ ہمیں چلی سے دور اور انڈیز کے پہاڑوں کے وسط کی طرف لے جاتا ہے۔"
"تمہیں کیا معلوم —— اگر ہم اس سمت میں سفر جاری رکھیں تو شاید......"
"خود کو دھوکہ مت دو" کینیسا جھلایا۔
"تو پھر —— ہم کیا کریں ؟" پیرہڈو نے پوچھا۔
"واپس چلیں گے۔ ٹیل کی بیٹریاں نکال کر انہیں جہاز تک لے جائیں گے۔ مرنے سے پہلے روئی نے بتایا تھا کہ انہیں ریڈیو سے منسلک کیا گیا تو وہ کام کرنے لگے گا۔"

پیرہڈو نے مشرق کی طرف دیکھا —— اسے امید کی کوئی کرن نظر نہ آئی۔ اس دوران وزنطین بھی اٹھ بیٹھا تھا۔ پیرہڈو نے اس سے مخاطب ہوتے ہوئے پوچھا،
"تمہارا کیا خیال ہے ٹن ٹن ؟"
"میرا کچھ خیال نہیں۔ تم دونوں جو فیصلہ بھی کر دگے۔ میری وہی رائے ہوگی۔"
"لیکن پھر بھی۔ کچھ رائے تو دو —— کیا ہمیں سفر جاری رکھنا چاہیے؟"
"ہاں چلو۔"
"ریڈیو چالو کرنے کی کوشش کے بارے میں کیا خیال ہے۔"
"ہاں ! ہاں ! کوئی حرج نہیں۔"
"کس بات میں —— سفر جاری رکھنے میں یا ریڈیو ٹھیک کرنے میں۔"
"جو بھی تم فیصلہ کرو۔"

پیرہڈو وزنطین کے اس رویے سے جھلا اٹھا اور اسے مجبور کیا کہ وہ دونوں میں سے کسی ایک کے بارے میں واضح رائے دے۔ بالآخر اس نے کینیسا کی رائے سے اتفاق کیا۔ کینیسا کہہ رہا تھا،

"جب ہم ایک روشن رات میں سردی سے جم گئے تھے تو کسی طوفان کی شکل میں ہم پر کیا گذرے گی —— سفر جاری رکھنا خودکشی ہے۔"
انہوں نے ٹیل کی طرف سفر شروع کیا گرچہ چڑھائی کی وجہ سے سفر خاصا مشکل تھا لیکن پھر بھی سہ پہر تک وہ ٹیل تک پہنچنے میں کامیاب ہو گئے اور جاتے ہی بکھرے ہوئے کپڑوں پر ڈھیر ہو گئے۔ ٹیل انہیں اتنی آرام دہ لگی کہ آئندہ دو دن انہوں نے وہیں گذارنے

کا فیصلہ کیا۔ یہاں وہ دن کے وقت سورج کی تپش سے اور رات کو سردی سے محفوظ رہ سکتے تھے لیکن ان کے گوشت کا راشن ختم ہو رہا تھا چنانچہ انہوں نے فیر چائلڈ کی طرف لوٹنے کا فیصلہ کیا۔ وزنطین اور کینیسا اوپر چڑھ کر بیٹریاں اتارنے لگے۔ تار بن الگ کر کے انہوں نے بیٹریاں ہیر یڈ و کو تھمائیں۔ وزنطین نے دیکھا کہ جہاز کے اندر درجہ حرارت مناسب سطح تک رکھنے والی ٹیوبیں ایک خاص قسم کی چادروں میں لپٹی ہوئی تھیں۔ یہ چادر پلاسٹک اور کسی خاص ریشے کی بنی ہوئی تھیں تقریباً دو فٹ چوڑی اور آدھا انچ موٹی یہ چادر انہیں سردی سے بچا سکتی تھی۔ وزنطین نے کوشش کر کے کچھ اکھاڑ لی کہ اور نہیں تو وہ اسے اپنی جیکٹ کے اندر کی طرف سی لے گا۔

کوکاکولا کے کریٹوں کو برف گاڑی کی طرح استعمال کرتے ہوئے انہوں نے ان سے نائلن کی رسیاں باندھ لیں اور بیٹریاں ان میں رکھ کر انہیں گھسیٹنے کی کوشش کی لیکن وہ اتنی بھاری تھیں کہ ایک انچ بھی نہ ہلیں۔ اوپر کی طرف جاتے ہوئے کچھ جگہوں پر ڈھلوانیں پینتالیس ڈگری تک ترچھی تھیں۔ انہیں فوراً ہی احساس ہو گیا کہ بیٹریاں جہاز تک لے جانا ناممکن ہے لیکن انہوں نے ہمت نہ ہاری۔ کینیسا نے انہیں بتایا کہ ریڈیو کو کیبن سے اتار کر بیٹریوں تک لانا آسان تھا۔

کینیسا اور وزنطین نے بیٹریاں اتار کر برف گاڑی میں گرم کپڑے اور سگریٹوں کے پیکٹ بھر لئے۔ سگریٹ کے ڈبوں کی تعداد تئیس تھی اور وہ آئندہ کئی روز تک ان کی ضرورت پوری کرنے کے لیے کافی تھے۔ اس دوران ہیر یڈ و ٹیل کے اندر گیا اور ناخن پالش سے جو ٹیل ہی میں ملی تھی اس نے جگہ جگہ یہ عبارت لکھ دی۔ ”اوپر جائیے ــــ اٹھارہ آدمی ابھی تک زندہ ہیں۔“

کینیسا نے بھی ٹیل کی مزید تلاشی لی۔ ایک جگہ اسے کچھ دوائیاں نظر آئیں۔ ان میں ”کارٹیزون“ بھی تھی جو دمہ کے لیے مفید ہے۔ سبیلا اور زربینو کو سانس میں دقت پیش آ رہی تھی ــــ اس نے اس سمیت ساری دوائیں اٹھا لیں ــــ دونوں باہر نکلے تو دیکھا کہ وزنطین غلطی سے برف گاڑی پر پیر رکھ کر اسے توڑ بیٹھا ہے۔ ہیر یڈ و کو غصہ آ گیا اور اس نے وزنطین کو کچھ سنائیں بھی لیکن کینیسا اس کی مرمت میں کامیاب ہو گیا اور تینوں نرم نرم برف پر سفر کرتے جہاز کی طرف روانہ ہو گئے۔

O

جن لڑکوں کو وہ پیچھے جہاز میں چھوڑ آئے تھے، ان کی غیر حاضری میں ان کے حوصلے بلند ہو گئے تھے۔ سب سے پہلی بات تو یہی احساس تھا کہ ان کی امداد کے لیے کچھ نہ کچھ کیا جا رہا تھا۔ ان سب کو یقین تھا کہ ان کے مہم جو افراد کہیں نہ کہیں سے مدد لے کر ہی لوٹیں گے۔ ان کے جانے سے جہاز میں گنجائش بھی بڑھ گئی تھی اور وہ قدرے آرام سے سو سکتے تھے کیفسا اور وزنظابن کے بغیر ویسے بھی کچھ سکون سا محسوس ہوتا تھا۔

O

کچھ لڑکوں کو مہم جو افراد بری طرح یاد آتے تھے۔ منچینو کیفسا کی "پناہ" سے محروم ہو گیا تھا۔ لیکن اب اسے اس کی ضرورت بھی نہ رہی تھی کیونکہ اس کا رویہ قدرے بہتر ہو گیا تھا اپنی ٹانگ کے بارے میں وہ اتنا حساس نہیں رہا تھا۔ جیویر متھول جیسے اس نے ایک بار کہا تھا کہ وہ اس کا باپ ہوتا تو اس کی پٹائی کرتا، اب اس کا راز داں بن گیا تھا۔ وہ اسے بتاتا کہ گھر میں وہ اپنے بھائی کو مارتا تھا اور سوپ اس کی پسند کا نہ ہوتا تو وہ اٹھا کر پھینک دیتا تھا لیکن اب —— کاش کہ اس جیسا سوپ ہی میسر آجاتا۔

ان سب کو یہ احساس تھا کہ وہ گناہوں سے پاک ہونے کے تجربے سے گذر رہے تھے ایک دن ڈیلگاڈو، ٹرکاٹی، زربینو اور فیٹو سٹراچ میں اس موضوع پر باقاعدہ بحث ہوئی۔ ان کا کہنا تھا کہ یسوع مسیحؑ چالیس دن تک صحراؤں کی خاک چھانتے رہے تھے اور جہاز کو حادثہ پیش آئے بھی چالیس دن پورے ہونے کو تھے اس لیے ان کی مصیبت کے دن بھی ختم ہونے کو تھے اور یہ بات ثابت کرنے کے لیے کہ دکھوں نے واقعی ان کی روحوں کو پاک کر دیا تھا وہ کوشش کرتے تھے کہ ان میں جھگڑا بالکل نہ ہو اور وہ پیار محبت سے رہیں۔

ان کے جھگڑے سنجیدہ نوعیت کے نہیں ہوتے تھے۔ ان کے دکھ مشترک تھے، حوصلے جدا لیکن دکھوں کے اشتراک نے انہیں ایک دوسرے کے بہت قریب کر دیا تھا۔ رات کو وہ سونے سے پہلے دعا کرتے تو نہ صرف تمام جھگڑے بھلا دیتے بلکہ ان سب پر ایسی کیفیت طاری ہوتی جیسے وہ سب ایک ہیں۔ خدا سے قربت کا احساس بھی بڑھ جاتا۔ ابوالایخ کو اب وہ ایک معجزہ سمجھنے لگے تھے جس کے ذریعے خدا نے ان کی خوراک کی کمی دور کر دی تھی۔

وہ مرنے والوں کے لیے یکساں احترام محسوس کرتے تھے جو زندگی میں اپنا رول ختم کرکے خدا کے ہاں چلے گئے تھے اور اب اپنے جسموں سے ان کی ضرورت پوری کر رہے تھے۔ اگر ممکن ہوتا تو وہ مرنے والوں سے جگہیں بدلنے کو تیار تھے بلکہ ڑکالی کا کہنا تھا کہ مر کر زندہ رہنے والوں کے کام آنا نسبتاً آسان تھا۔

نیوماٹر کانی بدستور حوصلہ ہار رہا تھا۔ مہم پر نہ جانے کا اسے سخت قلق تھا اور اس کا غصہ وہ خود پر نکالتا رہتا تھا۔ جب اسے مہم پر جانے کے لیے چنا گیا تو وہ دوسروں کی خاطر کراہت کے باوجود کچا گوشت کھا جاتا تھا لیکن اب جب کہ وہ دوسروں کے کسی کام کا نہیں رہا تھا۔ گوشت سے اس کی کراہت لوٹ آئی تھی اور کھانے میں سخت دشواری محسوس کرتا تھا۔ اس کا راشن دوسروں کے برابر ہی ہو گیا تھا لیکن اس سے یہ ختم نہ ہوتا تھا بلکہ اس نے کھانا بھی چھوڑ دیا۔ جب سٹراچ برادران نے زبردستی کی تو وہ اِدھر اُدھر چھپا کر کہہ دیتا کہ اس نے گوشت کھا لیا ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ تیزی سے کمزور ہونے لگا اور اس کی ٹانگ کا زخم مزید خراب ہونے لگا۔ کینیسا نے اس کے چھالوں میں سے پیپ تو نکال دی تھی لیکن زخم بھر نہیں رہا تھا۔ اس زخم کی آڑ لے کر وہ سارے دن بیکار بیٹھا رہتا۔ اس کا دماغ اس کی جسمانی کمزوری کی نسبت زیادہ تیزی سے مفلوج ہو رہا تھا۔ آہستہ آہستہ اس نے وہ کام کرنے بھی چھوڑ دیے جو وہ اپنی ذات کے لیے بآسانی کر سکتا تھا۔ مثلاً کمبل قریب ہی پڑا ہے لیکن بجائے خود اٹھانے کے وہ کسی اور کو کہے گا کہ کمبل اٹھا کر اس پر ڈال دے۔ ایک بار وہ باہر بیٹھے تھے اس نے فیٹو سے کہا کہ وہ اٹھنے میں اس کی مدد کرے فیٹو نے یہ کہتے ہوئے انکار کر دیا کہ وہ خود اٹھ کر کھڑا ہو سکتا ہے ——— اور واقعی چند لمحوں بعد وہ اٹھا اور ایک ٹانگ پر اچھلتا جہاز کے اندر چلا گیا۔ وہ دوسروں سے ناراض نہیں تھا، وہ خود سے ناراض تھا لیکن اسے نکالتا دوسروں پر تھا جیسے کہہ رہا ہو، "تم ٹھیک ہو۔ میں کمزور ہوں۔ بیکار شخص ہوں لیکن ذرا دیکھتے رہو ——— میں مزید کمزور اور بیکار ہو سکتا ہوں۔"

ریفائیل الشیورین کا معاملہ برعکس تھا۔ اس کے حوصلے بلند تھے لیکن اس کی ٹانگ روز بروز خراب ہوتی جا رہی تھی۔ اس کی پوری ٹانگ سیاہ ہو چکی تھی اور جگہ جگہ اس میں پیپ بھری ہوئی تھی چونکہ وہ باہر نہیں جا سکتا تھا اس لیے مجبوراً اندر ہی رہتا جہاں سیلن اور

نمی کے سوا کچھ نہ تھا۔ اس ہوا میں سانس لیتے لیتے اس کی صحت گرنے لگی اور سانس لینے میں دشواری پیش آنے لگی۔ ایک رات فرینڈیز نے اسے جھولے سے نیچے اتار لیا کہ وہاں سردی زیادہ تھی لیکن نیچے آکر لیٹنے سے اسے شدید درد محسوس ہوا چنانچہ اسے دوبارہ اوپر لٹا دیا گیا ——— وہ رات تو اس نے گذار لی لیکن دوسری رات وہ بہکنے لگا، "میں تو چلا ڈبل روٹی اور کوکا کولا خریدنے ——— کون دے گا میرا ساتھ۔" پھر وہ چلانے لگا، "پاپا، پاپا ——— میں یہاں ہوں ——— یہاں ——— اندر۔ اندر آجائیں نا ——— پاپا پاپا پاپا۔"

پیٹنر اس کے قریب گیا اور سمجھاتے ہوئے بولا، "جو کچھ بھی تم کہنا چاہو ——— بعد میں کہہ لینا لیکن آؤ پہلے مریم بی بی سے دعا مانگ لیں ——— خدا تمہارا حامی و ناصر ہو۔ دعا دہراؤ۔"

ایشیوبرن نے آنکھیں پھیلا کر پیٹنر کی طرف دیکھا اور پھر اس کے ہونٹ ہلنے لگے۔ وہ دعا کے الفاظ دہرا رہا تھا۔ دعاؤں کے دوران وہ پرسکون ہو گیا۔ بعد میں پیٹنر انسیارٹی کے پہلو میں جا کر لیٹ گیا، ایشیوبرن کی دیوانگی پھر لوٹ آئی، "دکانوں تک کون چلے گا میرے ساتھ؟ کون ساتھ دے گا میرا؟"

"بھئی میں تو نہیں جا رہا۔" کوئی چیخا ——— "کل تک تو انتظار کر لو" کسی اور نے مشورہ دیا۔ جلد ہی اس نے بولنا بند کر دیا۔ اب اس کی سانس کی خرخراہٹ سنائی دے رہی تھی۔ یوں لگتا تھا اسے سانس لینے میں بہت مشکل پیش آ رہی ہے۔ تھوڑی دیر بعد یہ خرخراہٹ بلند ہو گئی اور پھر یک لخت ختم ہو گئی۔ زربنیو اور پیٹنر تیزی سے اٹھے اور اس کا سینہ دبا دبا کر سانس بحال کرنے کی کوشش کی۔ پیٹنر آدھ گھنٹے تک اس سے گتھم گتھا رہا لیکن باقی لڑکوں کو چند منٹوں بعد ہی احساس ہو گیا تھا کہ ایشیوبرن انہیں چھوڑ گیا ہے۔

ایشیوبرن کی موت سے ان سب پر گہری اداسی طاری ہو گئی۔ ہر ایک یہ سوچنے لگا کہ وہ بھی مر سکتا ہے۔ فیٹو اپنی خونی بواسیر کے ہاتھوں بے کس پڑا سوچ رہا تھا، شاید اب اس کی باری ہے۔ اس نے خدا کو بہت ہی قریب محسوس کیا وہ چپکے چپکے دعا کرنے لگا، اپنے لیے، اپنی آسان موت کے لیے اور دوسروں کی بھلائی کے لیے۔

دوسری صبح جس احساس نے اس کا دل بڑھایا یہ تھا کہ رحم پر جانے والے اب کہیں نہ

کہیں پہنچ گئے ہوں گے اور ایک دو دنوں بعد ہیلی کاپٹروں کا ایک پورا قافلہ آئے گا اور انہیں اڑا لے جائے گا۔ اس احساس نے سبھی کے حوصلے بلند کر رکھے تھے۔ لیکن ——— اسی شام ان میں سے ایک نے شمال مشرق کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بتایا کہ ان کے ساتھی لوٹ رہے ہیں۔ ان کے لوٹنے کا مطلب تھا کہ مہم ناکام رہی تھی ——— فیٹو کا جی چاہا کہ وہ دیوانہ وار برف میں بھاگ کر چیختا پھرے، خدا نے اسی لیے ان کی ہمتیں بلند کی تھیں کہ پھر انہیں مایوسی کی انتاہ گہرائیوں میں پٹخ دے۔ وہ چیخنا چاہتا تھا، رونا چاہتا تھا لیکن بت بنا دوسروں کے ساتھ کھڑا رہا سب ساکت ہوئے ان سایوں کو اپنی طرف بڑھتا دیکھ رہے تھے۔ ان کے چہروں پر موت کی زردیاں کھنڈ گئی تھیں۔

سب سے آگے کینیسا تھا، اس کے پیچھے پیریڈو اور وزنٹلیں۔ کینیسا قریب آیا تو چلایا، "اے لڑکو——— ہم نے جہاز کی ٹیل پالی ہے ——— سوٹ کیس، کپڑے، ..... سگرٹیں!" اس کے نعرے سے باقی لڑکوں کی جان میں جان آئی۔ انہوں نے ساری تفصیلات سنیں۔ کینیسا کہہ رہا تھا، "وادی تو مغرب کی طرف مڑتی ہی نہیں۔ سفر کرنا بہت مشکل ہے۔ بس اب ہمیں یہ کرنا ہے کہ ریڈیو کو وہاں بیٹریوں تک لے جائیں۔ اس خوش خبری پر سب کھل اٹھے۔ خوشی کے مارے وہ رونے لگے، انہوں نے ایک دوسرے کو گلے سے لگا لیا۔ پھر وہ برف گاڑی کے گرد اکٹھے ہو گئے، گرم کپڑے تھے، پاجامے پتلونیں، سوئٹر، جرابیں۔ پانچو ڈیلگاڈو نے سگرٹوں کا چارج سنبھال لیا۔

۶

مامتا

جس دن فیرچائلڈ سے پہلی مہم مدد کی تلاش میں بھیجی گئی تھی، اسی دن میڈیلون روڈ ریگویز اور سٹیلا پیریز چلی آپہنچیں۔ ان کے ساتھ ریفائیل کا والد ریکارڈو ایشیوین، مارسیلو کا بھائی جوآن مینوئل پیریز اور یوراگوئے کی قومی فضائی کمپنی کا بہترین پائلٹ رال راڈ ریگویز ایسکیلاڈا بھی تھا۔ سٹراچ خاندان کے دو بھائی بھی ان کے ساتھ آنا چاہتے تھے لیکن بلڈ پریشر کی تکلیف کی وجہ سے انہیں پیچھے ٹھہرنے کا مشورہ دیا گیا۔

میڈیلون کو اس بات پر سخت غصہ تھا کہ سراکو نے جیرارڈ کروئی سے جونیر کے بیانات پر شک و شبے کا اظہار کیا تھا۔ وہ سراکو کو جھوٹا اور غلط ثابت کرنا چاہتی تھی۔ اسے اور سٹیلا پیریز کو پورا پورا یقین تھا کہ ان کے بیٹے زندہ ہیں —— ان کے ساتھ جو مرد تھے انہیں حادثے کا شکار ہونے والوں کے بارے میں زندگی کی امید تو نہیں تھی لیکن یہ بات وہ بہرحال جاننا چاہتے تھے کہ فیرچائلڈ کہاں گرا، کہاں گیا۔

اٹھارہ نومبر کو وہ ٹالکا کے پہاڑ پر پہنچے اور ڈیلسکا بنیرا دو گرینڈ کے ارد گرد تلاش شروع کر دی۔ پہلے انہوں نے ایک جہاز کرایہ پر حاصل کیا اور اس علاقے پر کئی مرتبہ پرواز کی۔ فضا سے مشاہدہ کرتے ہوئے لیگونا ڈیل آلٹو کے قریب انہوں نے ایسا قطعہ زمین دیکھا جو اس ڈرائنگ سے کافی مشابہت رکھتا تھا جو جیرارڈ کروئی شے نے بھجوائی تھی۔ وہ ٹالکا پہاڑ پر واپس آئے اور گائیڈوں کو ساتھ لے کر گھوڑوں پر اس علاقے کی طرف روانہ ہو گئے۔ یہ گھوڑے ان علاقوں میں چلنے کے لیے خاص طور پر سدھائے ہوئے تھے البتہ یوراگوئے کے شہریوں کو چکر آنے لگے تھے۔ انہوں نے آنکھوں پر پٹیاں باندھ لیں اور سفر جاری رکھا —— کافی دور چلنے کے بعد انہیں ایک اور ایسا نشان ملا جو کروئی سے کے بیان سے ملتا جلتا تھا، ایک بورڈ پر لکھا تھا، "خطرہ" —— اس

بورڈ کے قریب ہی ایک پہاڑ تھا جس کی چوٹی نہیں تھی۔ ایسا لگتا تھا کہ وہ منزل مقصود کو پانے میں کامیاب ہو جائیں گے لیکن یہ ٹالکا پہاڑ سے صرف ایک دن کے فاصلے پر تھا۔ وہ یہاں گرتے تو کبھی کے نکل آتے ـــــ تلاش بے سود رہی اور وہ لوٹ آئے۔ واپسی پر انہیں ہالینڈ کا ایک سیاح ملا۔ بولا، "تم شاید فیر چائلڈ کو تلاش تو کر لو ـــــ لیکن اس پر صرف گدھ منڈلا رہے ہوں گے"ـــــ وہ انسانوں سے نہیں ماسا کے جذبات سے مخاطب تھا، سوائے جھاڑکے اسے اور کیا ملتا۔

سانٹیاگو میں یوراگوئے کے ناظم الامور ملیسز رشار لون کو بھی اس مہم کی کامیابی کی کوئی امید نہیں تھی۔ پچیس نومبر کو وہ سانٹیاگو واپس پہنچے تو اس نے انہیں بتایا کہ وہ چلی کی حکومت سے یہ درخواست کرنے میں ندامت محسوس کرتا تھا کہ انہیں روزانہ دس امریکی ڈالر چلی کی کرنسی سے بدلنے کی اجازت دی جائے یہ قوانین کے خلاف بات تھی۔ میڈیلون اور سٹیلا اس پر سخت برافروختہ ہوئے کیونکہ یوراگوئے سے روانگی سے قبل وہ وزارت خارجہ گئے تھے اور انہیں یقین دلا یا گیا تھا کہ شارلون کو اس سلسلے میں خصوصی اجازت حاصل کر لینے کی ہدایت کر دی جائے گی۔

اب تک کے اخراجات کا بل تقریباً ساڑھے پانچ سو امریکی ڈالر بنتا تھا۔ شارلون کے رویے سے انہیں سخت ذہنی صدمہ پہنچا لیکن دونوں عورتیں ہٹ کی پکی تھیں۔ سٹیلا پیریز بلینکو خاندان کی باوقار بیٹی تھی۔ اس نے میڈیلون کو ساتھ لیا اور سیدھی چلی کی وزارت خارجہ جا پہنچی۔ وہاں وزیر خارجہ کلوڈومیرو المائدہ نے خود ان سے ملاقات کی، ان کی بات غور سے سنی اور فوراً ہی ایک خط لکھ دیا جس کے مطابق انہیں امریکی ڈالر لے جانے کی خصوصی اجازت تھی اس اجازت سے ان کے مالی مسائل حل ہو گئے۔ وہ اسی روز مونٹی ویڈیو واپس آگئیں۔

پیئر ویلار و برازیل جا چکا تھا اور جہاز گرنے کے بعد پہلی بار وہ وقت آیا جب کوئی بھی جہاز تلاش نہیں کر رہا تھا لیکن دونوں عورتوں نے یہ ضرور کیا تھا کہ واپسی سے پہلے انہوں نے چھوٹے چھوٹے اشتہار چھپوائے جن میں اعلان کیا گیا تھا کہ جو بھی گمشدہ جہاز کی اطلاع دے گا اسے تین لاکھ "ایسکوڈو" (چلی کی کرنسی) انعام دیا جائے گا۔ یہ اشتہارات ٹالکا پہاڑ کے ارد گرد گرا دیئے گئے تھے۔

کروئی سے جوئیر کا اعتبار اٹھتا جا رہا تھا۔ اس نے آخری بیان یہ دیا تھا کہ مراقبے میں

اس نے جہاز بالکل خالی دیکھا تھا۔ اس میں کوئی ذی روح موجود نہ تھا۔ مامتا کی ماری ماؤں نے اس کا یہ مطلب نکالا تھا کہ ان کے بیٹے مدد کی تلاش میں کسی سمت روانہ ہو گئے ہیں جب کہ ریفائیل کی رائے یہ تھی کہ سب کے سب داعی اجل کو لبیک کہہ گئے۔ اس نے یونس ڈی بیون کے ریڈیو پر آخری بار کردئی سے رابطہ قائم کیا اور اس پر زور دے کر پوچھا کہ اس کی کیا رائے بنتی ہے۔ اس نے یہ کہہ کر ٹالنا چاہا کہ اس کا جہاز سے رابطہ قائم نہیں ہو رہا —— ریفائیل نے اس سے کہا۔

"میری ذاتی رائے یہ ہے کہ وہ سب مر گئے !"

"یقین سے کچھ نہیں کہا جا سکتا۔" کردئی سے نے ٹیلیفون پر جواب دیا۔

"دیکھو ! یہاں لڑکوں کے قریبی رشتہ داروں میں کوئی بھی موجود نہیں ہے تم مجھے صاف صاف بتاؤ کہ جہاز کا کیا بنا ؟" ریفائیل نے پوچھا۔

کچھ دیر خاموشی رہی —— پھر کردئی سے بولا، "میرا ذاتی خیال ہے کہ وہ سب مر چکے ہیں !"

اس کے بعد جیراڈ کردئی سے ان کا رابطہ ختم ہو گیا۔ اس کی روحانی قوتوں پر اعتبار جاتا رہا، لیکن خدا پر اعتماد باقی تھا۔ لڑکوں کی مائیں بہنیں اور منگیتر اور زیادہ خضوع و خشوع سے دعائیں مانگنے لگیں۔ روزینہ اور سارہ سٹراچ گروبندال کی مریم کے توسط سے دعائیں مانگتیں اور ہر سہ پہر کیرا اسکو والے گھر میں جمع ہو کر اجتماعی دعائیہ نظم پڑھتیں۔ میڈیلون اپنی ماں اور دو بیٹیوں کے ہمراہ دعائیں مانگتی۔ کبھی کبھی سوسانہ سارتوری، روزینہ ہلشٹیلی اور رائنس کلیرک بھی ان کے ساتھ آ شامل ہوتیں۔ تینوں کو یقین تھا کہ ان کے ہونے والے شوہر ضرور واپس آئیں گے۔

غیبی امداد پر یقین کے ساتھ ساتھ ان کے ذہنوں میں یہ سوال ابھی تک کلبلا رہا تھا کہ آخر جہاز گیا کہاں —— رابرٹو کی والدہ میکا کیفیسا نے یہ خیال پیش کیا کہ عین ممکن ہے جہاز کو چلی کے دہشت پسندوں نے اغوا کر لیا ہو اور اب وہ تمام کے تمام جنوبی چلی میں کہیں قید ہوں۔ شاید تو پامیرو کے دہشت پسند ان کی رہائی کے بدلے کسی بڑی رقم کے مطالبے کے لیے مناسب وقت کے منتظر ہیں۔ یوراگوئے اور چلی دونوں ملکوں میں سیاسی حالات سخت مضطرب تھے چنانچہ یہ خیال جلد ہی تقویت پکڑ گیا اور لوگوں نے پائلٹوں کے

سیاسی پس منظر کا کھوج لگانا شروع کیا لیکن دونوں پائلٹوں کے بارے میں سوائے اپنے پیشے سے لگن کے اور کوئی چیز ہاتھ نہ آئی۔ لڑکوں میں سے کوئی کسی سیاسی قوت کا آلہ کار بنتا، یہ بات بھی خارج از بحث قرار دی گئی۔ لے ڈے کے ایک سنورا مار یانی رہ جاتی تھی جو اپنی بیٹی کی شادی میں شرکت کے لیے چلی جا رہی تھی کوشش کی گئی کہ اس بات سے افسانے تراشے جائیں کہ دراصل وہ یوراگوئے سے جلا وطن ہونا چاہتی تھی لیکن اس کے مخصوص گھریلو حالات اور خالص خانگی دلچسپیوں کے پیش نظر اس بات کو بھی احمقانہ قرار دے دیا گیا۔

یکم دسمبر کو مونٹی ویڈو کے ایک اخبار میں یہ خبر چھپی کہ یوراگوئے فضائیہ فیرچائلڈ کی تلاش میں ایک جہاز چلی بھیج رہی ہے اور یہ جہاز ٹنگوی ریریکا آتش فشاں پہاڑ کے اردگرد پرواز کرتے ہوئے فیرچائلڈ کا سراغ لگانے کی کوشش کرے گا۔ اس خبر کی سرکاری طور پر تصدیق نہ ہو سکی لیکن ماؤں میں ایک بار پھر جوش و خروش کی لہر دوڑ گئی۔ وہ اپنے اپنے شوہروں کے پیچھے پڑ گئیں کہ وہ اپنی سی کوشش تو کریں کہ یہ خبر سچی نہ سہی، یوراگوئے کو اپنا جہاز ضرور بھیجنا چاہیے۔

پانچ دسمبر کو زربینو، کینیسا سراگو، فرننڈیز، الیشیو برن، نکولک، ایڈورڈ اور روڈر یگویز السیکالینڈا یوراگوئے فضائیہ کے کمانڈر ان چیف بریگیڈیر پیریز کالداس سے ملے اور تفصیل سے ان کوششوں کا ذکر کیا جو وہ فیرچائلڈ کی تلاش میں اب تک کر چکے تھے۔ انہوں نے بتایا کہ ٹانکا پہاڑ کے اردگرد کا سارا علاقہ انہوں نے چھان مارا تھا اور اب کروئی سے کی پیشین گوئیوں کا انہیں کوئی اعتبار نہیں تھا۔ ان کا کہنا تھا کہ سرکاری طور پر تلاش ٹنگویریریکا پہاڑ کے علاقے میں ہونی چاہیے کیونکہ انفرادی وسائل سے ان کے لیے یہ ممکن نہیں تھا۔

پیریز کالداس نے ایک ماتحت افسر کو بلایا جو سانٹیاگو سے واپس آیا تھا۔ وہاں وہ ایس اے آر کی ایک ٹیم کے ساتھ مل کر حادثے کی فنی تحقیقات میں حصہ لیتا رہا تھا۔ اس نے اور پہاڑوں کی صورت حال پر جو رپورٹ دی اس کے مطابق فروری سے پہلے کچھ کرنا لاحاصل تھا۔ اس کا کہنا تھا کہ اینڈیز کے پہاڑوں پر گذشتہ تیس سالوں میں اتنی برف نہیں پڑی تھی۔ جتنی اس سال پڑی تھی۔ فیرچائلڈ اگر ان پہاڑوں میں گرا تھا تو یقیناً گزوں برف نیچے دب گیا ہو گا اور کسی کے زندہ رہنے کا کوئی سوال ہی پیدا نہ ہونا تھا۔

بریگیڈیر پیریز کالداس ان آٹھ افراد کی طرف متوجہ ہوا جو اس کے سامنے بیٹھے تھے۔

اس کا خیال تھا کہ وہ اس کے ماتحت افسر کے بیان پر یقین کریں گے۔ وہ سب دلوں میں تو اس کی بات مانتے تھے لیکن اس کے باوجود ان کا اصرار تھا کہ تلاش کے لیے کچھ نہ کچھ کیا جائے اور وہ بھی فوری طور پر۔ انہوں نے اسے بتایا کہ بچوں کی مائیں اور منگیتر کس ذہنی عذاب میں مبتلا تھیں ـــــ بحث جاری رہی۔ بالآخر بریگیڈیر کالیداس اٹھ کھڑا ہوا اور ٹھہرے ٹھہرے لہجے میں بولا۔

"آپ کا کام تھا درخواست کرنا، میرا کام تھا فیصلہ دینا ـــــ میں فیصلہ کر چکا ہوں" سب کے چہرے تن گئے۔

"یوراگوئے فضائیہ کا ایک طیارہ آپ کے اختیار میں دیا جاتا ہے"۔

تلاش کی آخری کوششوں کا یہ نقطہ آغاز تھا۔

○

ہارتے حوصلے ایک دفعہ پھر بلند ارادوں میں بدل گئے جب یہ خبر پھیلی کہ یوراگوئے فضائیہ کا ایک خصوصی سی ـــ ۴۷ طیارہ فیر چائلڈ کی تلاش میں روانہ ہو رہا ہے۔ کئی والدین نے اس تلاش میں شرکت کے لیے رضا کارانہ اپنی خدمات پیش کیں۔ پیئیز ویلارو ان دنوں برازیل میں تھا اور گرچہ جہاز میں عملے کے علاوہ صرف پانچ افراد کی گنجائش تھی، اس کی خواہش تھی کہ وہ ان پانچ میں سے ایک ہو۔ گذشتہ کوششوں کی وجہ سے اسے نظر انداز نہ کیا جاسکتا تھا۔ ریمن سیبلا نے جانے کی خواہش ظاہر کی لیکن اس کے ڈاکٹر نے اسے رک جانے کا مشورہ دیا۔ اس طرح پیئیز ویلارو کے علاوہ جو چار افراد جہاز میں ساتھ جانے کے لیے منتخب کئے گئے وہ تھے، روڈریگویز الیسکالیڈا، رابرٹو کینیسا، رائے ہارلے اور گسٹاف نکولک کے والد ـــــ تلاش کی کوششوں میں صرف یہی افراد شامل نہیں تھے، متھول، ابیل، پیریڈو اور ویلیٹیا کے خاندانوں کے علاوہ دوسروں نے بھی چندہ کر کے پیسے اکٹھے کئے اور ان کے حوالے کئے۔ ریفائیل پونس ڈی لیون نے اپنے ریڈیو کی مدد سے مسلسل ان سے رابطہ قائم رکھا۔

آٹھ دسمبر کو والدین کا ایک گروپ فضائیہ کے ایک اڈے پر گیا تاکہ سی ـــ ۴۷ کے پائلٹ میجر روبن طبیرا سے تلاش کی مہم کی باقاعدہ منصوبہ بندی کر سکیں۔ اسی دن پیئیز ویلارو بھی برازیل سے وہاں پہنچ گیا۔ دونوں تک روانگی کے انتظامات اور تفصیلات طے ہوتی رہیں۔

دس دسمبر کو نکولک خاندان کے بڑے بنگلے میں مہم پر ساتھ جانے والے افراد سمیت لڑکوں کے رشتہ داروں کا ایک اجتماع ہوا۔ جہاز کے دونوں پائلٹ بھی یہاں مدعو کیے گئے تھے۔ وہ تمام ساز و سامان جو اب تک اکٹھا کیا گیا تھا ایک بڑی میز پر رکھا ہوا تھا —— ڈاکٹر کسراکو نے تفصیل سے نقشوں کی مدد سے سمجھایا کہ جہاز اگر گرا ہے تو ٹنگویریکا اور سوسنیاڈو کے پہاڑوں میں ہی گرا ہوگا کسی نے اس کے بیان پر اعتراض نہ کیا۔ ٹالکا اور ولیشنز پہاڑ نظر انداز کر دیے گئے۔ حقیقتیں پیشین گوئیوں اور ٹامک ٹوئیوں پر غالب آ رہی تھیں۔

یہ اجتماع شام تک جاری رہا۔ بعد میں سٹراپح خاندان کے دو جوڑے ہارلے کے گھر گئے اور رات گئے اس مہم کی کامیابی کے بارے میں گفتگو کرتے رہے۔ انہیں یقین تھا کہ اس تلاش میں ان کے بیٹے ضرور مل جائیں گے۔ لیکن گفتگو کے آخر میں والٹر ہارلے روز بینہ سٹراپح کی طرف مڑا اور بولا۔

"میں اینڈیز کے پہاڑوں کے سینوں پر مونگ دلنے جا رہا ہوں۔ میں چپہ چپہ چھان ماروں گا لیکن میری ایک درخواست ہے۔ اگر اس دفعہ بھی ہم ناکام ہو گئے تو تم یہ حقیقت تسلیم کر لینا کہ اب ان کی زندگی کی کوئی آس باقی نہیں رہی۔ اگر ہم خالی ہاتھ لوٹ آئیں تو جھوٹی توقعات کو بھی ختم ہو جانا چاہیے"؟

دوسری صبح گیارہ دسمبر کو صبح چھ بجے سی —— ۴۷ سانٹیاگو سے اڑا۔ پائلٹ میجر روبن طیرا اسے اڑا رہا تھا اور عملے کے چار افراد کے علاوہ اس میں پیئز دیلارو، کینیسا، ہارلے، نکولک اور رودڑیگو نیرالیسکا لیڈا سوار تھے۔ اتنی صبح ہونے کے باوجود کئی لڑکوں کے والدین انہیں الوداع کہنے ایئر پورٹ آ پہنچے تھے۔

یہ جہاز فوجی جہاز تھا اور اس کی نشستیں زیادہ آرام دہ نہیں تھیں۔ پانچ کے پانچ بوڑھے افراد لکڑی کے بنچوں پر بیٹھے ہوئے تھے۔ لیکن وہ مطمئن تھے۔ فیئر چائلڈ گم ہو لے کے بعد انہیں پہلی بار ایسا ذریعہ ہاتھ آیا تھا جس کی مدد سے وہ اینڈیز کی بلند چوٹیوں پر تلاش کر سکیں۔ پریس کی اطلاعات کے مطابق اس جہاز

میں خصوصی سازوسامان فٹ کیا گیا تھا تاکہ بلند چوٹیوں پر اڑتے ہوئے اسے کوئی دقت پیش نہ آئے۔ سانس میں دقت کی شکل میں آکسیجن کا بندوبست بھی کیا گیا تھا۔

وہ جب دریائے پلیٹ کے اوپر پہنچے تو پئیئر ویلارو نے ایک اخبار اٹھا لیا جس میں اس مہم پر ایک تفصیلی مضمون لکھا تھا۔ وہ چند سطریں پڑھتا پھر ان چیزوں کی تلاش میں جہاز پر نگاہ ڈالتا جن کا اخبار میں ذکر کیا گیا تھا۔ مضمون کے مطابق کسی بھی مہم کے لیے یہ بہترین جہاز تھا جو یوراگوئے فضائیہ نے مہیا کیا تھا۔ پئیئر نے جھنجھلا کر اخبار ایک طرف اچھال دیا۔ اسے نظر آ رہا تھا کہ تلاش میں دلچسپی رکھنے والے تو وہ صرف پانچ ہی تھے۔ فضائیہ نے صرف جہاز ہی دیا تھا اور وہ بھی اتنے دنوں بعد اخبارات نے آسمان سر پر اٹھا لیا تھا۔

پئیئر سوچنے لگا کہ پائلٹ کی اس مضمون کے بارے میں جانے کیا رائے ہے۔ وہ اٹھ کر پائلٹ کیبن میں گیا۔ اس نے دیکھا کہ وہ ارجنٹینا کے ساحل تک پہنچ گئے تھے اور بیونس آئرز پر پرواز کرنے ہی والے تھے۔ اس نے اخبار پائلٹ کے سامنے لہرایا اور پوچھا،

"تم نے یہ مضمون دیکھا ہے؟"

"ہاں"

"کیا رائے ہے تمہاری؟"

"اچھا مضمون ہے۔"

پئیئر نے شانے اچکائے۔ پائلٹ نے اسے دیکھا اور وضاحت کرنے لگا،

"یہ بڑا طاقتور جہاز ہے۔ اگر اس کا ایک انجن بند بھی ہو جائے تو میں ایک انجن پر نیچے اتر سکتا ہوں۔"

عین اس لمحے جہاز کو ایک جھٹکا لگا اور وہ لرزنے لگا۔ پئیئر نے مڑ کر ونگ کی طرف نگاہ کی تو دیکھا کہ دائیں طرف والا انجن واقعی بند ہو چکا تھا اور اس کے پنکھے رک رہے تھے۔ وہ پائلٹ کی طرف مڑا اور بولا،

"لو انجن بند ہو گیا۔"

انہیں مجبوراً ایل پالومر کے فوجی اڈے پر اترنا پڑا جہاں سے دو بن طیارے

مونٹی ویڈو کو سگنل بھیجا کہ فوری طور پر سی ــــ ۲۷ کے لیے نیا انجن بھیجا جائے۔ لیکن مسافر اتنی دیر انتظار نہ کر سکتے تھے۔ کب انجن آتا، کب فٹ ہوتا اور جانے کب وہ پرواز کرتے۔ انہوں نے ایک ہلکا جہاز چارٹر کیا، عزیزیہ پہنچے اور وہاں سے ایک فضائی کمپنی کے طیارے کے ذریعے سانتیاگو پہنچ گئے۔ وہ شام کے سات بجے ہوائی اڈے پر اترے اور سیدھے ایس اے آر کے ہیڈ کوارٹر پہنچ گئے۔

انہیں دیکھتے ہی ایس اے آر کا کمانڈر ماسا بولا، ''تم پھر آ گئے۔ بھئی یہ کوئی وقت نہیں ہے تلاش کا۔ میں نے آپ لوگوں کو بتایا تھا کہ جب مناسب وقت ہوگا ہم خود بلا لیں گے آپ کو۔''

کمانڈر کی حیرانی بجا تھی۔ اینڈیز کے پہاڑوں میں کسی جہاز کا گم ہونا اتنی حیران کن بات نہیں تھی لیکن گم ہونے کے دو ماہ بعد اس کی تلاش میں جانا سراسر حماقت تھی۔ ۱۹۶۸ء میں جب امریکی فضائیہ کا ایک ڈی سی ــــ ۳ طیارہ ان پہاڑوں میں گم ہوا تھا، تب بھی انہوں نے اتنی دیر تک تلاش جاری نہیں رکھی تھی۔ لیکن ان تمام حقائق کے باوجود کچھ افراد اس کے آفس میں گھس آئے تھے اور تمام تر دلائل کے باوجود واپس جانے کے لیے تیار نہ تھے۔ والٹر ہارلے نے کہا،

''کمانڈر مجھے بتاؤ کیا ایسا نہیں ہو سکتا کہ جہاز خراب ہو گیا ہو اور پائلٹ نے ہنگامی طور پر اسے برف ہی میں اتار لیا ہو؟''

کمانڈر بولا، ''ہنگامی طور پر برف میں اترنے کا اتفاق تو ہو سکتا ہے لیکن اس کے امکان ہزار میں دو ہیں۔''

ہارلے بولا، ''ہزار میں ایک بھی ہو تو ہمارے لیے کافی ہے۔''

یوراگوئے کے شہریوں اور ایس اے آر کے کمانڈر میں بحث جاری رہی۔ وہ ان کی بات بڑے غور اور نرمی سے سن رہا تھا لیکن سوائے جذباتیت کے اسے ان کے دلائل میں کوئی وزن نظر نہ آتا تھا۔ اس کا کہنا تھا کہ برفانی چوٹیوں پر ہیلی کاپٹروں کی اونچی پرواز خطرناک ثابت ہو سکتی تھی اور وہ بغیر کسی وجہ کے اپنے پائلٹوں کی جانیں خطرے میں نہیں ڈال سکتا تھا۔ اس نے کہا کہ اگر انہیں فیر چائلڈ کے کسی خاص علاقے میں گرنے کی اطلاع ملی ہو تو وہ اسے بتائیں وہاں تو وہ ہیلی کاپٹر بھیج سکتا تھا لیکن بغیر

کسی شہادت کے ہیلی کاپٹروں کی روانگی محال تھی۔

پانچوں اپنے ہوٹل واپس آ گئے لیکن انہوں نے ہمت نہ ہاری۔ سفر کی تکان کے باوجود وہ فوری طور پر آئندہ کے لیے منصوبہ بندی کرنے بیٹھ گئے۔ انہوں نے مختلف گروپ تشکیل دیے۔ ایک گروپ نے پالومواور ٹنگو بریریکا کے پہاڑوں پر پیدل چل چل کر جہاز تلاش کرنا تھا، دوسرے گروپ نے سی ــــ ۴۷ کی آمد پر فضائی مشاہدے میں حصّہ لینا تھا اور تیسرے گروپ نے اس کان کن کمیلو فگوروا کو تلاش کرنا تھا جس نے فیرچائلڈ کو گرتے ہوئے دیکھنے کا دعویٰ کیا تھا اس طرح انہوں نے تین اطراف سے انڈیز پر حملہ آور ہونے کا پروگرام بنایا اور اس پروگرام کو "آپریشن کرسمس" کا نام دیا۔

۷

نئی کوشش

تیئیس نومبر کو لوبی فرینکوئیس کی اکیسویں سالگرہ تھی۔ اپنے سولہ ساتھیوں کی طرف سے اس نے سگرٹوں کا ایک زائد پیکٹ تحفے کے طور پر وصول کیا۔ اسی دن کینیسا اور پیریڈو پائلٹ کیبن سے ریڈیو الگ کرنے میں مصروف ہو گئے۔ ریڈیو پائلٹ کے سینے میں دھنسا ہوا تھا۔ مائیکروفون اور ایئرفون سیاہ دھات کے ایک بکس میں نصب تھے جس کی لمبائی چوڑائی ایک ٹائپ رائٹر جتنی تھی۔ تین چار پیچ کھولنے پر یہ بکس بآسانی الگ ہو گیا۔ لیکن انہوں نے دیکھا کہ اس کا کوئی ڈائل نہیں تھا اور اس کا مطلب یہ تھا کہ وہ کسی وی ایچ ایف (ویری ہائی فریکوئنسی) ریڈیو کا حصہ تھا۔ اس کی پشت سے سینتیس تاریں باہر نکل رہی تھیں اور ان کا خیال تھا کہ انہیں بکس کے کسی دوسرے حصے سے منسلک کرنا ضروری تھا لیکن کیبن میں اتنے آلات لگے ہوئے تھے کہ انہیں کچھ سمجھ نہ آتا تھا کہ بکس کا دوسرا حصہ کون سا ہے اور کون سا نہیں ہے۔ تاہم انہوں نے تلاش جاری رکھی اور بالآخر سامان والے کمپارٹمنٹ کی طرف انہیں ٹرانسمیٹر مل گیا لیکن اسے الگ کرنا آسان نہیں تھا۔ ان کے پاس آلات میں صرف ایک پیچ کس، ایک چاقو اور ایک پلاس تھا پھر یہاں روشنی کا بھی کوئی بندوبست نہیں تھا، باریک باریک تاروں کو احتیاط سے الگ کرنا خاصا مشکل کام تھا لیکن انہوں نے جدوجہد جاری رکھی اور کئی دنوں کی سرتوڑ کوشش کے بعد ٹرانسمیٹر کو باہر نکالنے میں کامیاب ہو گئے لیکن اب مسئلہ یہ تھا کہ انہیں قطعاً اس بات کا علم نہیں تھا کہ بکس کی کونسی تاریں ٹرانسمیٹر کی کن تاروں سے جوڑی جائیں۔ وہ ٹرانسمیٹر اٹھا کر باہر لے آئے دقیق مشاہدے سے پتہ چلا کہ تاروں پر انتہائی معمولی اور چھوٹے چھوٹے نشانات موجود ہیں۔ ان نشانات کی مدد سے وہ تاریں جوڑنے میں کامیاب ہو گئے۔

ریڈیو ٹھیک کرنے میں کینیسا نے بڑی گرم جوشی سے حصہ لیا۔ اس کا کہنا تھا کہ اگر ریڈیو کے ذریعے وہ کسی سٹیشن سے رابطہ پیدا کرنے میں کامیاب ہو گئے تو اس سے بہتر اور کوئی بات ہو نہیں سکتی تھی اور اس امکان کی کامیابی کی موجودگی میں پہاڑوں پر سفر کرنا موت کو دعوت دینا تھا۔

سب نے اس سے اتفاق کیا۔ پیڈرو الگورٹا کا خیال تھا کہ وہ ریڈیو ٹھیک کرنے میں کبھی کامیاب نہ ہو سکیں گے لیکن اس نے اپنے خیالات خود تک محدود رکھے۔ رائے ہارلے جو باقی لڑکوں کے لیے ریڈیو کا ماہر تھا، خود اس بات پر مطمئن نہیں تھا۔ اسے معلوم تھا کہ وہ کتنے پانی میں تھا لیکن سب نے تمام تر امیدیں اسی سے وابستہ کر رکھی تھیں۔ اس کا واحد تجربہ اتنا تھا کہ کسی فارغ دوپہر میں وہ اپنا یا کسی دوست کا ٹرانسمیٹر یا ٹیپ ریکارڈر کھول لیا کرتا تھا اور اس سے اسے اتنا تجربہ حاصل نہیں ہوا تھا کہ وہ ایک وی ایچ ایف ریڈیو کھول کر دوبارہ جوڑ سکے۔ اس نے اس کا اظہار بھی کیا لیکن لڑکے اس کی بات سننے کو تیار نہ تھے۔ کوئی یہ سمجھا کہ وہ انکساری سے کام لے رہا ہے اور کچھ نے اسے جسمانی کمزوری کا نتیجہ قرار دیا۔ جہم جو افراد اور سٹراچ برادران نے اسے ہدایت کی کہ وہ ٹیل تک جانے کے لیے چلنے پھرنے کی مشق کرے اور روزانہ اٹھ کر جہاز کے ارد گرد ٹہلا کرے لیکن وہ اس قدر کمزور، ضعیف اور ناتواں ہو چکا تھا کہ اس خیال ہی سے وہ رونے لگتا تھا کہ دوسرے اس سے اتنی دور جانے کی توقع لگائے بیٹھے ہیں اس نے رو رو کر فریاد کی کہ اس کا تجربہ باقی لڑکوں سے کسی بھی طرح زیادہ نہیں تھا اور اتنے شاندار قسم کے ریڈیو کے بارے میں اس کا علم نہ ہونے کے برابر ہے لیکن لڑکوں کا اصرار جاری رہا کہ وہ ٹیل تک جائے اور ریڈیو کو بیٹریوں سے جوڑنے کی کوشش کرے۔ جتنا ان کا اصرار بڑھتا، رائے کا رونا دھونا بڑھتا جاتا لیکن اکثریت کی انھارٹی مسلمہ تھی۔ ایک دن اس کے دوست فرنیکو ئیس نے اسے سمجھایا، "تمہیں ضرور جانا چاہیے ____ کیونکہ ریڈیو ہم سب کی جانیں بچا سکتا ہے ____ اگر ہمیں چلنا پڑا ____ تو سوچو تم، میں، کوشے انسیارٹی، مونچو اور ایلو یرا کیسے جا سکیں گے؟"

اس دلیل کے جواب میں رائے ہارلے جھجکتے جھجکتے ٹیل تک جانے کے لیے تیار ہو گیا۔ لیکن ان کی روانگی میں دیر تھی کیونکہ باقی لڑکے ابھی تک انٹینا اتارنے میں کامیاب نہیں ہو سکے تھے۔ یہ انٹینا پائلٹ کیبن کے اوپر لگا ہوا تھا اور جہاز پر چوٹیں لگنے کی وجہ سے کافی اندر دھنس گیا تھا۔ اسے کھولنے کے لیے ان کے پاس پیچ کس اور چاقو کے سوا کچھ نہ تھا۔

انٹینا اتار کر برف پر ریڈیو کے باقی حصوں پرزوں کے ساتھ رکھ دیا گیا لیکن ان کی روانگی نہ ہوئی۔ کینیسا گھنٹوں بیٹھا ان حصوں کو گھورتا رہتا، کوئی اس سے پوچھتا کہ اب کیا باقی رہ گیا ہے تو وہ اسے ڈانٹ پلا دیتا۔ لڑکوں کی سمجھ میں کچھ نہ آتا کہ وہ کر کیا رہا ہے

لیکن ایک تو اس کے غصّے سے سب ڈرتے تھے دوسرے وہ ہم جو افراد میں شامل تھا۔ اب تک اس کے دماغ نے جو بھی ترکیبیں سوچی تھیں وہ مفید ہی ثابت ہوئی تھیں۔ لڑکے چپ رہے لیکن صبر کی بھی انتہا ہوتی ہے۔ کچھ نے اس شک کا اظہار کیا کہ کینیسا اس طرح وقت ضائع کر رہا ہے کیونکہ ریڈیو کام نہ کر سکا تو اسے برف میں روانہ ہونا پڑے گا۔

آخر کار سٹراپح برادران نے پہل کی اور اسے بتایا کہ وہ ریڈیو لے کر ٹیل کی طرف جائے کینیسا کے پاس مزید تاخیر کا کوئی جواز نہیں تھا۔ چنانچہ دوسری صبح آٹھ بجے کے قریب ایک چھوٹا سا قافلہ ٹیل کی طرف جانے کے لیے تیار ہو گیا ـــــ سب سے آگے وزنطین تھا، معمول کے مطابق لدے ہوئے گھوڑے کی طرح اس نے مختلف چیزیں اٹھا رکھی تھیں، پھر ہارلے تھا جس نے ہاتھ جیبوں میں ٹھونس رکھے تھے اور اس کے بعد کینیسا اور پیر بڑو جنہوں نے چھڑیاں اور تھیلے اٹھا رکھے تھے۔ وہ نیچے کی طرف روانہ ہوئے تو باقی تیرہ افراد انہیں جاتا دیکھ کر بہت خوش ہوئے۔ نہ صرف وہ وزنطین اور کینیسا جیسے برہم مزاج لڑکوں کی ڈانٹ ڈپٹ سے بچ رہے تھے بلکہ رات کو سونے کے لیے نسبتاً جگہ بھی زیادہ ملتی اور سب سے بڑی بات یہ کہ وہ ایک بار پھر یہ توقع رکھ سکتے تھے کہ ان کی امداد کے لیے کوئی مثبت کام ہونے چلا ہے۔

تاہم وہ اس پوزیشن میں نہیں تھے کہ آرام سے بیٹھ کر اپنے خوابوں کی تعبیر کا انتظار کریں۔ جب سے انہوں نے مردہ جسموں کا گوشت کھانا شروع کیا تھا، پہلی مرتبہ انہیں خوراک کے کم پڑنے کا خدشہ پیدا ہوا تھا۔ مسئلہ یہ نہیں تھا کہ مردہ جسم موجود نہیں تھے، موجود تو تھے لیکن ایوالانچ کی وجہ سے گہری برف میں دفن ہو چکے تھے اور انہیں نکالنا آسان کام نہ تھا۔ ایوالانچ میں مرنے والوں میں سے ایک دو کی لاشیں تو موجود تھیں لیکن وہ کب تک چلتیں۔ پہلی لاشوں کو تلاش کرنا ضروری تھا۔ پھر یہ خیال بھی تھا کہ حادثے میں مرنے والوں کے جسم زرد ہو گئے اور ان کے جگروں میں زیادہ وٹامن محفوظ ہوں گے۔ چنانچہ انہوں نے پہلی نعشوں کی تلاش شروع کر دی۔ کارلیٹوس پیئز اور پیڈرو انگورٹا اس کام کے انچارج تھے لیکن سبھی اس میں شریک تھے۔ طریق کار یہ تھا کہ پہلے اس جگہ کی نشاندہی کی جاتی جہاں پہلے لاش پڑی تھی پھر اس میں ایک سوراخ کھودا جاتا۔ کئی بار ان کی کوششیں بیکار جاتیں۔ کبھی کبھی تو مایوسی کی انتہا ہو جاتی۔ پیڈرو کو یاد آیا کہ دروازے کے بالکل پاس ایک نعش پڑی تھی۔ وہ

کئی دنوں تک وہاں سوراخ کھودنے میں مصروف رہا اور بالآخر ایک دن اسے ایک کپڑا سا نظر آیا۔ یہ شاید کوئی قمیض تھی۔ اس نے تیزی سے برف ہٹائی اور پنجوں اور پنڈلیوں تک پہنچنے میں کامیاب ہو گیا لیکن اس کی مایوسی کی کوئی انتہا نہ رہی جب اس نے دیکھا کہ پیر کے ناخنوں پر پالش لگی ہوئی تھی۔ یہ متھول کی بیوی للیانہ تھی اور یہ بات وہ طے کر چکے تھے کہ جب تک ممکن ہو سکے زندہ رہنے والوں کے رشتہ داروں کی نعشیں نہیں کھائی جائیں گی۔

سوراخ کھودنے کا ایک اور طریقہ انہوں نے یہ نکالا کہ وہ متعین جگہ پر تھوڑا سا سوراخ کرنے پھر سب کو بتایا جاتا کہ وہ اس جگہ پر پیشاب کریں۔ پیشاب کی گرمی سے برف پگھل جاتی تھی اور سوراخ خود بخود نیچا ہوتا جاتا تھا لیکن یہ طریقہ زیادہ موثر بھی ہو سکتا تھا جب وہ صبح اٹھ کر متعین جگہ پر جائیں اور باری باری ایک ہی جگہ پر اپنے بھرے ہوئے مثانے خالی کر دیں لیکن ہوتا یہ تھا کہ وہ صبح اٹھتے تو ان میں ضبط کا یارا نہ ہوتا اور وہ جہاز سے نکلتے ہی کسی جگہ بیٹھ جاتے۔ پیڈرو الگورٹا تین پتلونیں پہن کر سوتا تھا اور تینوں کے بٹن کھلے رکھتا تھا کیونکہ صبح سویرے دباؤ اتنا زیادہ ہوتا تھا کہ وہ بٹن کھولنے کا انتظار نہ کر سکتا تھا۔ لیکن اس کے باوجود کبھی کبھی ایسا ہوتا کہ اس سے جہاز سے باہر بھی نہ آیا جاتا اور اندر ہی اس کا پیشاب خطا ہو جاتا۔

وہ جسمانی طور پر واقعی اتنے کمزور ہو چکے تھے کہ ان سے یہ چھوٹے چھوٹے کام بھی نہ ہوتے تھے۔ کچھ تو بالکل ہی بیکار ہو کر رہ گئے تھے۔ ایک دن کارلیٹوس نے مونچو کو کچھ نہ کرنے پر جھاڑ پلائی تو وہ غصے میں آ کر ایک جگہ پہنچا جہاں سوراخ کرنے کا فیصلہ کیا گیا تھا اور اتنی تیزی سے برف کھودنے لگا کہ دوسروں کو اس کی جان کا خطرہ پیدا ہو گیا لیکن تھوڑی دیر بعد وہ خود ہی نڈھال ہو کر گر پڑا۔ ان کے جسم ان کی قوت ارادی کا ساتھ نہ دے سکتے تھے وہ تماشائی بن کر نہ بیٹھتے تو اور کیا کرتے؟

ادھر وہ سوراخ کھودنے میں مصروف تھے، ادھر ایک اور مسئلہ پیدا ہو گیا۔ موسم صاف ہوتا دوپہر کو خاصی گرمی ہو جاتی۔ اس گرمی سے ان نعشوں کا گوشت خراب ہونا شروع ہو گیا جو انہوں نے سنبھال رکھی تھیں۔ اب ان کے مسائل دگنے ہو گئے۔ برف کے نیچے دبی ہوئی نعش کو نکالنے کے لیے برف کھودنا اور باہر پڑی ہوئی نعش کو خراب ہونے سے محفوظ رکھنے کے لیے اسے برف میں دبانا۔ وہ برف کی خاصی موٹی تہہ اس پر جماتے پھر

اس پر کارڈ اور پلاسٹک وغیرہ ڈال دیتے تاکہ سورج کی شعاعیں براہ راست اس پر نہ پڑیں۔

جب خوراک کی کمی کا خطرہ پیدا ہوا تو سٹراچ برادران نے سب کو ہدایت کی کہ گوشت کاٹتے ہوئے کوئی آدمی بوٹیاں نہیں کھائے گا۔ ہر شخص صرف راشن کا حصہ ہی کھایا کرے گا۔ قائم ہو جانے والی روایت کو توڑنا خاصا مشکل تھا لیکن اس صورت حال میں انہوں نے وہ حصے بھی تلاش کرنے شروع کیے جو اس سے پہلے پھینک دیے جاتے رہے تھے مثلاً ہاتھ یا پاؤں لیکن اب وہ چن چن کر جمع کئے گئے اور ان پر سے گوشت کھرچ کھرچ کر اتارا گیا۔ ایک دفعہ ایک لڑکے نے کھوپڑی اٹھا کر اس میں زبان کاٹ کر کھانے کی کوشش کی لیکن اسے نکل نہ سکا۔ ایک اور لڑکا بھوک سے بلبلاتا ہڈیاں تلاش کر رہا تھا کہ اسے عضو تناسل پڑے ہوئے ملے وہ فوراً ہی اٹھا کر چبا گیا —— گوشت کے ساتھ ساتھ انہوں نے اب ہڈیوں پر بھی توجہ دینی شروع کی۔ جب ایک ہڈی پر سے تمام گوشت اتار لیا جاتا تو کلہاڑی کی مدد سے ہڈی کو توڑا جاتا اور اس کے اندر کا گودا نکال کر تمام میں تقسیم کیا جاتا —— اس کے علاوہ وہ خون کے وہ لوتھڑے بھی کھا جاتے جو تقریباً ہر نعش کے دل کے قریب جمے ہوئے ملتے۔ ان لوتھڑوں کا ذائقہ چربی اور گوشت سے خاصا مختلف تھا اور اب تک ایک ہی چیز کھا کھا کر وہ تنگ آ گئے تھے۔ مسئلہ صرف یہی نہیں تھا کہ وہ نئے ذائقوں کی تلاش میں تھے بلکہ ان کے جسموں کی توانائی اتنی کم ہو چکی تھی کہ نمکیات اور وٹامن ان کی ضرورت تھیں کچھ لڑکوں نے پھیلی گئی آنتیں اٹھائیں انہیں دبا دبا کر ان کے اندر کا مواد نکالا اور انہیں ٹکڑے ٹکڑے کر کے کھا گئے۔ ایک لڑکے نے تو آنت صاف کر کے ہڈی کے گرد لپیٹی اور سیخ کبابوں کی طرح اسے بھون کر کھایا۔ آنتوں میں ذائقہ گوشت سے بہتر اور نمکیں تھا۔ بھوک کے ہاتھوں مجبور ہو کر انہوں نے وہ خراب گوشت بھی بھون بھون کر کھانا شروع کر دیا جسے وہ پہلے پھینک چکے تھے۔ اس گوشت کا ذائقہ پنیر کے ذائقے سے ملتا جلتا تھا۔

توانائی کے نئے ذرائع اور نئے ذائقوں کی تلاش میں ان کی ایک اور دریافت مردہ جسموں کے مغز تھے اس سے پہلے وہ کھوپڑیاں پھینک چکے تھے لیکن کینیسا نے انہیں بتایا تھا کہ مغز میں گوشت جتنے پروٹین تو نہیں ہوتے لیکن گلوکوز پائے جاتے تھے اور ان کے لیے مفید تھے۔ پہل اس نے خود کی تھی۔ وہ ایک کھوپڑی اٹھا لایا۔ کلہاڑی سے توڑا اور اس میں سے مغز نکال کر کھا گیا تھا۔ انہوں نے اب اس کی پیروی کی۔ مغز نکال کر یا تو ویسے ہی کھا لیا جاتا یا اسے باقی گوشت، جگر، آنت، چربی، دل یا گردوں کے ساتھ ملا کر کھایا جاتا۔ اس طرح ذائقہ کچھ بہتر

ہوجاتا، اسے نگلنا بھی آسان رہتا۔ مشکل یہ تھی کہ ان کے پاس اسے پکانے کے لیے کوئی برتن نہ تھا۔ اس سے پہلے گوشت پلیٹوں یا المونیم کے ٹکڑوں میں رکھ کر تقسیم کیا جاتا تھا لیکن اسے پکانے یا بھوننے کے لیے گہرے پیندے کا کوئی برتن چاہیے تھا۔ الیسارٹی نے توشیو میں استعمال ہونے والا ڈونگا پکانے کے لیے استعمال کیا۔ دوسروں نے اس کام کے لیے کھوپڑیوں کے اوپر والے حصے استعمال کرنے شروع کر دیے۔ پکاتے ہوئے کفگیر کی جگہ لمبی لمبی ہڈیاں استعمال کی جاتیں۔

کھوپڑیوں میں سے مغز نکال کر انہیں ایسے ہی پھینک دیا جاتا تو سخت بو آنے لگتی۔ چنانچہ ناقابل استعمال کھوپڑیوں کو جمع کر کے ایک جگہ دفن کر دیا گیا۔

پہلے پھینکے گئے گوشت اور ہڈیوں کی تلاش جاری تھی۔ اس تلاش میں دریافت ہونے والی چیزیں راشن میں نہیں آتی تھیں۔ الگورٹا اس کام میں ماہر تھا۔ وہ جب گوشت کاٹنے یا سوراخ کھودنے میں مصروف نہ ہوتا تو لوہے کی ایک سلاخ کی مدد سے برف میں گرے پڑے ٹکڑوں کی تلاش کرتا۔ اس کی کوششیں اکثر بار آور ہوتیں، کبھی اسے چربی کا ٹکڑا مل جاتا۔ کبھی گوشت کی بوٹیاں جنہیں وہ جہاز کی چھت پر سوکھنے کے لیے رکھ دیتا۔ جب سورج کی شعاعوں میں تپش زیادہ ہوتی تو وہ اپنے حصے کی چیزیں المونیم کے کسی ٹکڑے پر رکھ کر سوکھنے ڈال دیتا۔ یہ دھات جلد گرم ہو کر اس کا گوشت تقریباً پکا ہی چھوڑتی تھی۔

الگورٹا کے لیے یہ بڑی قابل اطمینان بات تھی کہ مہم جو افراد اس کی جمع شدہ چیزیں ہڑپ کرنے کے لیے موجود نہیں تھے۔ تاہم وہ یہ سرمایہ فیٹو کے ساتھ مل کر کھاتا تھا۔ جہاز کی چھت پر ہر لڑکے کے لیے ایک جگہ مخصوص تھی جہاں وہ اپنے حصے کا گوشت یا چربی سکھاتے۔ الگورٹا اور فیٹو کی جگہوں کے درمیان تھوڑی سی جگہ خالی تھی۔ الگورٹا اپنی تلاش کا ماحصل اس جگہ میں رکھا کرتا۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ یہاں پڑی ہوئی چیزیں مشترکہ تھیں۔ الگورٹا اور فیٹو جیسی دوستی زربینو اور ایڈورڈ میں بھی تھی۔ وہ دونوں بھی اپنی چیزیں بانٹ کر کھایا کرتے۔ الیسارٹی کو اس بات پر ایک دن بڑا تاؤ آیا کہ زربینو نے اپنے حصے کی سگریٹیں ایڈورڈ کو دے دی ہیں جب اس کے پاس اپنی سگریٹیں بھی موجود نہیں۔ لیکن زربینو اس کا ممنون تھا۔ اسے وہ دن یاد تھا جب اس کے پاؤں سردی سے سوجے ہوئے تھے تو ایڈورڈ نے جو مخالف سمت میں لیٹا ہوا تھا، انہیں اپنے کندھوں پر رکھ لیا تھا کہ شاید اس کے جسم کی گرمی سے ان میں خون کی گردش

بحال ہو جائے۔

کام کرنے والوں کے درمیان خلیج بڑھتی جا رہی تھی اور اس معاملے میں کوشے انسیارٹی کا رول بڑا اہم تھا۔ پہلے سے وہ پیڈرو سٹراچ اور دانیال فرنینڈیز کا دوست تھا۔ ہر وقت ہنستا رہتا تھا، دوسروں سے بھی دل لگی کرتا رہتا تھا۔ تیز ہوا چل رہی ہوتی تو وہ کارلیوس ہیئر سے التجا کرتا کہ وہ اس کے لیے گوشت بھون دے۔ اپنی زخمی ٹانگ سے پیپ اور خون صاف کرتے ہوئے بھی اس کے لبوں پر ایک مسکراہٹ کھیل رہی ہوتی۔ ٹرکاٹی کی طرح اس کی حالت بھی روز بروز خراب ہو رہی تھی کیونکہ دونوں ہی کچا گوشت کھاتے ہوئے سخت مشکل محسوس کرتے تھے۔ اب کبھی کبھی کوشے انسیارٹی بھٹکنے لگا تھا۔ وہ بڑی سنجیدگی سے باقی لڑکوں کو بتاتا کہ وہ جہاز کے ایک کونے میں سوتا ہے۔ وہاں ایک دروازہ ہے جس کے پرلی طرف ایک سرسبز وادی ہے ایک دن اس نے ریفائیل ایشیورن کی طرح اعلان کیا کہ وہ مرنے لگا ہے۔ کسی نے بھی اس پر توجہ نہ دی۔ دوسرے دن سو کر اٹھے تو وہ اس سے مذاق کرنے لگے، "کیوں؟ تمہیں مرنا کیسا لگا؟"

سگریٹ کشیدگی کی سب سے بڑی وجہ تھے۔ سٹراچ برادران کو خود پر مکمل کنٹرول حاصل تھا اور وہ اپنے حصے کی سگرٹیں وقفے وقفے سے اس طرح پیتے تھے کہ آخر تک ان کا ساتھ دے سکیں لیکن سگرٹوں کی تقسیم کے دوسرے دن ہی وہ دیکھتے کہ باقی نے اپنی سگرٹیں پھونک دی ہیں اور ان کے ہر کش پر کئی حریص نظریں ان کی طرف اٹھ رہی ہیں۔ کوشے انسیارٹی اپنی ساری سگرٹیں پہلے دن ہی پھونک دیتا تھا۔ پیڈرو الگورٹا اس سے نظریں چراتا باہر نکل جاتا مبادا وہ سگریٹ نہ مانگ لے لیکن کبھی کبھی کوشے اسے بلا کر کہتا، "پیڈرو! ہم واپس گئے تو میں تمہیں اپنے چچا کے گھر بلا کر ایسی شاندار دعوت کروں گا کہ تم سارے اگلے پچھلے دکھ بھول جاؤ گے۔" اس پر پیڈرو نظریں اٹھاتا تو بڑی بڑی مسکراتی آنکھیں اس سے سگریٹ طلب کر رہی ہوتیں۔

پانچو ڈیلگاڈو سے بھی صبر نہیں ہوتا تھا۔ اپنے حصے کی سگرٹیں ختم کر کے وہ رمین سبیلا سے چکنی چپڑی باتیں کرتا۔ اسے سکول کے دنوں کی رفاقت یاد دلاتا، اس کے بھائی سے اپنی دوستی کے قصے بڑھا چڑھا کر بیان کرتا۔ اس سب کچھ کا مقصد صرف یہ ہوتا کہ شاید سبیلا پسیج جائے تو اسے ایک سگریٹ مل سکے۔ کبھی کبھار انسیارٹی اسے فرنینڈیز کے پاس بھیجتا کہ ان کے حصے کے سگرٹیں انہیں ایڈوانس دے دی جائیں۔

ایک وقت تھا جب ڈیلگاڈو خود ہی سگرٹوں کا انچارج تھا۔ یہ ایسے ہی تھا جیسے

بھیڑوں کی رکھوالی کسی بھیڑیے کے سپرد کر دی جائے۔ ایک رات باہر سخت طوفان آیا ہوا تھا۔ ڈیلگاڈو اور زر ریبنو جو دروازے کے پاس سو رہے تھے اٹھ کر کیبن کے پاس چلے گئے تاکہ انسیارٹی اور کارلیٹوس پیئز کے ساتھ باتیں کرکے وقت گذاریں۔ ساتھ ساتھ وہ سگریٹ بھی پیتے رہے، صبح لڑکے اٹھے تو انہوں نے دیکھا کہ وہ کئی پیکٹ سگریٹ پھونک گئے ہیں۔ ڈیلگاڈو سے سگرٹوں کا چارج واپس لے لیا گیا۔

فرنینڈیز اور انسیارٹی میں سگریٹ کے علاوہ دوسرے مسئلوں پر بھی جھڑپ ہوتی رہتی تھی فرنینڈیز تین لائٹروں میں سے ایک کا انچارج تھا لیکن کوشے انسیارٹی اس سے لائٹر مانگتا تو وہ سنی ان سنی کرتا رہتا کیونکہ اس کا خیال تھا کہ انسیارٹی ضرورت سے زیادہ سگریٹ پھونکتا تھا۔ ایک دن کوشے اس سے ناراض ہو گیا اور تمام دن اس نے فرنینڈیز سے بات نہ کی۔ فرنینڈیز اس کے پاس ہی سوتا تھا۔ رات کو سوتے میں کئی دفعہ فرنینڈیز کا سر لڑھک کر کوشے کے بازو سے جا لگا لیکن ہر بار وہ اسے پرے دھکیل دیتا۔ آخر فرنینڈیز نے اسے منایا۔ "چلو غصہ تھوک بھی دو نا —— مان جاؤ اب"۔ اور وہ مان گیا —— اس کی طبیعت ہی ایسی تھی کہ وہ زیادہ دیر تک کسی سے ناراض نہیں رہ سکتا تھا۔

سگریٹ کا مسئلہ کوشے انسیارٹی اور پوچو ڈیلگاڈو کا مشترکہ مسئلہ تھا۔ اسی لیے دونوں ایک دوسرے کے اور قریب ہو گئے تھے۔ مونٹی ویڈو میں دونوں کی ایک مشترکہ دوست بھی تھی۔ پوچو پوری فصاحت و بلاغت سے بیتے ایام کی تصویر کشی ایسے خوبصورت انداز میں کرتا کہ کوشے انسیارٹی جہاز کے ڈھانچے سے نکل کر تصورات کی دنیا میں کھو جاتا لیکن اس کی باتیں ختم ہوتیں تو ڈھانچے کی سیلن اور گھٹی گھٹی فضا میں اس کا دم گھٹنے لگتا اور وہ رونے لگتا —— سٹراچ برادران نے یہ دیکھا تو ایسی گفتگو پر پابندی لگا دی۔ ان کی رائے تھی کہ اس طرح کہیں کوشے کا دل نہ ڈوب جائے۔ بار بار رونے سے ہمتیں پست ہوتیں تو اس میں زندہ رہنے کی آرزو بھی ختم ہو سکتی تھی۔ وہ ڈیلگاڈو کو اس سے دور رکھنے کی کوشش بھی کرتے —— ڈیلگاڈو پر سے ویسے بھی ان کا اعتماد اٹھتا جا رہا تھا۔

ایک دن یوں ہوا کہ کچھ لڑکے باہر دھوپ میں بیٹھے تھے، کچھ جہاز کے اندر۔ کھانا تقسیم ہونے لگا تو باہر والوں نے اندر والوں کو آواز دی کہ کھانا لینے کے لیے کسی کو باہر بھیج دیں۔ پوچو ڈیلگاڈو باہر آیا اور گوشت لے کر اندر چلا گیا۔ تھوڑی دیر میں وہ باہر آ گیا اور اپنے حصے کا گوشت

لے کر باہر بیٹھ کر کھانے لگا۔ نیٹو اندر گیا تو فرینینڈ یز نے اسے کہا کہ آج تم نے ہمیں کم گوشت دیا ہے۔

"کیوں۔ مَیں نے پورے بارہ ٹکڑے بھیجے تھے۔" فلیٹو بولا،

"بارہ نہیں —— آٹھ کہو —— سب میں برابر برابر تقسیم کرنے کے لیے مجھے پھر اس کی بوٹیاں بنانی پڑیں۔"

فلیٹو شانے اُچکا کر باہر آگیا لیکن سمجھ گیا کہ چار ٹکڑے کون لے اڑا —— وہ تو خاموش رہا لیکن کارلیٹوس سے نہ رہا گیا۔ بولا "حیرت ہے —— یہ چار ٹکڑے کوئی جن لے گیا کیا ؟"۔

"کیا مطلب ہے تمہارا ؟ تمہیں مجھ پر اعتبار نہیں ؟"

وہ شاید اور کچھ کہتا لیکن فیٹو اور دانیال فرینینڈ یز نے اسے سمجھا بجھا کر چپ کرا دیا۔

○

ادھر جہاز میں رہ جانے والوں میں یہ کش مکش جاری تھی، ادھر تینوں مہم جُو اور رائے ہار لے جہاز کی ٹیل میں پہنچ چکے تھے۔ ٹیل تک پہنچنے میں انہیں صرف ڈیڑھ گھنٹہ لگا تھا اور راستے میں انہیں پیرپڈو کی ماں کا سوٹ کیس بھی ملا تھا جس میں سے کچھ مٹھائی اور کوکا کولا کی دو بوتلیں نکلیں۔ وہاں پہنچ کر دن کا باقی حصّہ انہوں نے آرام کرنے اور ان سوٹ کیسوں کو کھنگالنے میں صرف کیا جو برف پگھلنے کی وجہ سے سطح پر نمودار ہو گئے تھے۔ دوسری چیزوں کے علاوہ پیرپڈو کو اپنا کیمرہ اور بیگ بھی مل گیا۔ کیمرہ میں فلم موجود تھی اور بیگ میں اس شراب کی دو بوتلیں جو اس کی ماں نے مینڈوزا میں خرید کر اس کے بیگ میں رکھوا چھوڑی تھیں۔ ایک بوتل تو وہ فوراً ہی چڑھا گئے لیکن دوسری سنبھال کر رکھ چھوڑی کہ اگر ریڈیو ٹھیک نہ ہو سکا تو مہم پر جانے کی صورت میں کام آئے گی

دوسری صبح کینیسا اور ہار لے نے کام شروع کیا۔ آغاز میں تو یوں لگتا تھا کہ کام بہت آسان ہے کیونکہ ٹرانسمیٹر کے پیچھے مختلف سوراخوں پر BAT اور ANT کے الفاظ کندہ تھے۔ صاف ظاہر تھا کہ بیٹری کی تاریں BAT والے سوراخوں میں اور اینٹنا کی تاریں ANT والے سوراخوں میں جوڑ دی جائیں تو بات بن جائے گی لیکن ان کے علاوہ بھی کئی

ایسی تاریں تھیں جن کا کچھ سراغ نہ ملتا تھا کہ انہیں کہاں سے نکال کر کہاں فٹ کیا جائے۔ مثبت اور منفی تاروں میں تمیز کرنے کا بھی کوئی ذریعہ نہیں تھا، نتیجہ یہ تھا کہ جب وہ کوئی تار جوڑتے تو کئی بار شعلے لپکتے یا چنگاریاں اڑتیں۔

اس جدوجہد کے دوران ان کے حوصلے ایک بار پھر بلند ہو گئے۔ ہوا یوں کہ روز نطین باہر برف کو گھور رہا تھا کہ اسے ایک پمفلٹ ملا۔ غور سے دیکھنے پر معلوم ہوا کہ وہ جہاز کے مختلف حصوں کو ٹھیک طریقے پر چلانے کی ہدایات ہیں۔ انہوں نے فہرست دیکھی تو پتہ چلا کہ چونتیسواں حصہ صرف مواصلات کے بارے میں ہی ہے۔ انہوں نے جلدی جلدی صفحے پلٹے ۔۔۔۔ لیکن ۔۔۔۔ پھر اداسیوں کی انتھاہ گہرائیوں میں ڈوب گئے۔ تیز ہوا اور برف کے طوفان وہی صفحات اڑا لے گئے تھے جن کی انہیں ضرورت تھی۔ اور کوئی چارہ کار نہ تھا وہ پھر آزمائشی تجربوں میں جُت گئے۔ جب رائے ہارلے اور دوسرے ریڈیو پر کام میں مصروف ہوتے تو پیریڈو اور روز نطین سامان کو الٹ پلٹ کر کے تلاش لیتے کہ شاید کوئی کام کی چیز مل جائے یا پھر آگ جلا کر گوشت پکاتے۔ گرچہ ٹیل میں وہ صرف چار تھے لیکن خوراک کی کمی کی وجہ سے جو اضطراب جہاز کے ڈھانچے میں تھا، وہ بھی اس سے محفوظ نہ تھے۔ رائے ہارلے یہ سمجھتا تھا کہ اس وقت وہ بھی ایک مہم پر تھا چنانچہ اسے بھی دوسرے مہم جو افراد کے برابر حصہ ملنا چاہیے لیکن پیریڈو کا کہنا تھا کہ اس کی حیثیت مہم جو کی اس لیے نہیں تھی کہ اگر ریڈیو ٹھیک نہ ہو سکا تو پہاڑوں کی کٹھن راہوں میں سفر اس کے بس کی بات نہ تھی۔ یہ کام دوسروں ہی کو سرانجام دینا تھا۔ وہ رائے ہارلے کو سگریٹ بھی نہیں پینے دیتے تھے کیونکہ ان کے خیال میں سگریٹ لائٹر کو آخری مہم کے لیے محفوظ کیا جانا زیادہ ضروری تھا۔ پیریڈو، کینیسا اور روز نطین خود بھی سگریٹ نہیں پیتے تھے اس لیے وہ رائے کی سگریٹ کی طلب کے ہاتھوں اور تنگ آئے ہوئے تھے۔ تاہم انہوں نے اسے اس بات کی اجازت دی کہ جب وہ دوسری ضرورتوں کے لیے آگ جلایا کریں تو وہ سگریٹ سلگا سکتا ہے۔ لیکن ایک دفعہ ایسا ہوا کہ پیریڈو آگ جلا رہا تھا، رائے سگریٹ سلگانے آیا تو پیریڈو نے اسے کہا کہ وہ بعد میں آئے۔ رائے دوبارہ آیا تو آگ بجھ چکی تھی۔ سگریٹ لائٹر قریب ہی پڑا تھا، رائے نے وہ اٹھایا اور اس سے سگریٹ سلگا لی۔ باقیوں نے لائٹر کا یہ استعمال دیکھا تو ان کے تن بدن میں آگ لگ گئی وہ سب کے سب بڑے جارحانہ انداز میں اس کی طرف بڑھے اور قریب تھا کہ وہ اس کی ایک آدھ ہڈی پسلی توڑ دیتے کہ کینیسا نے انہیں روک لیا اور سمجھایا کہ شاید وہ ریڈیو ٹھیک کرنے میں کامیاب

ہو جائے اور اس کے ہاتھوں ان سب کی جانیں بچ جائیں۔

تیسرے دن انہیں احساس ہوا کہ گوشت کا جو ذخیرہ وہ ساتھ لائے تھے ریڈیو ٹھیک ہونے تک ان کا ساتھ نہ دے سکے گا۔ چنانچہ ہیریڈو اور وزنطین جہاز کو روانہ ہوئے کہ خوراک لے آئیں۔ ہارلے اور کینیسا کو ٹیل ہی میں چھوڑ دیا گیا۔ چڑھائی خاصی مشکل تھی لیکن انہوں نے ہمت نہ ہاری اور چوٹی پر چڑھنے میں کامیاب ہو گئے ــــ لیکن...... یکبارگی ان کا جی چاہا کہ وہ مر گئے ہوتے ــــ برف میں دفن ہو چکے ہوتے، چوٹی کے اس جانب چاروں طرف برف ہی برف پھیلی ہوئی تھی ــــ جہاز کے ڈھانچے کا دور دور پتہ نہ تھا۔ گویا ان کے بعد وہاں کوئی اور ایوالانچ آیا تھا اور ڈھانچہ ٹنوں برف تلے دفن ہو گیا تھا چند لمحات تو وہ مبہوت ہو کر برف کی وسعتوں کو تکا کئے، پھر ہیریڈو کے اوسان بحال ہوئے اس نے غور سے پہاڑوں کی بلندیوں کو دیکھا تو وہاں سے برف گرنے کے کوئی آثار دکھائی نہ دیے۔ دونوں آگے بڑھے اور ایک اور چٹان کے اوپر چڑھ کر دیکھا...... تو ان کی جان میں جان آئی۔ ڈھانچہ موجود تھا ــــ اس سے پہلے وہ کسی دوسری چٹان پر چڑھ گئے تھے جو ان کی دانست میں جہاز کے ڈھانچے کے قریب ہونی چاہیے تھی۔

ڈھانچے میں رہ جانے والوں کو ان کی واپسی کی کوئی توقع نہ تھی اور گوشت کے ذخیرے کے بارے میں بھی انہوں نے بالکل نہ سوچا تھا چنانچہ ہیریڈو اور وزنطین نے خود ہی برف کھود کر ایک نعش تلاش کی۔ پھر گوشت کاٹا اور جرابوں کے تھیلے گوشت سے بھرے۔ ان تمام کاموں میں دو دن صرف ہوئے پھر وہ ٹیل کی طرف لوٹ آئے۔ واپسی پر انہوں نے دیکھا کہ ہارلے اور کینیسا نے بیٹری، ریڈیو اور انٹینا کی تمام تاریں جوڑ رکھی ہیں لیکن ریڈیو خاموش تھا۔ ہیریڈو نے ٹیل کے الیکٹرک سرکٹ میں سے تاریں اکھاڑ کر انہیں آپس میں جوڑا۔ ایک سرا ٹیل میں لگایا، دوسرا ایک اونچی چٹان تک لے گیا۔ اس طرح یہ انٹینا کوئی ساٹھ فٹ بلند ہو گیا اسے انہوں نے اپنے ٹرانسسٹر ریڈیو سے جوڑا تو وہ فوراً بول اٹھا۔ انہوں نے ڈائل گھمایا تو چلی، ارجنٹینا اور یوراگوئے کے کئی سٹیشن سننے گئے۔ لیکن...... وہ انہیں صرف سن سکتے تھے۔ ان تک اپنا پیغام پہنچانا ان کے بس میں نہ تھا ــــ ٹرانسسٹر سے ایریل اتار کر انہوں نے جہاز کے ریڈیو سے جوڑا لیکن بے سود وہ بدستور خاموش تھا۔ مایوس ہو کر انہوں نے یہ ایریل پھر ٹرانسسٹر سے جوڑ دیا۔ کسی ریڈیو سے موسیقی کا پروگرام نشر ہو رہا تھا۔

اچانک انہیں پیریڈو کی چیخ و پکار سنائی دی۔ اس کی طرف متوجہ ہوئے تو پتہ چلا کر سوٹ کیسوں کی تلاشی لیتے ہوئے اسے ایک تصویر ہاتھ آئی ہے۔ یہ کسی بچی کی سالگرہ کی تصویر تھی جو پھولوں سے لدی ایک میز کے کنارے بیٹھی تھی۔ میز پہ دنیا بھر کی نعمتیں جمع تھیں، کیک پیسٹریاں، بسکٹ، سینڈوچ۔ پیریڈو تصویر ہاتھ میں پکڑے ہذیاتی انداز میں چیخ رہا تھا گویا کھانے کی ساری چیزیں سچ مچ اس کے سامنے تھیں۔ دوسروں نے تصویر دیکھی تو ان کی رال بھی ٹپکنے لگی۔ کینیسا پیٹ پر ہاتھ پھیرتے ہوئے بولا،

"کیک کی طرف دیکھو، کتنا لذیذ ہے۔"

"سنیڈوچ کتنے مزیدار ہیں"۔ پیریڈو نے رائے دی۔

"یہ بسکٹ میری طرف بڑھانا ذرا" وزنطین نے درخواست کی اور تصویر اس کے ہاتھ میں تھما دی گئی۔ جس ٹرانسسٹر ریڈیو کے ساتھ انہوں نے انٹینا منسلک کیا تھا، اس پر اتفاق سے انہوں نے ایک ایسا بلیٹن بھی سُنا جو خود ان سے متعلق تھا خبروں میں کہا گیا تھا کہ یوراگوئے فضائیہ کا ایک ڈگلس ۴۷- C طیارہ عنقریب گمشدہ افراد کی تلاش شروع کرے گا۔ چاروں کا ردعمل مختلف تھا۔ ہارلے تو خوشی سے پھولے نہ سمایا، کینیسا بھی پرامید تھا، وزنطین نے کسی خاص ردعمل کا اظہار نہیں کیا جب کہ پیریڈو نے مکمل ناامیدی ظاہر کی۔ اس کا کہنا تھا کہ محض اس بات سے ہمیں کسی خوش فہمی کا شکار نہیں ہونا چاہیے کہ وہ تلاش دوبارہ شروع کر رہے ہیں۔ آخر اس سے یہ مطلب کیسے نکلتا ہے کہ وہ ضرور ہمیں پا لیں گے۔"

تاہم وہ اس بات پر متفق ہو گئے کہ جہاز کی ٹیل کے قریب ہی صلیب کا نشان بنا دیا جائے اور بکھرے ہوئے سوٹ کیسوں کی مدد سے انہوں نے یہ کام کر ڈالا۔ ریڈیو کی طرف سے وہ مکمل مایوس ہو گئے تھے۔ صرف کینیسا ابھی تک پرامید تھا اور ریڈیو سے الجھا ہوا تھا جب کہ پیریڈو اور وزنطین اب یہ ارادہ کر چکے تھے کہ اب فوری طور پر کسی بستی کی تلاش میں روانہ ہونا چاہیے اور اس سلسلے میں ان کی سمت وہی ہونی چاہیے جس کے بارے میں وہ سب پر یقین تھے یعنی یہ کہ چلی ان کے مغرب میں واقع ہے۔

جس دوران وہ ٹیل میں رہے، تیز دھوپ کی وجہ سے ان کے اردگرد برف پگھلتی رہی۔

صرف ٹیل کے نیچے کی برف منجمد تھی اور اب یوں معلوم ہوتا تھا گویا ٹیل برف کے کسی ستون پر پڑی ہے۔ اس سے نہ صرف اس میں داخل ہونا مشکل ہو گیا تھا بلکہ ان کے چلنے پھرنے سے بھی خطرہ تھا کہ کہیں ٹیل گر نہ پڑے۔ ایک رات جب وہ سونے کی تیاریوں میں مصروف تھے تو ٹیل ہلنے لگی۔ پیریڈو پر وحشت طاری ہو گئی۔ اس نے سوچا کہ اگر ٹیل برف کے ستون پر سے گر گئی تو جانے پھسلتے پھسلتے کہاں جا پہنچے۔ چاروں دم سادھے لیٹے رہے ٹیل کی حرکت رک گئی۔ پیریڈو نے تجویز پیش کی کہ آخر باہر نکل کر کیوں نہ سویا جائے لیکن اس کی یہ تجویز مسترد کر دی گئی۔ کینیسا بولا، "اگر مرنا ہی ہے تو موت کو کون روک سکتا ہے لیکن کم از کم ایک رات چین کی نیند تو سو لینے دو۔" صبح ہوئی تو انہوں نے واپسی کا فیصلہ کیا۔ چلنے سے پہلے انہوں نے جیبوں میں سگریٹیں ٹھونس لیں۔ ہارلے نے جھنجھلا کر ریڈیو سیٹ کو کئی ٹھوکریں لگائیں۔ پچھلے آٹھ دن انہوں نے اس "منحوس" ریڈیو پر ضائع کیے تھے لیکن وہ ان کے کسی کام نہ آیا۔

ٹھوکریں لگانے میں اس نے جو توانائی ضائع کی۔ اس کا احساس اسے بعد میں ہوا۔ پینتالیس ڈگری کی چڑھائی چڑھنا کوئی آسان کام نہ تھا۔ شروع شروع میں تو وہ ٹھیک ٹھاک چلتے رہے لیکن دھوپ کی وجہ سے جب برف نرم پڑ گئی تو وہ رانوں رانوں تک برف میں دھنسنے لگے گرچہ ہر پچیس تیس قدم کے بعد وہ آرام کرتے تھے لیکن پھر بھی رائے ہارلے بار بار پیچھے رہ جاتا نیند و پیریڈو اس کے ساتھ ہوتا کبھی وہ اس پر پھبتیاں کستا، کبھی حوصلہ بڑھاتا، کبھی سختی سے ڈانٹتا، کبھی پیار سے بہلاتا۔ رائے کبھی تو اپنی قوتیں مجتمع کر کے چلنے لگتا، کبھی رونے لگتا۔ یہ موٹے موٹے آنسو اس کی آنکھوں سے ڈھلکتے اور وہ التجا کرتا کہ اسے مرنے کے لیے وہیں چھوڑ دیا جائے لیکن پیریڈو کب مانتا تھا۔ پیار سے کام نہ نکلتا تو گالیوں پر اتر آتا۔ لیکن کب تک ـــــ ایک مقام پر پہنچ کر رائے نے بالکل ہی ہمت ہار دی ـــــ اور تمام ترلے عزتی کے باوجود ٹس سے مس نہ ہوا۔ تب پیریڈو اس کے قریب آیا، نرمی سے مخاطب ہوتے ہوئے بولا،

"دیکھو، جہاز زیادہ دور نہیں ہے۔ تم اپنے امی ابو سے ملنے کی خاطر ایک کوشش تو اور کر ڈالو۔ بس ہم پہنچے کہ پہنچے۔"

رائے کی آنکھوں سے آنسوؤں کا ایک اور سیلاب بہہ نکلا۔ تاہم الفاظ اپنا کام کر گئے وہ پیریڈو کے بازوؤں کا سہارا لے کر اٹھا اور لشتم پشتم پھر ان کے ساتھ چل دیا۔

وہ شام چھ سات بجے کے درمیان جہاز تک پہنچ سکے۔ سخت ٹھنڈی ہوا چل رہی تھی برف کے گالے بھی پڑ رہے تھے۔ ان کے تیرہ ساتھی پہلے ہی اندر جا چکے تھے اور ان کے آنے پر انہوں نے کسی گرم جوشی کا اظہار نہ کیا۔ کینفسیا کو ان کے سرد رویے سے اتنا دکھ نہیں تھا جتنا انہیں دیکھ دیکھ کر۔ ان آٹھ دنوں میں ان کی ہڈیاں نکل آئی تھیں اور ڈاڑھیاں بڑھ گئی تھیں۔ اس کے علاوہ اب جب وہ واپس آیا تو اسے جہاز کے ڈھانچے کے اردگرد منظر کی دہشت کا شدت سے احساس ہوا انسانی کھوپڑیاں بکھری پڑی تھیں۔ ہڈیاں عجیب منظر پیش کر رہی تھیں۔ اس نے سوچا اس سے پہلے کہ کوئی ان کی مدد کو آئے انہیں اردگرد کی صفائی ضرور کر لینی چاہیے۔

○

دسمبر کے پہلے ہفتے کا اخیر تھا۔ انہیں پہاڑوں پر چھپن دن ہو چکے تھے جب اچانک آسمان پر انہیں گدھ نما دو بڑے بڑے پرندے منڈلاتے نظر آئے۔ ان کے سر گنجے تھے اور بازوؤں کی لمبائی نو فٹ تک تھی۔ انہیں دیکھ کر لڑکوں میں ایک دہشت سی پھیل گئی کہ کہیں وہ ان کی خوراک نعشوں کا صفایا ہی نہ کر ڈالیں۔ وہ ریوالور سے ان پر فائر کر سکتے تھے لیکن اس میں خدشہ تھا کہ کہیں ریوالور کے دھماکے سے وہ کسی اور ایوالانچ کی زد میں نہ آجائیں۔ حادثے کے بعد اپنے علاوہ کسی اور جاندار کو دیکھنے کا یہ پہلا موقع تھا۔ وہ دن بھر منڈلاتے رہے۔ دوسرے دن بھی نمودار ہوئے لیکن پھر ایک سمت کو پرواز کر گئے۔

ان کے بعد زندگی کے کچھ اور آثار بھی دیکھنے میں آئے۔ پہلے شہد کی ایک مکھی جہاز کے ڈھانچے میں اڑتی نظر آئی، پھر مزید دو عام مکھیاں دیکھنے میں آئیں اور پھر ایک تتلی۔

اب دن کے وقت گرمی ہونے لگی تھی۔ دوپہر کے وقت تو انہیں دھوپ کی اچھی خاصی جلن محسوس ہوتی۔ ان کے ہونٹ پھٹنے لگے اور ان سے خون رسنے لگا۔ کچھ نے سوچا کہ جہاز کے اندر بنے ہوئے جھولے کے بانسوں اور ان کپڑوں کی مدد سے جو للیانہ متھول نے منڈوزا میں اپنی بیٹی کے لیے خریدے تھے، ایک چھوٹا سا خیمہ بنایا جائے۔ اس سے نہ صرف ایسی دھوپ میں بیٹھنے کی سہولت ہو جائے گی بلکہ ان کی تلاش میں آنے والے کسی جہاز کے لیے یہ اشارے کا کام بھی دے سکے گا۔ اصل میں اس چیز کی اہمیت زیادہ تھی۔ رائے اور اس کے

ساتھی جب ٹیل سے واپس آئے تھے تو انہوں نے ریڈیو پر سنی جانے والی خبر انہیں بتا دی تھی۔ اکثریت اس خبر سے زیادہ پر امید نہیں ہوئی تھی اور ان کا خیال یہی تھا کہ مدد کی تلاش میں جانے والوں کو اپنی مہم پر روانہ ہو جانا چاہیے۔ پیراڈو پر تو ویسے بھی اس خبر کا کوئی خاص اثر نہیں ہوا تھا۔ کینسا نے جب دیکھا کہ پیراڈو اپنے ارادے میں مضبوط ہے ہی تو وہ کیوں اپنی جان خطرے میں ڈالے، وہ بولا،

خاص آلات سے لیس ایک جدید ترین طیارہ ہماری تلاش میں نکلنے کو ہے۔ ہمیں چاہیے کہ کم از کم دس دن تو انتظار کریں۔ پھر دیکھتے ہیں کیا ہوتا ہے۔"

باقی لوگوں میں اس کے اس بیان پر سخت غم و غصے کی لہر پھیل گئی۔ وہ اس کی اتفاقیہ ڈانٹ ڈپٹ صرف اس لیے برداشت کرتے رہے تھے کہ آخر میں وہ انہیں یہ بتائے کہ وہ مہم پر نہیں جا رہا۔ نہ صرف یہ کہ وہ ڈگلس طیارے سے زیادہ خوش فہمیاں وابستہ کرنا نہیں چاہتے تھے بلکہ خوراک کا مسئلہ بھی تھا۔ نئی نعشیں برف کے نیچے دبی ہوئی تھیں اور انہیں نکالنا آسان کام نہ تھا۔ یہ خوف بھی تھا کہ خرابیٔ بسیار کے بعد جب وہ کسی نعش کو دریافت کریں تو وہ کوئی ایسی نعش ہو جسے نہ کھانے کا انہوں نے فیصلہ کر رکھا تھا۔ فیٹو کے دلائل میں زیادہ وزن تھا۔ وہ بے صبری سے بولا،

"وہ اگر ہماری تلاش میں آئے بھی تو اندازہ کرو —— ان کے خیال میں تو ہم مر کھپ چکے ہوں گے۔ وہ صرف ہماری لاشیں ڈھونڈنے آئیں گے اور جو جدید آلات جہاز میں نصب ہوں گے وہ فوٹوگرافی کے لیے ہی ہوں گے نا —— اگر وہ عین ہمارے سروں کے اوپر سے بھی پرواز کر گیا تو زیادہ سے زیادہ تصویر اتار کر لے جائے گا۔ پھر انہیں ڈویلپ کیا جائے گا۔ اس عمل میں تو مہینوں لگ جاتے ہیں۔"

اس دلیل نے کینسا کو متاثر کیا۔ پیراڈو تو خیر پہلے ہی سے مستعد تھا۔ اور روزنطین کی اپنی کوئی رائے نہ تھی۔ جو کچھ یہ دونوں کہتے وہ بلا چوں و چرا اسے تسلیم کر لیتا۔ چنانچہ انہوں نے آخری مہم کی تیاریاں شروع کر دیں۔ روزمرہ کی ضروریات کے علاوہ وہ بھی گوشت کاٹا جانے لگا تاکہ ذخیرہ کیا جا سکے اور دہم جو افراد کے کام آئے۔ رات سونے کے لیے سلیپنگ بیگ سیے جانے لگے جب دھاگہ ختم ہو گیا تو جہاز میں لگے ہوئے الیکٹرک سرکٹ کی باریک تاریں استعمال کی گئیں۔

پیریڈو اس کام میں بالکل اناڑی تھا چنانچہ وہ دوسرے کاموں میں مصروف رہا۔ ٹیل میں پائے جانے والے کیمرے کی مدد سے اس نے کچھ تصویریں اتاریں۔ راستے کے لیے کپڑے وغیرہ جمع کیے اور اسی طرح کا دوسرا ساز و سامان جس کی ضرورت پیش آسکتی تھی۔ اس نے جین کی ایک پتلون کے پائنچوں کو بند کر کے ان کا تھیلا بنایا۔ اس میں جہاز کا کمپس، جرابوں کے چار جوڑے، اپنا پاسپورٹ، چار سو امریکی ڈالر، پانی کی ایک بوتل، ایک چاقو اور اپنے زخمی ہونٹوں پر لگانے کے لیے کسی خاتون کی لپ سٹک ڈال لی۔

درنظین نے اپنے لیے جو سامان تیار کیا اس میں ایک شیونگ کٹ بھی شامل تھی۔ اس کی وجہ یہ نہیں تھی کہ کسی آبادی میں پہنچنے سے پہلے وہ شیو ضرور کرنا چاہتا تھا، بلکہ یہ اس کے والد کی طرف سے ملا ہوا تحفہ تھا اور وہ کسی قیمت پر بھی اسے چھوڑنا نہ چاہتا تھا۔ اس نے جہاز سے ملنے والے چارٹ، شراب اور پانی کی ایک ایک بوتل، خشک جرابیں اور ریوالور اپنے سامان میں ڈال لی۔

کینیسا کے تھیلے میں تمام وہ دوائیں شامل تھیں، جن کی ضرورت، اس کے خیال میں، راستے میں پڑ سکتی تھی، چپکنے والی پٹیاں، دانتوں کی کریم، اسپرین، دستوں کو روکنے والی گولیاں، جراثیم کش محلول، عضلات کو گرم کرنے والی دوا، اور ایک بڑی سی گولی بھی جس کا استعمال معلوم نہیں کیا تھا۔ اس کے علاوہ اس نے عورتوں کے میک اپ میں استعمال ہونے والی ایک کریم بھی ساتھ لی کہ یہ اس کی جلد کی حفاظت کے کام آئے گی۔ دوسرے سامان میں ٹوتھ پیسٹ، اپنے کاغذات، ویکسینیشن سرٹیفکیٹ، منھول کا چھوٹا چاقو، ایک چمچ، کاغذ، تار اور ہاتھی دانت کا ایک کنگھا شامل تھا۔

آٹھ دسمبر مریم کے تہوار کا دن تھا۔ سب نے فیصلہ کیا کہ اس دن مہم کی کامیابی کی دعا میں تمام کی تمام نظمیں پڑھی جائیں گی لیکن ابھی انہوں نے پانچ نظمیں ہی پڑھی تھیں کہ ان کی آواز ان کا ساتھ چھوڑ گئی اور وہ تھک کر سو گئے۔ باقی نظمیں انہوں نے دوسرے دن نو دسمبر کو مکمل کیں۔ یہ بیند د پیریڈو کی تیئسویں سالگرہ کا دن تھا۔ اس دن اداسی اور بڑھ گئی کیونکہ ان کا خیال تھا کہ وہ یہ سالگرہ مونٹی ویڈیو میں زبردست طریقے سے منائیں گے۔ بہر حال اس جگہ انہوں نے اسے ٹیل سے ملنے والے ایک سگار کا تحفہ پیش کیا۔ جسے پیتے ہوئے پیریڈو کو تمباکو نے کم اور سگار کی پیشکش نے زیادہ لطف دیا۔

دس دسمبر کو بھی کینیسا کا اصرار تھا کہ مہم روانہ نہیں ہو سکتی کیونکہ اس کے بقول نہ تو سلیپنگ بیگ اس کی تسلی کے مطابق تیار تھے اور نہ وہ ، وہ تمام چیزیں جمع کر پایا تھا جن کی ضرورت انہیں راستے میں پڑ سکتی ہے اور اس سب کچھ کے باوجود ، وہ جانے والے کام مکمل کرنے کی بجائے سارے دن لیٹا رہتا تھا یا اصرار کرتا تھا کہ رائے کے پیروں کے چھالوں کا علاج کیا جائے۔ وہ کم عمر لڑکوں سے جھگڑتا بھی تھا۔ اس نے فرینکو بئیس کو بتایا کہ جب وہ ٹیل میں گئے ہوئے تھے تو ایک دن رفع حاجت کے بعد وزنطین نے اس کی خوبصورت ٹی شرٹ سے اپنی صفائی کی تھی۔ فرینکو بئیس بوبی کو اس بات پر سخت غصہ آیا کینیسا اپنے گہرے دوست میجینو تک سے لڑا حالانکہ وہ شروع سے اس کی تعریف کرتا آیا تھا، کسی معمولی بات پر جھگڑا شروع ہوا۔ کینیسا اس پر برس پڑا۔ اس نے پلٹ کر گالی دی۔ کینیسا کو سخت غصہ آیا۔ اس نے اس کے بال پکڑ لیے اور اسے تھپڑ رسید کرنے کو ہی تھا۔ لیکن پھر جانے کیا خیال آیا۔ اس نے اسے دھکا دینے پر اکتفا کیا اور خود جہاز کی دیوار سے ٹیک لگا کر بیٹھ گیا۔

میجینو سسکتے ہوئے بولا " آج سے تم میرے دوست نہیں ہو "

کینیسا بڑی لجاجت سے بولا " مجھے معاف کر دو۔ آج میری طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔"

اس دن وہ کسی کا دوست نہیں تھا۔ سٹراچ برادران کا خیال تھا کہ وہ جان بوجھ کر ایسی حرکتیں کر رہا ہے تا کہ اسے مہم پر نہ جانے کا کوئی بہانہ ہاتھ آئے۔ اس دن اسے مہم جو افراد کے لیے مخصوص کی جانے والی آرام دہ جگہ پر بھی نہیں سلایا گیا بلکہ اسے دروازے کے قریب سونا پڑا۔ صبح اٹھا تو بولا " ہو سکتا ہے کہ تلاش میں آنے والا جہاز عین ہمارے اوپر پرواز کرے۔ اس کی توجہ اپنی طرف مبذول کروانے کے لیے ہمیں کم از کم صلیب کا نشان تو بنانا چاہیئے۔" پھر بغیر کسی کے جواب کا انتظار کیے وہ باہر گیا اور ایک مناسب سی جگہ دیکھ کر وہاں چل چل کر صلیب کا نشان بنانے لگا۔ دوسرے لڑکے جنہیں چلنے میں کوئی دشواری نہ تھی، اس کے ساتھ مل گئے۔ جب برف دبا چکے تو جہاں صلیب کی لائنیں ایک دوسری کو کاٹتی تھیں وہاں انہوں نے فالتو چیزیں رکھ دیں۔ پائلٹوں کی چمکدار زرد اور سبز جیکٹیں بھی اس نشان پر رکھ دی گئیں۔ انہوں نے یہ فیصلہ بھی کیا کہ اگر جہاز نظر آئے تو ان سب کو اٹھا کر صلیب کے ارد گرد بھاگنا چاہیے کہ جہاز سے حرکت کرنے والی چیز زیادہ آسانی

سے نظر آسکتی ہے۔

اس رات فینٹوسٹراچ نیندو پیرپڈو کے پاس گیا اور کہا کہ اگر کینیسا مہم پر جانے کے لیے تیار نہیں تو وہ ساتھ چلنے کو تیار ہے لیکن مہم کو روانہ ہو جانا چاہیے۔ پیرپڈو نے اسے تسلی دی اور کہا کہ وہ کینیسا سے بات کر چکا ہے۔ وہ ضرور جائے گا لیکن ان سب کو مل کر کوشش کرنی چاہیے کہ سلیپنگ بیگ جلد از جلد تیار ہو جائے۔

صبح ہوئی تو سٹراچ برادران سلیپنگ بیگ پر جُت گئے۔ انہوں نے تہیہ کیا کہ شام تک وہ اسے مکمل کر لیں گے تاکہ مزید تاخیر کا بہانہ نہ بنے

اس دوران ایک اور واقعہ رونما ہوا۔ ینو ماٹر کاٹی دن بدن کمزور ہوتا جا رہا تھا۔ رائے ہارلے اور کوشے انسیارٹی کی صحت پہلے ہی خراب تھی اور دو "ڈاکٹر" کینیسا اور زربینو ان تینوں کی صحت کے بارے میں فکرمند تھے۔ ٹرکاٹی گرچہ تمام لڑکوں میں مقبول تھا تاہم اس کی دیکھ بھال کی ذمہ داری اس کے قریبی دوست پانچوڈ بلگاڈو نے اپنے سر لے رکھی تھی اس کا راشن بھی وہی وصول کر کے لاتا، اس کے لیے برف بھی وہی پگھلاتا اور اسے سگریٹیں پینے سے بھی باز رکھتا کیونکہ کینیسا نے بتایا تھا کہ سگریٹیں اس کے لیے سخت مضر ہیں۔ اس سب کچھ کے باوجود ٹرکاٹی کی صحت گرتی ہی چلی گئی اور ڈیلگاڈو نے سوچا کہ اس کی صحت بحال رکھنے کے لیے کچھ اور کام بھی کرنا چاہیے۔ اس کے ذہن میں آیا کہ کیوں نہ اپنے مریض کے لیے زائد راشن حاصل کرے اور اس کے لیے اپنی عادت کے برخلاف اس نے فیصلہ یہی کیا کہ وہ چوری چھپے اس زائد راشن کا بندوبست کرے کیونکہ خدشہ تھا کہ زائد راشن کا مطالبہ کیا گیا تو شاید انکار کر دیا جائے لیکن ایک دن اس کا بھانڈا پھوٹ گیا۔

کینیسا کو دست لگے ہوئے تھے اور وہ ینو ماٹر کاٹی کے قریب ہی لیٹا تھا۔ دستوں کی وجہ سے اس نے کھانا پینا بند کر رکھا تھا۔ ڈیلگاڈو راشن لینے کے لیے باہر گیا اور جب اندر آیا تو کینیسا نے دیکھا کہ اس دن گوشت بھنا ہوا ہے۔ اس نے چکھنے کی خواہش ظاہر کی۔ ڈیلگاڈو نے تھوڑا سا گوشت اسے دیا جسے چکھ کر کینیسا نے فیصلہ کیا کہ وہ بھی اپنے حصے کا راشن لے ہی آئے۔ وہ اٹھ کر باہر گیا تو ایڈورڈ سٹراچ راشن بانٹ رہا تھا۔ اس نے اپنا حصہ مانگا تو اسے بتایا گیا کہ اس کا حصہ تو ڈیلگاڈو لے جا چکا ہے۔ کینیسا نے بتایا کہ اسے اس کا حصہ نہیں ملا۔ دونوں میں تو تو میں میں ہونے لگی۔ اسی دوران ڈیلگاڈو بھی باہر آ گیا۔ اس سے پوچھا گیا تو اس نے کہا کہ اس نے کون سا راشن اپنے لیے لیا تھا۔ مزید اصرار پر وہ

رہتے، کچھ اونگھ لیتے اور کچھ خاموش لیٹے رہتے۔ سہ پہر تین بجے کے قریب جب وہ اٹھ کر باہر جانے لگے تو جیویز متھول نے دیکھا، ایک شخص یونا ٹرکانی کے جسم پر پاؤں رکھنے کو ہے۔ اس نے بے صبری سے اشارہ کرتے ہوئے کہا" دیکھو، دیکھو، سنبھل کے، یونا ٹرکانی لیٹا ہوا ہے۔"

"لیکن یہ تو مر چکا ہے۔" جواب آیا۔

جیویز متھول کو اب تک اس بات کا پتہ نہیں تھا۔ اس کی آنکھوں سے اشکوں کا ایک سیلاب بہہ نکلا۔ اپنی بیوی للیانہ کی موت کے بعد آج وہ پھر پھوٹ پھوٹ کر رو دیا۔ وہ یونا ٹرکانی جیسے بھولے بھالے شرمیلے لڑکے کو اپنے بیٹے کی طرح چاہنے لگا تھا۔ وہ بھی اس سے روٹھ گیا تھا۔

تاہم اس کی موت نے کینیا سے یہ بات منوالی کہ وہ مزید انتظار نہیں کر سکتے اور اگر انہیں زندگیاں عزیز تھیں تو کوئی نہ کوئی قدم اٹھانا ناگزیر تھا۔ رائے ہارلے، کوشٹے انفیارٹی اور مانچو سیلا کی حالت بھی پتلی تھی وہ بہکی بہکی باتیں کرنے لگے تھے۔ ایک ایک لمحے کی تاخیر موت سے ان کا فاصلہ کم رہی تھیں۔ چنانچہ فیصلہ کیا گیا کہ مہم جو افراد ہر حال میں دوسرے دن مغرب کی طرف روانہ ہو جائیں۔

اس شام جہاز کے اندر جانے سے پہلے نینڈو پیریڈو سٹراچ برادران کو ایک طرف لے گیا اور بولا، "میرے پیچھے اگر خوراک کم پڑ جائے تو تم میری ماں اور بہن کی لاش کھانے سے گریز مت کرنا ——— میری خواہش تو یہی ہے کہ یہ مرحلہ نہ آئے لیکن یہ زندگی اور موت کا مسئلہ ہے کوئی اور چارہ کار بھی نہیں۔"

سٹراچ برادران گرچہ خاموش رہے لیکن ان کے چہرے بتا رہے تھے کہ پیریڈو کے الفاظ کا ان پر کتنا اثر ہوا ہے۔ ٹھیک ہے یہ زندگی اور موت کا مسئلہ تھا لیکن ماں اور بہن جیسی عزیز ہستیوں کی لاشوں کی پیشکش ——— بڑا حوصلہ چاہیے تھا اس کے لیے اور پیریڈو نے اس حوصلے کا مظاہرہ بڑے صبر و سکون سے کیا تھا۔

○

دوسرے دن صبح پانچ بجے پیریڈو، کینیا اور وزنطین مہم پر روانہ ہونے کے لیے

بولا کہ شاید تمہیں احساس نہ ہو لیکن اگر ینوماٹرکائی کو زاید راشن نہ دیا گیا تو وہ بہت جلد مر جائے گا۔

"لیکن تم نے ہم سے کیوں نہ کہا؟" سوال کیا گیا۔

"میرا خیال تھا کہ تم سنی ان سنی کر دو گے۔"

سراچ نے گرچہ اس واقعے کو نظر انداز کر دیا لیکن ڈیگاڈو کے بارے میں ان کے شکوک برقرار رہے۔ انہیں معلوم تھا کہ کچے گوشت والے دن ینوماٹرکائی کو کھانے کی بالکل رغبت نہ ہوتی تھی اور اس سے اپنا حصہ نہ کھایا جاتا تھا۔ زائد راشن استعمال کرنے کا تو سوال ہی نہیں تھا۔ انہوں نے یہ بھی دیکھا کہ ڈیگاڈو جن سگریٹوں کے پینے سے ینوماٹرکائی کو باز رکھتا تھا انہیں وہ خود اڑا جاتا تھا۔

زائد راشن کے باوجود ٹرکائی کو کوئی افاقہ نہ ہوا اور دن بدن وہ کمزور ہوتا چلا گیا۔ کمزوری کے ساتھ ساتھ اس کی بھوک بھی ختم ہو گئی اور اس پر مستزاد یہ کہ اس کی کمر پہ مسلسل لیٹے رہنے کی وجہ سے زخم آ گئے۔ اس نے زربینو کو پاس بلایا اور زخم دیکھنے کو کہا۔ اس سے پہلے اس کا چہرہ بڑھی ہوئی شیو اور جسم کپڑوں میں چھپا رہتا تھا چنانچہ اس کی نقاہت کا اتنا اظہار نہیں ہوتا تھا لیکن زخم کے معائنے کے لیے اس نے ٹرکائی کے کپڑے اتارے تو دیکھا کہ اس کے جسم پر گوشت کا نشان تک نہیں تھا۔ وہ محض ڈھانچہ بن کر رہ گیا تھا —— زربینو نے دوسرے لڑکوں کو بتایا کہ ینوماٹرکائی بس چند روز کا مہمان ہے۔

انسیارٹی اور سبیلا کی طرح نیوما پر بھی خود فراموشی کے دورے پڑنے لگے اور وہ بہکی بہکی باتیں کرنے لگا دس دسمبر کی رات وہ گہری نیند سویا۔ صبح ڈیلگاڈو دھوپ سینکنے کے لیے باہر نکلا۔ اسے ینوماٹرکائی کے بارے میں کینیسا کی رائے بتائی گئی تو اس نے اسے تسلیم کرنے سے انکار کر دیا۔ اسی دوران کینیسا باہر آیا اور بتایا کہ ینوماٹرکائی بے ہوش پڑا ہے۔ ڈیلگاڈو فوراً جہاز کے ڈھانچے میں گیا۔ دیکھا ینوماٹرکائی کی آنکھیں کھلی ہیں وہ مسلسل چھت کی طرف دیکھ رہا ہے لیکن ڈیلگاڈو کی موجودگی پر اس نے کوئی ردعمل ظاہر کیا نہ اس کی کسی بات کا جواب دیا۔ اس کی آنکھیں کھلی تھیں لیکن وہ ہوش میں نہیں تھا۔ سانسیں بھی اکھڑ رہی تھی۔ نمناک آنکھوں کے ساتھ ڈیلگاڈو اس پر جھکا اور دعائیہ نظمیں آہستہ آہستہ پڑھنے لگا —— دعاؤں کے دوران ہی نیوما ٹرکائی کی سانس رک گئی، ہمیشہ کے لیے۔

دوپہر کے وقت آرام کے لیے انہوں نے گدے جہاز کے اندر بچھائے تو فضا بہت ہی سوگوار تھی۔ ان دنوں میں وہ دوپہر کو بھی تھوڑی دیر کے لیے لیٹ جاتے تھے۔ کچھ چپکے چپکے باتیں کرتے

اٹھ کھڑے ہوئے سب سے پہلے انہوں نے خود کو تیار کیا۔ جہاز کے مسافروں کے کپڑوں میں جتنے وہ پہن سکتے تھے، پہن لیے۔ پیریڈو نے سب سے پہلے کسی خاتون کا اونی طویل زیر جامہ پہنا اور اس پر تین پتلونیں چڑھائیں۔ اوپر پہلے ٹی شرٹ پہنی، پھر پورے بازوؤں والا ایک سویٹر، اس پر قمیض، پھر بغیر بازوؤں کا ایک سویٹر، پھر ایک مکمل سویٹر۔ کل چھ سویٹر تھے جو اس نے ڈاٹ رکھے تھے۔ ایک اونی شال لے کر اس نے اچھی طرح اپنی گردن اور سر کے اردگرد لپیٹ لی پھر سوسنا کے فرکوٹ کے کالر اس نے شانوں پر ڈالے اور ان کے اوپر ایک جیکٹ پہن لی۔ پیروں پر چار جرابیں پہن کر اس نے بوٹ پہنے اور ان پر پلاسٹک کے لفافے (شاپنگ بیگ) چڑھا کر باندھ دیے تاکہ نمی جوتوں میں داخل نہ ہو۔ ہاتھوں میں دستانے، آنکھوں پر عینک اور چلنے میں مدد حاصل کرنے کو المونیم کی ایک چھڑی۔

ورزطین کی تیاری بھی اسی طرح کی تھی۔ اس کے علاوہ معمول کے مطابق اس کا وزن اوروں سے زیادہ تھا۔ خوراک کا ذخیرہ اسی کے سپرد تھا جس میں گوشت تھا، چربی کے ٹکڑے تھے اور کلیجی وغیرہ سب کچھ پلاسٹک کے لفافوں میں تھا یا جرابوں کے بنے ہوئے تھیلوں میں۔ یہ خوراک ان تین افراد کو دس دنوں کے لیے کافی تھی۔

کینیسا نے سلیپنگ بیگ اٹھائے۔ خود کو ڈھانپنے کے لیے اس نے جن کپڑوں کا انتخاب کیا تھا، وہ تمام کے تمام اس کے لیے اہم تھے۔ اس نے جو سویٹر پہنے، ان میں سے ایک اسے کسی دوست نے تحفہ دیا تھا، ایک اس کی ماں نے خرید کر دیا تھا اور ایک اس کی چچا زاد بہن نے خود اپنے ہاتھوں بنا تھا۔ جو پتلونیں اس نے پہنیں تھیں ان میں سے ایک اس کے قریبی دوست دانیال میبسون کی تھی، بیلٹ اسے پیریڈو نے یہ کہتے ہوئے تحفے میں دی تھی "یہ تحفہ مجھے پنچائتو نے دیا تھا جو میرا بہترین دوست تھا۔ اب تم میرے گہرے دوست ہو، تمہارے لیے۔" اس نے ایبل کے دستانے پہن رکھے تھے اور جیویر میتھول کی دعاؤں کے ساتھ وصول کیے ہوئے سکی انگ (SKIING) والے بوٹ۔

سٹراچ برادران نے روانگی سے پہلے تینوں کو بھرپور ناشتہ کروایا۔ دوسرے خاموشی سے انہیں دیکھتے رہے۔ الفاظ ان احساسات کا احاطہ کرنے سے قاصر ہیں جو اس وقت ان پر طاری تھے۔ سب جانتے تھے کہ زندگیاں بچانے کی یہ ان کی طرف سے آخری کوشش ہے۔ پیریڈو نے انہیں سہمے ہوئے دیکھا تو حوصلہ بڑھانے کو ایک اور کام کیا۔ اس نے اپنی جیب سے ننھے منے

سرخ جوتوں کا جوڑا نکالا۔ سب جانتے تھے کہ یہ جوڑا اس نے اپنے پیارے بھتیجے کے لیے بینڈورا سے خریدا تھا۔ اس نے فیتے کھول کر انہیں الگ الگ کیا۔ ایک جوتا اپنی جیب میں ڈالا، دوسرا اس نے جہاز میں ہیٹ ٹانگنے والی جگہ پر لٹکاتے ہوئے کہا، "فکر مت کرو —— میں اسے لینے ضرور واپس آؤں گا۔"

سب خوشی سے کھل اٹھے۔ انہوں نے مسرور لہجے میں کہا، "سانٹیاگو کے ہوٹلوں میں ہمارے لیے کمرے بک کروانا مت بھولنا۔" پھر وہ باری باری گلے ملے اور تینوں افراد پہاڑ کی چوٹی کی طرف روانہ ہو گئے۔

وہ پانچ سو گز گئے ہوں گے کہ پانچو ڈیلگاڈو حضرت مریمؑ کا ایک مجسمہ لیے گھبرایا گھبرایا جہاز سے باہر آیا اور چیخ چیخ کر بولا۔

"ٹھہرو، ٹھہرو۔ تم مریمؑ کو تو نہیں چھوڑنے جا رہے ہو؟"

کینیسا رکا، اس نے مڑ کر دیکھا اور بولا۔

"فکر نہ کرو۔ اگر وہ ٹھہرنا چاہتی ہیں تو انہیں اپنے پاس ٹھہراؤ۔ ہمارے دلوں میں خدا کی یاد باقی ہے۔ کافی ہو گی۔"

چڑھائی مشکل تھی۔ راستہ بناتے بناتے وہ سیدھے چڑھنے کی بجائے شمال مغرب کی طرف کو جا نکلے تھے اور انہیں احساس تھا کہ اوپر نسبتاً کم چڑھائی والی چٹانوں پر جا کر انہیں مغرب کی طرف مڑنا ہے۔ لیکن مسئلہ یہ تھا کہ چٹانوں کی ڈھلوانیں بتدریج مشکل ہوتی جا رہی تھیں۔ بالآخر وہ رک گئے اور مشورہ کرنے لگے کہ دائیں جاتے جاتے کہیں وہ کسی اور سمت ہی میں نہ نکل جائیں چنانچہ ہرچہ بادا باد کا نعرہ بلند کرتے ہوئے انہوں نے عین مغرب کی طرف چڑھنا شروع کر دیا اس وقت تک دھوپ نکل آئی تھی اور سورج کی حدت کی وجہ سے برف نے بھی پگھلنا شروع کر دیا تھا۔ تمام تر احتیاط کے باوجود ان کے پاؤں گھٹنوں گھٹنوں برف میں دھنس جاتے تھے لیکن انہوں نے حوصلے نہ ہارے اور کسی نہ کسی طرح سفر جاری رکھا۔ چند گزوں کے بعد وہ سستاتے اور پھر چل پڑتے۔ دوپہر تک وہ خاصی بلندی تک پہنچ گئے دور نیچے فیرچائلڈ کا ڈھانچہ اب بھی نظر آ رہا تھا۔ لڑکے گدیلوں پر بیٹھے انہی کی جانب دیکھ رہے تھے۔

دوپہر کے کھانے میں انہوں نے تھوڑا تھوڑا گوشت اور چربی کھائی۔ کچھ دیر آرام کیا اور

پھر بلندیوں کی جانب روانہ ہو گئے۔ ان کا ارادہ تھا کہ شام سے پہلے پہلے اس پہاڑ کی چوٹی کو سر کر لیں کیونکہ دامن میں تو ڈھلوانوں پر رات گذارنا خطرے سے خالی نہ تھا۔ اوپر چڑھتے ہوئے وہ سوچ رہے تھے کہ پہاڑ کے اس پار چھوٹی چھوٹی پہاڑیاں ہوں گی، جن پر لہلہاتا سبزہ ہوگا اور کہیں قریب ہی کسی چرواہے کی جھونپڑی یا کسی کسان کی رہائش گاہ۔ لیکن اس بات کا بھی انہیں پہلے سے تجربہ تھا کہ برف میں فاصلوں کا اندازہ کرنا آسان کام نہ تھا۔ جب سورج غروب ہوا تو وہ چوٹی سے بہت نیچے تھے اور اب جب کہ یہ طے تھا کہ رات انہیں وہیں کہیں گذارنا تھی، وہ ایسی جگہ کے متلاشی ہوئے جو نسبتاً ہموار ہو اور جہاں سوتے ہوئے وہ نیچے کی طرف نہ لڑھک جائیں لیکن وہاں ایسی جگہ کہاں۔ ڈھلوان تقریباً عمودی ہو چلی تھی۔ اسی دوران ورخلین ایک ابھری ہوئی چٹان کے اوپر چڑھا تو اپنے بوجھل تھیلے کی وجہ سے توازن قائم نہ رکھ سکا اور اس طرح گرا کہ اس کی ٹانگیں چٹان سے نیچے لٹک رہی تھیں۔ بڑی مشکلوں سے وہ سنبھلا تو اس پر اتنی دہشت طاری ہوئی کہ سمٹ کر ایک طرف کو بیٹھ گیا۔

پیر یڈو اور کینیسا نے ہموار جگہ کی تلاش جاری رکھی۔ ایک اور ابھری ہوئی چٹان نظر آئی۔ پیریڈو کا خیال تھا کہ اس کے اوپر شاید جگہ ہموار ہو۔ اس نے کینیسا کو نیچے کھڑے رہنے کو کہا اور خود اوپر چڑھ گیا۔ کینیسا نیچے کھڑا تھا کہ اوپر سے پیریڈو کی گھبرائی گھبرائی آواز آئی "بچنا، بچنا، بچنا" کینیسا نے جلدی سے سر اٹھایا تو کیا دیکھتا ہے کہ ایک بڑا سا پتھر، جو پیریڈو کے بوٹ لگنے سے برف سے پھسل گیا تھا، تیزی سے لڑھکتا آ رہا ہے۔ کینسا ایک طرف ہٹ گیا۔ پتھر اس کے قریب سے گذر گیا۔ کینیسا چیخا، "او خدا کو مانو ــــ کیا مجھے مارنے کے ارادے ہیں؟" یہ کہہ کر وہ رونے لگا۔ نا امیدی اور مایوسیوں کے سوا انہیں کچھ بھی دکھائی نہ دیتا تھا۔

پیریڈو نے بتایا کہ چٹان کے اوپر تو جگہ اور بھی خطرناک ہے ــــ لیکن تھوڑی دور آگے ایک بڑے تودے کی بغل میں انہیں ایک گڑھا سا مل گیا۔ ہوا اس تودے سے کچھ ایسے زاویے سے ٹکراتی تھی کہ اس کی بغل کی برف اڑ اڑ کر نیچے گر جاتی تھی۔ انہوں نے یہیں رات گذارنے کا فیصلہ کیا۔ گڑھے کے اوپر ایک شامیانہ سا پھیلایا اور خود سلیپنگ بیگ میں گھس گئے۔

رات تاروں بھری تھی۔ درجہ حرارت نقطۂ انجماد سے کئی ڈگری نیچے تھا لیکن سلیپنگ بیگ بڑا کارآمد ثابت ہوا۔ وہ کافی حد تک سردی سے محفوظ تھے۔ انہوں نے تھوڑا تھوڑا

گوشت کھایا اور ایک ایک گھونٹ شراب پی۔ اب جانے انہیں نیند آئی یا نیم بے ہوشی کی حالت نے انہیں آ لیا۔ سخت سردی کا عالم، نیچے گدے تو تھے نہیں، سخت زمین تھی۔ صبح کا اجالا پھیلا تو وہ تینوں جاگ رہے تھے۔ وہ سلیپنگ بیگ ہی میں پڑے پڑے سورج نکلنے کا انتظار کرنے لگے تاکہ ان کے بوٹ جنہیں انہوں نے باہر رکھ چھوڑا تھا، نرم ہو کر پہننے کے قابل ہو جائیں۔ ابھی تو وہ بھی سردی سے اکڑ کر پتھر کی طرح سخت ہو گئے تھے۔ سورج کا انتظار کرتے ہوئے انہوں نے تھوڑا تھوڑا گوشت کھایا، بوتل سے پانی پیا اور ایک ایک گھونٹ شراب بھی۔

روشنی پھیلنے لگی تو وہ حیرت سے اپنے سامنے دیکھنے لگے۔ ہر طرف برف ہی برف تھی۔ کینیسا نے دیکھا کہ ہیر جائلڈ اور ٹیل سے پرے، مشرق کی طرف ایک باریک سی لکیر ہے۔ اس کے ذہن میں آیا جیسے یہ کوئی سڑک ہے جس پر برف بھی نہیں ہے لیکن پھر خود ہی اس نے اس کی توجیہہ کر لی کہ یہ صرف اس کی خوش فہمی ہے۔ مشرق کی طرف سڑک کہاں سے آئی، ان سب کا اتفاق تھا کہ چلی ان کے مغرب میں واقع ہے۔ اس نے اپنے اس خیال کا دوسروں سے ذکر کرنا بھی مناسب نہ سمجھا۔

جب سورج نکل آیا تو انہوں نے اوپر چڑھنا شروع کر دیا۔ آگے آگے پیر پاڈو، اس کے پیچھے کینیسا اور پھر وزنطین۔ گذشتہ دن کی تھکن اب بھی ان پر طاری تھی لیکن آرام کا وقت نہیں تھا۔ وہ چلتے رہے۔ ڈھلوان اتنی عمودی تھی کہ وزنطین کو پیچھے دیکھنے ہی سے خوف محسوس ہوتا تھا، وہ سر جھکائے، تھوڑا سا فاصلہ رکھے، کینیسا کے پیچھے پیچھے چلا جا رہا تھا۔ مسئلہ یہ تھا کہ چوٹی آنے کا نام ہی نہ لیتی تھی۔ جسے وہ چوٹی سمجھتے تھے، قریب آ کر وہ ایک اور چٹان میں بدل جاتی۔ دوپہر تک وہ چڑھتے رہے۔ ایک جگہ رکے، کچھ کھایا پیا اور پھر چل دیے۔ سہ پہر تک بھی وہ چوٹی کو سر نہ کر پائے۔ انہیں یقین تو تھا کہ وہ چوٹی کے قریب قریب پہنچ گئے ہیں لیکن گذشتہ رات کے تجربے سے فائدہ اٹھاتے ہوئے انہوں نے ابھی سے کوئی مناسب جگہ دیکھنی شروع کر دی۔ ابھی دن کا کافی اجالا باقی تھا کہ انہیں پچھلی رات جیسا ایک گڑھا نظر آیا اور انہوں نے وہیں رات بسر کرنے کا فیصلہ کر لیا۔

وزنطین کی طرح کینیسا کے دل میں کوئی خوف نہ تھا اور چڑھتے چڑھتے وہ مڑ کر بھی دیکھتا جاتا تھا۔ اس کی توجہ کا مرکز وہی لکیر تھی جو صبح کے وقت اس کی نظر پڑی تھی اور جوں جوں وہ بلندی پر چڑھتے تھے۔ یہ لکیر واضح طور پر ایک سڑک کی صورت اختیار کرتی جا رہی تھی۔

اس دن وہ سیلپنگ بیگ میں گھس کر بیٹھے تو اس نے دوسروں کو وہ لکیر دکھانے کی کوشش کی اور کہا کہ اس کے خیال میں تو وہ کوئی سڑک تھی۔ ہیریڈ کی نظر ویسے ہی کمزور تھی۔ اسے سڑک تو نظر نہ آئی لیکن وہ بولا کہ مشرق کی طرف سڑک کیوں کر ہو سکتی تھی۔ چیلی تو ان کے مغرب میں واقع ہے۔

" چیلی تو مغرب ہی میں ہے لیکن سڑکیں صرف چیلی ہی میں تو نہیں پائی جاتیں۔ کہیں بھی ہو سکتی ہیں اور میرے خیال میں یہ سڑک ہی ہے۔ کیوں وزنطین تم دیکھو ذرا غور سے، وزنطین کی نظر ہیریڈ سے بہتر نہیں تھی۔ اس نے خلا میں گھورا اور بولا " ہاں ایک لکیر سی تو نظر آرہی ہے۔ لیکن میں یقین سے نہیں کہہ سکتا کہ یہ کوئی سڑک ہی ہے۔"

"یہ سڑک ہو ہی نہیں سکتی۔" ہیریڈ نے فیصلہ دیا۔

کیبسا نے ایک اور دلیل دی۔ " ان پہاڑوں میں تانبے کی کانیں بھی پائی جاتی ہیں۔ ہو سکتا ہے یہ کسی کان کو آتی جاتی کوئی سڑک ہو۔"

" تمہیں کیسے معلوم ہے۔ یہاں تانبے کی کانیں ہیں۔" ہیریڈ نے پوچھا۔

" پڑھا تھا، کسی جگہ۔"

اس کی بات سنی اَن سنی کر دی گئی۔ کیبسا نے پھر اپنی بات دہرائی اور بولا " میرے خیال میں تو ہمیں واپس چلنا چاہیے۔"

" واپس چلنا چاہیے" ہیریڈ نے تعجب سے دہرایا۔

" ہاں۔ واپس۔ یہ پہاڑ بہت بلند ہے۔ دو دن ہو گئے ہمیں چڑھتے چڑھتے۔ چوٹی کا دور دور بھی پتہ نہیں۔ ہم کبھی چوٹی پر نہیں پہنچ سکیں گے۔ ہمارا ہر قدم ہمیں خطرے کی طرف لے جا رہا ہے۔ آگے جانا پاگل پن ہے۔"

" اور واپس جا کر ہم کیا کریں گے" ہیریڈ نے پوچھا۔

" اس سڑک تک جائیں گے۔"

" اور اگر وہ سڑک، سڑک نہ ہوئی تو؟"

" دیکھو میری نظر تم سے بہتر ہے اور میں کہتا ہوں کہ یہ سڑک ہے۔"

" شاید یہ سڑک ہو ــــــ لیکن یہ امکان بھی تو ہے کہ یہ سڑک نہ ہو لیکن ایک بات طے ہے کہ چیلی ہمارے مغرب میں واقع ہے اور اگر ہم اس سمت میں چلتے رہیں تو

بالآخر چل پہنچ جائیں گے۔"

"اور میں آگے جا رہا ہوں"۔ پیریڈو نے اپنے عزم کا اظہار کیا۔

" واپس جا کر جب تم اس "سڑک" تک پہنچو اور تمہیں پتہ چلے کہ یہ سڑک نہیں بلکہ نظر کا دھوکا تھا تو اس وقت تک تم واپس اس راستے تک آنے کے قابل نہیں رہ جاؤ گے۔ نیچے کھانے پینے کی رہی سہی چیزیں پہلے ہی کم پڑتی جا رہی ہیں۔ کسی نئی مہم کی گنجائش نہیں ہے۔ کہیں ایسا نہ ہو ہم انہی پہاڑوں میں رہ جائیں"۔ پیریڈو نے کینیسا کو اپنا ہمنوا بنانا چاہا۔

اس رات وہ سوئے تو اپنی اپنی رائے پر قائم تھے۔ صبح اٹھے تو پیریڈو اپنی ضد پر قائم تھا۔ کینیسا کو سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ ان کے ساتھ چلے یا واپس جائے۔ آخر بات یہاں ختم ہوئی کہ پیریڈو اور وزنطین اپنے تھیلے اس کے پاس ہی چھوڑ کر اوپر جائیں اور دیکھیں کہ چوٹی کہیں قریب ہے یا نہیں۔ اس بات پر اتفاق ہوا پیریڈو اور وزنطین روانہ ہو گئے۔ جوش میں پیریڈو وزنطین کو پیچھے چھوڑ گیا۔

چڑھائی سخت مشکل ہو گئی تھی۔ برف کی دیوار بالکل عمودی ہو گئی تھی اور پیریڈو برف کھرچ کھرچ کر اپنے پیروں کے لیے جگہ بناتا تھا۔ وزنطین انہی جگہوں پر قدم رکھتا چلا جا رہا تھا۔ اگر وہ پھسل جاتا تو سینکڑوں فٹ گہرائیوں میں گر جاتا لیکن وہ پیچھے دیکھے بغیر چلتا گیا ــــــ ادھر پیریڈو سوچ رہا تھا بس اب وہ اوپر پہنچا کہ پہنچا۔ اوپر سے اسے کوئی دریا بہتا نظر آئے گا، کوئی وادی ہو گی، درخت ہوں گے، کھیت ہوں گے ــــــ انہی سوچوں میں گم وہ واقعی چوٹی پر پہنچ گیا۔ چوٹی صرف دس بارہ فٹ چوڑی تھی۔ اور پھر نشیب میں بدل رہی تھی۔ پیریڈو کو اوپر پہنچنے کی خوشی تو ہوئی لیکن یہ صرف چند لمحے باقی رہی۔ وہ پاؤں جما کر کھڑا ہوا تو پہاڑ کے اس پار بھی برف سے مستور پہاڑوں کا ایک طویل سلسلہ پھیلا ہوا تھا۔ دور دور برف تھی، برف سے ڈھکے ہوئے پہاڑ اور بس پہلی دفعہ پیریڈو کو خیال ہوا کہ ان کا خاتمہ قریب ہے۔ وہ کوسنا چاہتا تھا، خود کو، وقت کو، حالات کو لیکن اس کے منہ سے کوئی آواز نہ نکلی۔ وہ گھٹنوں کے بل گر گیا ــــــ لیکن جب دوبارہ اپنے پیروں پر کھڑا ہوا تو وقتی مایوسی کی لہر گذر چکی تھی۔ ایک لمحہ تھا، اہم لمحہ جس میں وہ ایک نئے عزم سے روشناس ہوا اور اس نے فیصلہ کیا کہ مرنا تو ہے ہی لیکن وہ آخری وقت تک جدوجہد جاری رکھے گا۔ اس

نے سر اٹھا کر دیکھا، اس کے سامنے قطار اندر قطار پہاڑ کھڑے تھے لیکن اس کے لیے یہ بات ہی کافی تھی کہ یہ پہاڑ ان سے نیچے تھے جس کا مطلب یہ تھا کہ کوہ انیڈیز کا بلند ترین پہاڑ وہ چڑھ چکے تھے اور اب انہیں صرف نیچے ہی کی طرف جانا تھا۔

میں نے اس پہاڑ کو سر کر لیا ہے۔ اسے میں اپنے والد کے نام پر "سیلر پہاڑ" کے نام سے پکاروں گا۔ اس نے اپنی جیب سے لپ سٹک اور پلاسٹک کا ایک لفافہ نکالا۔ اس پر لپ سٹک سے "سیلر" لکھا اور اسے چوٹی پر ایک پتھر کے نیچے رکھ دیا۔ پھر وہ بیٹھ کر سامنے پھیلے ہوئے پہاڑوں کا نظارہ کرنے لگا۔ اسی دوران اس نے دیکھا کہ دور مغرب میں دو پہاڑ ایسے ہیں جن پر برف نہیں ہے۔

"ان پہاڑوں کو کہیں نہ کہیں تو ختم ہونا ہی ہے اور غالباً یہ سلسلہ ان دو پہاڑوں پر ختم ہو رہا ہے اور یہ پہاڑ یقیناً چلی میں ہیں"۔

اس نے سوچا —— وہ انہی خیالات میں مگن تھا کہ اسے نیچے سے وزنطین کی آواز آئی جو اسے بلا رہا تھا۔ بیر یڈو نے اسے کہا کہ وہ کینیسا کو بلا لائے۔ دونوں اوپر آئیں اور خود دیکھ لیں۔ سب کچھ ٹھیک ہو جائے گا۔ وزنطین کینیسا کو بلانے چلا گیا۔

ادھر جب سے دونوں اوپر چڑھنا شروع ہوئے تھے کینیسا مشرق کی طرف منہ کر کے بیٹھ گیا تھا اور ٹکٹکی باندھے اسی لکیر کو دیکھ رہا تھا جو اس کے نزدیک سڑک ہی تھی۔ جوں جوں روشنی بڑھتی گئی اس کا یقین بھی بڑھتا گیا کہ یہ سڑک ہی ہے لیکن دو گھنٹوں بعد وزنطین واپس آیا اور اس نے خبر دی کہ بیر یڈو چوٹی تک پہنچ گیا ہے اور اسے بلا رہا ہے۔

"تمہیں یقین ہے کہ وہ چوٹی پر پہنچ گیا ہے؟"

"ہاں۔ ہاں۔ پکی بات ہے"۔

"تم خود گئے ہو وہاں تک؟"

"نہیں —— لیکن بیر یڈو کا کہنا ہے کہ منظر بڑا شاندار ہے۔ وہ کہتا ہے کہ سب ٹھیک ہو جائے گا"۔

بڑی پس و پیش کے بعد کینیسا اٹھا اور بلندی کی طرف چل دیا۔ اب کے وزنطین وہیں بیٹھا رہ گیا —— کینیسا اپنے تھیلے وہیں چھوڑ گیا۔ کافی دیر بعد جب وہ اوپر گیا تو اس نے بیر یڈو کو آواز دی۔ بیر یڈو نے جواب دیا اور آواز کی سمت میں چلتا بالآخر وہ بھی چوٹی تک

پہنچ گیا۔ چوٹی پر پہنچ کر اس کے پہلے تاثرات پیریڈو سے مختلف نہیں تھے۔ پہاڑوں کے طویل سلسلے کو دیکھ کر وہ ہکا بکا رہ گیا۔

"اف خدایا۔ ان سلسلوں سے نکلنے کی تو کوئی صورت نظر نہیں آتی۔"

"لیکن ادھر تو دیکھ مغرب کی طرف۔ وہ پہاڑ جن پر برف نہیں ہے۔"

"وہ دور نیچے"

"ہاں ہاں وہی"

"لیکن وہ تو یہاں سے میلوں دور ہیں۔ وہاں پہنچنے میں کم از کم پچاس ساٹھ دن لگیں گے۔"

"پچاس ساٹھ؟ کیا بات کرتے ہو۔ وہ دیکھو درمیان میں ایک Y نما وادی ہے۔ اگر ہم اس وادی تک پہنچ جائیں تو وہاں سے Y کا ایک راستہ ان پہاڑوں تک جا رہا ہے۔"

کینیسا نے غور سے دیکھا اور بولا "بات تو تمہاری درست ہے لیکن وہاں پہنچنے میں کم از کم پچاس دن تو لگیں گے اور ہمارے پاس راشن صرف دس دنوں کا ہے۔"

"ٹھیک ہے لیکن میں نے اس کا علاج بھی سوچ لیا ہے۔ ہم وزنطین کو واپس بھیج دیتے ہیں۔"

"لیکن وہ چلا جائے گا واپس؟"

"ہم کہیں گے تو چلا جائے گا۔ اس کا راشن ہم رکھ لیں گے اور احتیاط سے استعمال کریں تو بیس دن کو کافی ہوگا۔"

"اور اس کے بعد؟"

"جب تک کوئی نہ کوئی اور وسیلہ مل ہی جائے گا۔"

"نا بابا نا ـــــ میں تو واپس جا کر اسی سڑک کو تلاش کرتا ہوں۔"

"ٹھیک ہے تم جاؤ۔ اپنی سڑک دریافت کرو۔ میں تو چلتی جا رہا ہوں۔" پیریڈو نے ترشی سے کہا۔

اس کے بعد دونوں خاموش ہو گئے اور وزنطین کی طرف واپس آئے۔ جب اس تک پہنچے تو شام کے پانچ بج چکے تھے۔ وزنطین نے کچھ برف پگھلا رکھی تھی چنانچہ گوشت کھانے سے پہلے انہیں

پیاس بجھانے کو پانی بھی مل گیا۔ پانی پی کر وہ سوکھا گوشت چبا رہے تھے جب کینیسا نے انتہائی لاابالی سے وزنطین کو مخاطب کرتے ہوئے کہا، "ٹن ٹن۔ پیر بڈو کا خیال ہے کہ تم واپس چلے جاؤ تو بہتر ہے اس سے ہمارے لیے راشن بچ رہے گا۔"

وزنطین تو جیسے اس بات کا پہلے ہی سے منتظر تھا۔ اس نے اپنا تھیلا اٹھایا اور اٹھتے ہوئے بولا، "جیسے تمہاری مرضی ـــــ میں چلا۔"

کینیسا نے حیرانی کے عالم میں اسے روکا اور کہا، "ابھی نہیں۔ کل صبح چلے جانا۔"

"اچھا"۔ وہ بیٹھ گیا۔

"تمہیں برا تو نہیں لگا؟" کینیسا نے پوچھا۔

"برا لگنے کی اس میں کون سی بات ہے؟"

"اچھا واپس جاؤ تو باقی لوگوں کو بتا دینا کہ ہم مغرب کی طرف گئے ہیں اور ہاں۔ اگر کوئی جہاز تمہیں دیکھ لے تو ہمیں مت بھولنا۔ ہم اس سمت ہی میں جا رہے ہوں گے۔"

اس رات کینیسا کو دیر تک نیند نہ آئی وہ اپنے ذہن میں الجھتا رہا۔ اسے سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ وہ کیا کرے۔ سڑک کے بارے میں اسے پختہ یقین تھا۔ تاروں بھری رات میں وہ پیر بڈو سے دلائل کا تبادلہ کرتا رہا۔ وزنطین ان کی گفتگو سنتے سنتے سو گیا۔ صبح اٹھے تو کینیسا کی رائے بدل چکی تھی۔ اس نے پیر بڈو کے ساتھ جانے کا فیصلہ کیا تھا۔ چنانچہ انہوں نے وزنطین سے گوشت اور دوسری وہ چیزیں جو راستے میں کام دے سکتی تھیں، لے لیں۔ چلنے سے پہلے وزنطین نے کینیسا سے پوچھا،

"اب جب کہ تم ادھر جا رہے ہو، میں ادھر۔ اک بات بتاؤ ـــــ جسم کا کوئی ایسا حصہ بھی ہے جیسے کھانے کا کوئی فائدہ نہ ہو؟"

"ہر حصے میں کچھ نہ کچھ توانائی ہے۔ جو ملے کھاتے رہو۔ خود کو زندہ رکھو۔" کینیسا نے ماہرانہ رائے دی۔

"پھیپھڑوں میں بھی توانائی ہوتی ہے؟"

"ہاں پھیپھڑوں میں بھی۔"

پھر وزنطین دونوں سے مخاطب ہوتے ہوئے بولا، "تمہیں جس چیز کی بھی ضرورت ہے۔ بلا جھجک مانگ لو ـــــ ہم سب کی زندگیاں تم سے متعلق ہیں۔ اس لیے جس چیز کی ضرورت ہو

بلا تکلف کہو۔"

"اچھا" کینیسا نے سر سے پیر تک اس کا جائزہ لیا اور اس کے اوور کوٹ کو دیکھتے ہوئے بولا، "اس اوور کوٹ کے بارے میں کیا خیال ہے؟"

"یہ ـــ یہ اوور کوٹ؟ تمہیں واقعی اس کی ضرورت ہے؟"

"اگر ضرورت محسوس نہ ہوتی تو کبھی طلب نہ کرتا۔"

"اچھا، تو لے لو پھر۔ خدا حافظ۔"

"خدا حافظ۔ نیچے اترنے میں احتیاط کرتا۔ اور خیال رکھنا کہ کوئی امدادی پارٹی آئے تو مت بھولنا کہ ہم مغرب کی طرف جا رہے ہیں۔ ہمیں اس طرف تلاش کروانا۔"

"گھبراؤ مت۔" وزنطین نے اپنے دو ساتھیوں کو گلے لگایا اور واپسی کے سفر پر روانہ ہو گیا۔

۸

ابھرتے حوصلے، ڈوبتی نبضیں

یہ تیرہ لڑکے جو پیچھے رہ گئے تھے، بڑے غور سے اپنے تینوں ساتھیوں کو بلندی پر چڑھتا دیکھتے رہے۔ پہلے دن تو تینوں صاف نظر آتے رہے لیکن دوسرے دن سفید برف پر ان کی حیثیت سیاہ نقطوں کی سی رہ گئی۔ وہ ان کی چال سے مطمئن نہیں تھے۔ ان کا خیال تھا کہ وہ ایک صبح میں یا بہت ہوا تو صبح سے شام تک چوٹی پر پہنچ جائیں گے لیکن دوسرے دن کی صبح تک وہ آدھے پہاڑ کو سر کر پائے تھے۔ تاہم دوپہر تک وہ ان کی نظروں سے اوجھل ہو گئے۔

اس دوران ایک جہاز بھی پہاڑوں پر نمودار ہوا۔ لڑکے فوری طور پر اسے اشارے دینے کے لیے تیار ہو گئے لیکن ابھی کچھ لڑکوں نے اسے نظر بھر کر دیکھا بھی نہ تھا کہ وہ مغرب کی طرف مڑ گیا۔

اپنے مہم جو ساتھیوں کے لیے دعا کرنے کے علاوہ وہ اور کچھ نہیں کر سکتے تھے۔ خود انہیں کئی مسائل کا سامنا تھا جن میں سب سے اہم خوراک کی قلت تھی۔ گرچہ جہاز کے اردگرد کی برف میں بھی کئی نعشیں دبی ہوئی تھیں لیکن فیٹو نے فیصلہ کیا کہ وہ اوپر جا کر ان افراد کی نعشوں کا سراغ لگانے کی کوشش کرے گا جو ٹیل سے باہر جا گرے تھے۔ ہر گذرنے والے دن کے ساتھ پہاڑ کے اوپر سیاہ دھبے واضح ہوتے جاتے اور فیٹو کا خیال تھا کہ یہ ان کے ساتھی مسافروں کی لاشیں تھیں جو برف پگھلنے سے نظر آنا شروع ہو گئی تھیں۔ اس کا خیال تھا کہ اوپر جا کر انہیں برف سے ڈھک دے تاکہ دھوپ کی گرمی سے خراب نہ ہوں اور ضرورت کے وقت کام آئیں۔

زربینو جو سات ہفتے پہلے اوپر گیا تھا اور جس نے لاشیں ادھر ادھر بکھری دیکھی تھیں، اس کے ساتھ چلنے کو تیار ہو گیا۔ دونوں ۱۳ دسمبر کو اوپر روانہ ہوئے۔ برف کی سطح سخت تھی اور انہیں چلنے میں کوئی دشواری پیش نہ آ رہی تھی۔ پہلی مہم پر روانہ ہوتے وقت میسوں اور ٹرکالی کو خود کو ڈھانپے رکھنے کا اتنا خیال نہیں آیا تھا لیکن آج دونوں روانہ ہوئے تو سابقہ تجربوں سے فائدہ اٹھاتے ہوئے انہوں نے خود کو اچھی طرح ڈھانپ رکھا تھا۔ تھوڑے تھوڑے

فاصلے کے بعد رک کر وہ پیچھے بھی دیکھتے جاتے تھے۔ جتنا زیادہ بلندی پر وہ چڑھتے تھے۔ اتنے زیادہ پہاڑ ان کی نظر میں آتے تھے، دور دراز پھیلے ہوئے برف سے ڈھکے پہاڑ۔ اور انہیں دیکھ دیکھ کر ان کا دل بیٹھا جاتا تھا۔ ان کے خیال میں یہ ناممکن تھا کہ وہ انڈیز پہاڑی سلسلے کے آخری سرے پر ہوں۔ اتنی بلند و بالا، آسمان سے باتیں کرتی چوٹیاں اس بات کی علامت تھیں کہ وہ کوہ انڈیز کے بلند ترین سلسلے کے عین درمیان میں گرے پڑے ہیں۔ اور ان سلسلوں میں نیم جان پیریڈو وزنٹین اور کینیسا کہاں تک چل سکیں گے؟ وہ کیسے چلی پہنچ سکیں گے؟ قریب ترین انسانی آبادی یہاں سے میلوں دور ہو گی جہاں پہنچنے میں مہینوں نہ سہی ہفتے تو ضرور لگیں گے لیکن مہم پر جانے والے اپنے ساتھ صرف دس دن کی خوراک لے گئے ہیں۔ ہمارے لئے وہ کیا مدد لائیں گے، خود ان کا کیا بنے گا؟ دونوں انہی خیالات میں غلطاں تھے۔

"شاید ہمیں ایک اور مہم روانہ کرنی پڑے اور اس دفعہ ان کے ساتھ زیادہ خوراک بھیجنی چاہیے۔" فیٹو نے کہا۔

"کون جاسکتا ہے کسی نئی مہم پر"؟ زربینو نے پوچھا

"ہم دونوں اور کارلیٹوس یا شاید دانیال۔"

"لیکن میرا خیال ہے کہ اس کی نوبت آنے سے پہلے ہی جہاز ہمارا سراغ لگا لے گا۔"

وہ رک گئے اور مڑ کر فیئر چائلڈ کو دیکھنے لگے۔ اس کی اوپری سطح سفید رنگ کی تھی اس لئے وہ خود تو برف کے پس منظر میں مدغم ہو کر نظر نہ آتا تھا البتہ اس کے اردگرد بکھری گدیاں، کپڑے اور ہڈیاں نظر آرہی تھیں۔ فیٹو بولا،

"ہمیں چاہیے کہ ہڈیوں کو کسی ایک طرف ڈالنے کی بجائے بکھیر دیں کیونکہ صرف وہی بلندی سے نظر آرہی ہیں۔"

دو گھنٹے چڑھنے کے بعد انہیں اس بات کی پہلی علامت نظر آئی کہ وہ واقعی اس علاقے میں پہنچ گئے ہیں جہاں لاشیں مل سکتی ہیں۔ انہیں کا ڈرائے کی ایک جیکٹ پڑی ملی جس کے اندر اونی استر لگا ہوا تھا۔ فیٹو نے اسے اٹھایا، جھٹک کر برف صاف کی اور اپنے سوئٹر کے اوپر پہن لی۔ تھوڑی دور اوپر گئے تو ایک لاش نظر آئی لیکن اسے دیکھ کر فیٹو کو سخت صدمہ ہوا۔ یہ اس کے کزن دانیال شا کی لاش تھی۔ وہ "خوراک" کی تلاش میں نکلا تھا اور "خوراک" اسے مل گئی تھی لیکن وہ اسے کھا نہیں سکتا تھا۔ اس نے زربینو سے کہا، "آؤ تھوڑی دور اور

اوپر چلیں۔ دیکھیں کوئی اور لاش مل جائے تو؟" اب برف بھی پگھل کر نرم ہونا شروع ہو گئی تھی۔ بمشکل چلتے چلتے جب وہ اس علاقے میں پہنچے جہاں زربینو کے خیال میں لاشیں ہونی چاہیے تھیں تو وہاں لاشیں تو نہ تھیں البتہ جہاز کے ٹوٹے ہوئے چھوٹے چھوٹے ٹکڑے پڑے تھے۔ ایک ٹکڑا اتنا بڑا تھا کہ اس سے برفانی گاڑی کا کام لیا جا سکتا تھا۔ فیٹو نے محسوس کیا کہ اس کے ذمے جو فرض ہے، اس کا تقاضا ہے کہ وہ اپنے کزن کی لاش ہی کو واپس لے چلے۔ دل پر پتھر رکھے وہ خاموشی کے ساتھ دانیال کی لاش کے قریب آیا، اور اسے اس دھاتی ٹکڑے پر منتقل کرنے کی کوشش شروع کر دی جو انہیں ملا تھا۔ زربینو بھی بغیر بولے اس کا ہاتھ بٹانے لگا۔ لاش کو دھاتی ٹکڑے پر ڈال کر انہوں نے اسے نائیلون کی رسی سے (جسے وہ جہاز سے ساتھ لائے تھے) باندھ دیا۔ پھر اس رسی کو کرسی کی ایک گدی سے باندھا جسے اب تک وہ جوتوں کے ساتھ باندھ کر استعمال کرتے رہے تھے کہ ان کے پاؤں برف میں نہ دھنسیں۔ اس "برف گاڑی" کو تیار کر کے انہوں نے اسے نیچے کی طرف دھکیلنا شروع کر دیا۔ یہ طریقہ ان کی توقعات سے بھی بڑھ کر کارگر ثابت ہوا۔ یہ "برف گاڑی" تیزی سے پھسلنے لگی۔ بلکہ زربینو جو پیچھے گدی پر بیٹھا تھا، کو خطرہ پیدا ہوا کہ کہیں وہ کسی بڑے پتھر سے ٹکرا نہ جائیں۔ مگر تو نہ ہوئی البتہ نیچے آتے ہوئے ان کا رخ بدل گیا اور وہ بجائے فیرچائلڈ کے قریب آنے کے ایک اور ڈھلوان پر اتر گئے۔ زربینو نے بڑی مشکلوں سے اپنے پاؤں برف میں پھنسا کر بریک لگائی۔ جب وہ رکے تو ایڈورڈ، فرینڈیز، الگورٹا اور پیئز ان کی طرف آئے اور پوچھا،

"تم ٹھیک تو ہونا؟"

جواب میں خاموشی پا کر انہوں نے کہا، "ہم نے دیکھا تم اتنی تیزی سے لڑھک رہے تھے۔ ہمیں تو خطرہ پیدا ہو گیا تھا کہ کسی پتھر سے ٹکرا نہ جاؤ۔ کچھ ملا؟"

"ہاں ____ دانیال تھا" فیٹو نے جواب دیا۔

فرینڈیز نے فیٹو کی طرف دیکھا لیکن خاموش رہا۔ لاش کو وہیں چھوڑ کر سب جہاز میں واپس آ گئے۔ دوسری صبح جب برف سخت تھی اور اس پر چلنا آسان تھا، وہ جا کر دانیال کی لاش کو گھسیٹ کر جہاز کے قریب لے آئے۔ فیٹو لاش لے تو آیا تھا لیکن اس نے درخواست کی کہ اس لاش کو بھی ان افراد کی لاشوں کے ساتھ ہی رکھا جائے جن کے بارے میں فیصلہ ہو چکا تھا کہ انہیں تب ہی استعمال کیا جائے گا جب کوئی اور چارۂ کار باقی نہ ہے یا باقی لاشیں

بالکل ختم ہو جائیں۔ سب نے اس سے اتفاق کیا۔

پیئز اور الگورٹا کسی اور لاش کی تلاش میں اوپر گئے۔ راستے میں انہیں کسی خاتون کا پرس ملا۔ اس کی تلاشی لینے پر اس میں سے لپ سٹک نکلی۔ اس کی انہیں سخت ضرورت تھی کہ سخت سردی کی وجہ سے ان کے ہونٹ پھٹنے لگے تھے۔ انہوں نے فوراً ہی اسے ہونٹوں پر لگانا شروع کر دیا پھر پورے چہرے پر مل لی۔ کارلیٹوس نے پیڈرو کا رنگ برنگا چہرہ دیکھا تو ہنسنے لگا،

"اگر آج کوئی پہنچ جائے ہمیں ڈھونڈتا ڈھانڈتا تو ہمیں دیکھ کر یہی کہے گا کہ جنسی بھوک نے ہمیں ایک دوسرے کے لیے اکھڑ مردوں سے گداز شہزادیوں میں بدل دیا ہے!"

وہ پہاڑ پر اوپر گئے تو انہیں ایک لاش ملی۔ ہاتھوں اور چہرے کی وہ جلد جس پر سورج کی کرنیں پڑتی رہی تھیں، کالی ہو چکی تھی، آنکھیں غائب تھیں۔ معلوم نہیں سورج کی گرمی سے ضائع ہو گئی تھیں یا گدھ نما پرندے انہیں کھا گئے تھے ——— اب تک دھوپ میں حدت پیدا ہو گئی تھی اور برف نرم ہونے لگی تھی چنانچہ انہوں نے اس لاش کو برف سے ڈھکا اور خود واپس روانہ ہو گئے۔ دوسرے دن صبح سویرے الگورٹا، فیٹو اور زربینو اوپر آئے اور فوراً ہی اس کا گوشت اتارنے لگے۔ ان کا خیال تھا کہ سالم لاش کو نیچے لے جانے کی بجائے اس کا گوشت اتارنا آسان تھا۔ وہ گوشت اور چربی کو تھیلوں میں بھرتے رہے اور جب جی چاہتا، کوئی نہ کوئی ٹکڑا منہ میں بھی رکھتے جاتے۔ وہ دوسروں کے لیے فالتو کام کر رہے تھے اور اس کے لیے زائد توانائی صرف کر رہے تھے جسے پورا کرنے کے لیے یہ زائد گوشت کھانا وہ اپنا حق سمجھ رہے تھے۔ ساڑھے نو بجے واپسی ہوئی۔ فیٹو اور زربینو کے تھیلے بھرے ہوئے تھے جب کہ الگورٹا نے لاش کا ایک مکمل بازو اٹھا رکھا تھا۔ کلہاڑی اس نے اپنی بیلٹ سے لٹکا رکھی تھی۔ وہ جب فیرچائلڈ کے پاس پہنچے تو انہوں نے ایک دلچسپ منظر دیکھا۔ تمام لڑکے صلیب کے نشان کے درمیان میں کھڑے آسمان کی طرف تک رہے ہیں۔ کچھ خوش خوش ایک دوسرے کے گلے لگ رہے تھے، دوسرے باآواز بلند خدا کا شکر ادا کر رہے تھے۔ دانیال فرینڈیز صلیب کے درمیان میں کھڑا تھا، ریڈیو اس نے کان سے لگا رکھا تھا۔ انہیں متجسس دیکھا تو سوال کا انتظار کیے بغیر ہی بولا،

"انہوں نے صلیب کا نشان دیکھ لیا ہے۔ ہم نے ابھی ابھی ریڈیو پر سنا ہے خبر

نشر ہوئی ہے کہ سانتا ایلینا کے پہاڑ پر ایک صلیب کا نشان دیکھا گیا ہے۔"
یہ تین بھی خوشی سے کھل اٹھے۔ جو صلیب انہوں نے بتایا تھا، اس کے علاوہ ان پہاڑوں میں اور کون سا نشان ہو سکتا تھا صلیب کا؟ ان کا خیال تھا کہ وہ جس پہاڑ پر پڑے تھے، اسی کا نام سانتا ایلینا ہوگا۔ اب وہ بے قراری سے کسی امدادی پارٹی کی آمد کا انتظار کرنے لگے
فرینڈیز نے تو ریڈیو مستقل کان سے چپکا رکھا تھا۔ اس نے سنا کہ چلی اور ارجنٹینا کے جہاز بھی تلاش میں شامل ہو گئے ہیں اور اب اس صلیب کے نشان کے بارے میں تحقیقات جاری ہیں جو یوراگوئے کے ۷ ۴ - C طیارے نے دیکھا تھا۔
فرینڈیز نو ریڈیو سے چپکا بیٹھا تھا، متول سنیٹ ایلینا کا مجسمہ نکال لایا یہ اس کی بیوی للیانہ کی چیزوں میں رکھا ہوا تھا۔ تمام افراد اس کی عبادت کرنے لگے۔ انہوں نے یہ فیصلہ بھی کیا کہ آئندہ ان میں سے کسی کے گھر لڑکی پیدا ہوئی تو اس کا نام ایلینا رکھا جائے گا۔
تمام دن ہیلی کاپٹروں کا انتظار رہا۔ دوپہر کے وقت انہوں نے پہاڑ کے پار ہیلی کاپٹر اڑنے کی آوازیں سنیں بھی۔ اور ایک دفعہ پھر خوشی سے دیوانے ہو کر ایک دوسرے سے بغلگیر ہو گئے لیکن ان کی خوشیاں قبل از وقت تھیں، آسمان پر کوئی ہیلی کاپٹر ظاہر نہ ہوا۔ ہیلی کاپٹر کی آواز دور ہوتی ہوتی معدوم ہو گئی اور ہر سو پھر خاموشیاں چھا گئیں۔ وہ جسے ہیلی کاپٹر کی آواز سمجھ بیٹھے تھے، کسی ایوالانچ کے گرنے کی آواز تھی۔
شام ہوئی تو سخت مایوسیوں کے عالم میں وہ جہاز کے اندر آ گئے۔ ان کی گفتگو میں تلخی در آئی تھی —— یہ کون سا جہاز تھا جو ان کے اوپر اڑا ہوگا؟ پہاڑوں میں کوئی اور صلیب کا نشان تو نہیں بنا ہوا جو کسی نے ویسے ہی برکت حاصل کرنے کے لیے بنا دیا ہو؟ اگر جہاز نے انہیں دیکھ لیا ہے تو ابھی تک کوئی پہنچا کیوں نہیں، انہیں لینے کے لیے؟
دوسرے دن ابھی دھوپ اچھی طرح پھیلی نہیں تھی جب تینوں افراد گوشت کاٹنے کے لیے پھر اوپر جا پہنچے —— انہوں نے بچا کھچا گوشت کاٹا، کچھ کچھ کھاتے بھی رہے۔ بغیلے بھرے تو صرف پسلیاں، ریڑھ کی ہڈی، پاؤں اور کھوپڑی باقی رہ گئی تھی۔ انہوں نے کلہاڑی کی مدد سے کھوپڑی کو بھی بیچ میں سے دو حصے کیا لیکن مغز میں سڑاند کی بو آ رہی تھی چنانچہ وہ اسے وہیں پھینک کر واپس نیچے اترنے لگے۔ پندرہ دسمبر کی صبح کا ذکر ہے۔ ان لڑکوں نے جو باہر دھوپ میں گدیاں بچھائے بیٹھے تھے چوٹی کی طرف سے کسی چیز کو تیزی سے لڑھکتے ہوئے دیکھا۔

پہلے تو وہ یہ سمجھے کہ کوئی بڑا سا پتھر ہے جو برف پگھلنے کی وجہ سے اپنی جگہ چھوڑ بیٹھا ہے اور اب نیچے گر رہا ہے لیکن جب فاصلہ کم ہوا تو محسوس ہوا کہ یہ تو کوئی آدمی ہے۔ مزید قریب آیا تو پتہ چلا کہ وزنطین تھا جو ایک گدی پر بیٹھا برف پر پھسلتا آرہا تھا۔ جب وہ جہاز کے قریب پہنچا تو پاؤں برف میں دھنسا کر رک گیا۔

باقی تیرہ لڑکوں نے اسے دیکھا تو سب کے ردعمل میں خوف کا عنصر شامل تھا۔ کچھ نے سوچا کہ باقی ذد کو کوئی حادثہ پیش آگیا ہے اور وزنطین ان کی اطلاع لے کر آیا ہے۔ اوروں کا خیال تھا کہ شاید مشکل ہونے کی وجہ سے مہم ترک کر دی گئی ہے۔ تینوں واپس آرہے ہیں۔ اور شاید وزنطین سب سے پہلے پہنچنے والوں میں سے ہے۔ باقی بھی آتے ہی ہوں گے۔ تاہم وزنطین قریب آیا تو اس نے اصل صورتِ حال بتائی۔

"نیندوا اور کینیسا چوٹی پر پہنچ چکے ہیں۔ وہ اور آگے گئے ہیں لیکن خوراک زیادہ دن چلانے کے خیال سے انہوں نے مجھے واپس بھیج دیا ہے۔"

سب اسے گھیرے کھڑے تھے، "لیکن پہاڑ کے اس طرف کیا ہے؟" ایک سوال آیا۔

"پہاڑ۔ پہاڑ اور پہاڑ ـــــ جدھر دیکھو پہاڑ ہی پہاڑ۔ مجھے تو ان کے بچ نکلنے کی بھی اُمید نہیں۔"

ان کے دل ڈوب گئے۔ ان کا یہ خواب بھی بکھر گیا تھا کہ پہاڑ کے اس پار سرسبز وادی ہوگی۔ وزنطین کی باتوں سے ایک بار پھر انہیں مایوسیوں نے آلیا۔ وزنطین کی گفتگو جاری تھی، چڑھائی بہت ہی مشکل تھی، بہت مشکل۔ اوپر پہنچنے میں ہمیں تین دن لگے۔ انہیں اگر اس طرح کا ایک اور پہاڑ چڑھنا پڑا ـــــ تو بس ان کا خاتمہ ہی سمجھو۔"

"اور نیچے آنے میں تمہیں کتنی دیر لگی؟"

وزنطین ہنسا، "ایک گھنٹے کا تین چوتھائی نیچے آنا کوئی مسئلہ نہیں مسئلہ ہے اُوپر جانا۔"

وقفے کے بعد وہ پھر گویا ہوا، "ایک اور عجیب چیز یہ ہے کہ مشرق کی طرف برف کم ہے اور کینیسا کا خیال ہے کہ ادھر"

وہ مشرق کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بولا، "ایک سڑک بھی ہے۔"

"سڑک؟ کہاں؟ کدھر" ایک ساتھ سوال آئے۔

"ادھر! مشرق کی طرف۔"

سٹراچ برادران سر ہلاتے ہوئے بولے، "لیکن یہ ناممکن ہے۔ چلی تو ادھر مغرب کی طرف ہے۔"

"ہاں! ہاں۔ چلی مغرب کی طرف ہے۔" تمام یک زبان ہو کر بولے۔

دوپہر کے وقت ان میں اس بات پر تکرار ہوئی کہ وزنطین کو کتنا گوشت دیا جانا چاہیے۔ وہ کہہ رہا تھا، "میں ایک کام سے لوٹا ہوں۔ تھکن سے چور ہوں۔ مجھے توانائی بحال کرنے کے لیے زیادہ خوراک کی ضرورت ہے اتنی دیر سے میں نے کچھ بھی نہیں کھایا۔ ساری خوراک تو میں کینیسا اور پیریڈو کو دے آیا ہوں۔"

اسے قدرے زیادہ گوشت دیا گیا لیکن اس شرط کے ساتھ کہ آئندہ اتنا ہی ملا کرے گا جتنا دوسروں کو ملتا تھا۔ اسے بھوک لگی ہوئی تھی اس لیے وہ جہاز کے اردگرد پھیپھڑے اکٹھے کرتا پھر اب تک انہیں پھینکا جاتا رہا تھا اور کسی نے انہیں برف سے ڈھانکنے کی زحمت بھی گوارا نہیں کی تھی اس لیے وہ خراب ہونا بھی شروع ہو گئے تھے اور سورج کی گرمی کی وجہ سے ان کے اوپر پپڑی جم گئی تھی جس نے تقریباً چمڑے کی سی شکل اختیار کر لی تھی۔ دوسرے وزنطین کو دیکھتے رہے کہ کس شوق سے اس نے یہ پھیپھڑے اٹھائے اور جہاز کے اس حصے پر رکھ دیے جہاں وہ اپنے حصے کا گوشت سکھایا کرتا تھا۔ کسی نے پوچھا، "تم انہیں کھاؤ گے؟"

"ہاں"

"بیمار ہو جاؤ گے انہیں کھانے سے۔"

"نہیں۔ کوئی بیمار ویمار نہیں ہوتا۔ کینیسا نے مجھے بتایا تھا کہ یہ بھی مفید ہیں۔"

وہ اسے بودار پھیپھڑے کاٹتے اور کھاتے دیکھتے رہے اور دوسرے دن جب دیکھا کہ اسے کچھ نہیں ہوا تو کچھ اور لڑکے بھی اس کے ساتھ مل گئے۔ پھیپھڑوں کی طرف رغبت خوراک کی قلت کی وجہ سے نہیں تھی، کیونکہ برف پگھلنے سے مزید لاشیں نظر آنا شروع ہو گئی تھیں بلکہ یہ رغبت نئے ذائقوں کی تلاش میں تھی۔ پائلٹوں کی لاشیں بھی کیبن میں موجود تھیں اور چونکہ وہ حادثے کے فوراً بعد مرنے والوں میں سے تھے، اس لیے ان میں گوشت، چربی اور غذائیت بھی زیادہ تھی۔ کوئی اور ہوتے تو شاید اس صورتِ حال پر مطمئن ہو رہتے لیکن سٹراچ برادران کو خیال تھا کہ شاید انہیں ایک اور مہم روانہ کرنی پڑے اور ان کے لیے پہلی مہم کی نسبت زیادہ خوراک کی ضرورت ہوگی۔

تاکہ وہ دور تک جاکر مدد لانے میں کامیاب ہو سکیں۔ چنانچہ انہوں نے برف میں دو گڑھے کھودے۔ ایک میں وہ لاشیں ڈال دیں جو ناگزیر حالات میں ہی صرف کی جانی تھیں اور دوسرے میں وہ جو ان دنوں زیر استعمال تھیں۔

اس صورتِ حال میں پھینکے گئے پھیپھڑے اور آنتیں استعمال کرنے کی ضرورت نہ تھی لیکن مسئلہ یہ تھا کہ ایک جیسا گوشت کھاتے کھاتے وہ تنگ آگئے تھے۔ آدھے سے زیادہ لڑکے نئے ذائقوں کی تلاش میں تھے۔ انسانی گوشت کھانے کے لیے انہیں بڑے صبر آزما مراحل سے گذرنا پڑا تھا، دل پر پتھر رکھ کر، کراہتوں کو برداشت کرتے ہوئے انہوں نے یہ گوشت کھایا تھا لیکن ایک بار جب کھانا شروع کر دیا تھا تو ان کی بھوک لوٹ آئی تھی۔ اب وہ اس کے عادی ہو چلے تھے۔ ویسے بھی زندہ رہنے کی خواہش، جان بچانے کی تمنا انسان کو کیا کچھ کرنے پر مجبور نہیں کر دیتی۔ اسی خواہش کا تقاضا تھا کہ وہ ہر طرح کی کراہت کو نہ صرف فراموش کر دیں بلکہ اسے برداشت کرنا معمول کی بات سمجھیں۔

اس معاملے میں پیڈر والگورٹا سب سے آگے تھا۔ گوشت کھانے کی تجویز پیش کرنے اور پھر اس کے لیے دلائل دینے میں وہ پیش پیش تھا۔ اب بھی وہ چاقو لیے ان لاشوں پر مصروف ہوتا جن پر سے گرچہ گوشت اتار لیا گیا تھا، لیکن پسلیوں یا کندھوں پر تھوڑا بہت باقی رہ گیا تھا۔ اب تک وہ ان انسانی اعضاء کو کھانے سے احتراز کرتے رہے تھے جو انہیں یاد دلاتے کہ یہ انسانی گوشت ہے، جیسے انگلیاں یا پاؤں ـــــ لیکن الگورٹا اب ان چیزوں کو بھی بلا تکلف چبا ڈالتا۔ دوسروں نے بھی اس کی پیروی شروع کر دی۔

اب دوپہر کے وقت دھوپ میں حدت اتنی بڑھ جاتی تھی کہ اگر وہ گوشت جہاز کی چھت پر ڈال دیتے تو وہ تقریباً بھن جاتا تھا لیکن اس حدت کا ایک نقصان یہ ہوا کہ برف جہاز کی نچلی سطح تک پگھل گئی اور اب ان کے ہاتھ چھت تک آسانی سے نہ پہنچتے تھے۔ بلکہ یہ خطرہ بھی پیدا ہو گیا تھا کہ جہاز کہیں الٹ ہی نہ جائے۔ اوپر بلندی پر پتھر کے بڑے بڑے تودوں کے اردگرد سے برف پگھلتی تو وہ لڑھکتے ہوئے ان کی طرف آتے۔ موسم کی یہ تبدیلی ان کے لیے خوش آئند نہیں تھی۔ وہ ویسے بھی امید و بیم کا شکار تھے۔ کبھی پیریڈو اور کینیسا کی کامیابی کے لیے دعائیں کرتے کبھی سوچتے کہ نئی مہم روانہ کرنی چاہیے۔

دن بدن جو خبریں انہیں ملتی تھیں، تمام منفی ہوتی تھیں۔ انہوں نے ریڈیو پر سنا کہ صلیب کا وہ نشان جس کا ذکر پہلی خبروں میں آیا تھا، ارجنٹینا کے ماہرین ارض نے بنایا تھا جو اس علاقے میں

سروے کرتے پھر رہے تھے۔ اس انکشاف کے بعد ایس اے آر کے ہیلی کاپٹر پھر اپنے اپنے اڈوں پر واپس بھیج دیے گئے تھے۔ صرف یوراگوئے کا C-47 طیارہ تلاش میں مصروف رہا۔

ایک دوپہر انہیں ایک طیارے کے انجنوں کی آواز سنائی دی۔ صلیب کے نشان والی خبر کی طرح اس آواز نے بھی انہیں خوشی سے دیوانہ بنا دیا۔ وہ اٹھ کر کھڑے ہو گئے۔ رنگ برنگ کپڑے سنبھال کر صلیب کے نشان کے پاس پہنچ گئے کہ جوں ہی طیارہ نظر آیا وہ اس کے اردگرد بھاگنا شروع کر دیں گے۔ جو چل نہیں سکتے تھے وہ بھی اپنی قوتیں مجتمع کئے کھڑے تھے کہ کھڑے کھڑے کوئی نہ کوئی کپڑا ہلاتے رہیں گے۔ وہ کان لگائے کھڑے تھے، آواز کبھی تیز ہو جاتی۔ کبھی مدھم لیکن جہاز ان کے اوپر نہ آیا۔ وہ شام تک انتظار کرتے رہے اور جھٹپٹے کے وقت جہاز کے اندر داخل ہو گئے۔ انہیں یہ اطمینان تھا کہ دوسرے دن طیارہ پھر آئے گا اور وہیں سے تلاش شروع کرے گا جہاں آج چھوڑ کر گیا ہے اور یقیناً انہیں دیکھ لیا جائے گا۔ لیکن ریڈیو ٹرانسسٹر پر خبر آئی کہ C-47 طیارے کے انجنوں میں کوئی خرابی پیدا ہو گئی ہے اور اسے سانٹیاگو میں کھڑا کر دیا گیا ہے۔

کینیسا اور پیرا ڈو کو گئے ہوئے ہفتہ گذر چکا تھا اور کرسمس کے آنے میں ہفتے سے بھی کم دن باقی رہ گئے تھے اور اس خیال ہی سے ان کے دل بیٹھے جاتے تھے کہ یہ کرسمس انہیں انہی پہاڑوں میں اسی کسمپرسی کی حالت میں گذارنا ہو گی۔ صرف پیڈرو الگورٹا مطمئن دکھائی دیتا تھا۔ اس کے لیے یہ خیال ہی کافی خوش کن تھا کہ کرسمس والے دن سب کو ہوانا کا ایک ایک سگار ملے گا اور وہ اسے پینے سے لطف اٹھائیں گے، فیٹو زربینو کے ساتھ اوپر گیا تھا اور اپنی آنکھوں دیکھ آیا تھا کہ ان کے اردگرد کتنے بلند و بالا پہاڑ ہیں اسے یہ احساس بھی تھا کہ اگر ان کے بہترین فرد پیرا ڈو اور کینیسا کسی کامیابی سے ہمکنار نہ ہوئے تو وہ بھلا کس شمار میں تھے، لیکن اس کے باوجود اس نے اپنے بھائیوں، ہیئر اور زربینو سے مشورہ کیا کہ نئی مہم کے بارے میں ان کا کیا خیال تھا۔ انہوں نے کوئی دلچسپی ظاہر نہ کی۔

صبح کے وقت تو انہیں کوئی نہ کوئی مصروفیت گھیرے رکھتی، انہیں گوشت کاٹنا ہوتا، پانی پگھلانا ہوتا وغیرہ وغیرہ لیکن دوپہر کو جب وہ آرام کے لیے جہاز میں آتے تو اداسیاں انہیں آلیتیں میںجینو کو کینیسا یاد آتا۔ جیویر متھول کو لیلیانہ کا وہ خط مل گیا تھا جو اس نے اپنے بچوں کے نام لکھا تھا۔ وہ اسے پڑھتا اور چپکے چپکے رویا کرتا۔

سہ پہر تین چار بجے وہ پھر جہاز سے باہر آتے اور اندھیرا پڑنے تک باہر ہی رہتے یہ
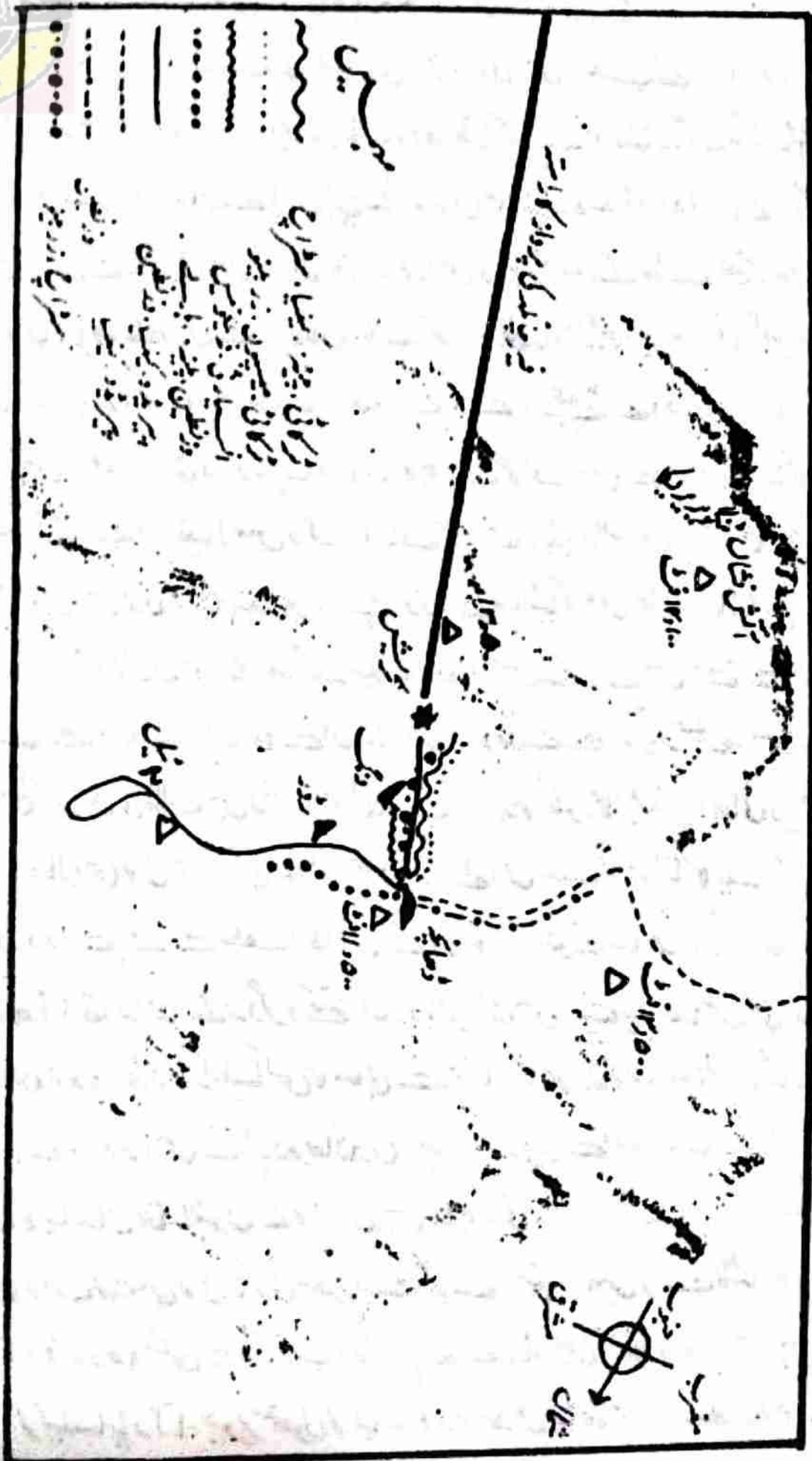
ان کا سب سے زیادہ خوشگوار وقت ہوتا۔ وہ مل کر اکٹھے بیٹھتے، گپیں لگاتے، کسی ہڈی پر سے رہا سہا گوشت اتارتے اور وقتی طور پر بھول جاتے کہ وہ کہاں ہیں۔ جب دھوپ ان پر سے ہٹ جاتی تو وہ گدیاں اٹھاتے، اور کچھ اوپر جا کر بیٹھ جاتے جہاں دھوپ کی آخری کرنیں پڑ رہی ہوتیں ان مدھم مدھم شعاعوں میں بیٹھ کر وہ اپنے آخری سگریٹ پیتے۔ ان اوقات میں وہ اپنے گھروں یا رشتہ داروں کو یاد نہیں کرتے تھے لیکن ۲۰ دسمبر کی شام مختلف تھی۔ سٹراچ برادران اور دلنیال فرینڈریز کو خیال آیا کہ گذشتہ سالوں میں وہ کس ٹھاٹھ سے کرسمس مناتے رہے ہیں۔

بعض اوقات خوشگوار یادیں بھی خون کے آنسو رلاتی ہیں۔ کتنے دنوں بعد ان کی آنکھیں ڈبڈبا آئیں۔ اشک بہنے لگے۔ فیٹو کی آنکھیں بھی نمناک تھیں۔

۹

نشانِ امید

۱۲ دسمبر کو C-47 طیارہ بالآخر سانٹیاگو کے فضائی مستقر پر پہنچا۔ پئیر ولاروا اور اس کے ساتھی خود پائلٹ سے ملنے گئے جس نے بتایا کہ وہ اینڈیز پر اڑتے ہوئے جہاز کے انجنوں میں مزید خرابی پیدا ہو گئی تھی۔ ایسا لگتا تھا کہ بہت زیادہ بلندی پر سخت سردی اور انتہائی ٹھنڈی ہوا کی وجہ سے انجن کے کاربوریٹر متاثر ہو گئے تھے۔ پائلٹ نے فوراً ہی انجن کا معائنہ کروایا اور ضروری مرمت کے انتظامات کرنے لگا لیکن پئیر ولاروا اور ان کے ساتھیوں کے صبر کا پیمانہ لبریز ہو چکا تھا۔ انہوں نے "ہیلی کاپ سروسز" کی ایجنسی سے رابطہ پیدا کیا۔ وہ پہلے بھی اسی سلسلے میں انہیں ہیلی کاپٹر دے چکے تھے۔ لیکن جب انہیں یہ معلوم ہوا کہ اس دفعہ تلاش اینڈیز کے انتہائی بلند پہاڑوں پر کی جائے گی تو انہوں نے معذرت کر لی۔ اینڈیز کی آسمان سے باتیں کرتی چوٹیوں والے پہاڑوں کے درمیان چھوٹے چھوٹے ہیلی کاپٹر بھلا کس کام آ سکتے تھے۔

C-47 طیارے کی مرمت اسی دن مکمل ہو گئی اور دوسری صبح وہ پرواز کے لیے تیار تھا۔ نکولچ اور روڈریگویز السکیلیڈا کو ساتھ لے کر پائلٹ درہ پلینچون کی طرف روانہ ہوا جب کہ پئیر ولاروا نے جنوب کا رخ کیا۔ وہ مختلف ایجنسیوں کے سرکردہ افراد سے مل کر C-47 کے لیے ایندھن اور لینڈنگ کی سہولتیں حاصل کرنا چاہتا تھا تاکہ صوبے کے چھوٹے چھوٹے اڈوں پر طیارے کو کوئی مشکل پیش نہ آئے۔

ادھر کینیسا اور ہارلے مصروف عمل تھے۔ ۱۴ دسمبر کو وہ کیوریکو پہنچے۔ وہ اس شخص کی تلاش میں تھے جس نے یہ بیان دیا تھا۔ کہ اس نے پہاڑوں میں ایک طیارے کو آگ کے شعلوں میں لپٹے، نیچے گرتے دیکھا تھا۔ وہ شخص تو ہاتھ نہ آیا، اس کے بھائی سے ملاقات ہوئی لیکن وہ کوئی خاص اطلاع فراہم نہ کر سکا۔ اسے اپنے بھائی کا بھی کچھ پتہ نہ تھا کہ وہ کہاں غائب ہو گیا ہے۔ مزید تلاش کے بعد کسیلو کے ایک اور گہرے دوست سے ملاقات ہوئی جس نے بتایا کہ کسیلو حادثے کی جگہ کے قریب ہی ایک کان میں کام کر رہا تھا اور اس کا کہنا تھا کہ اس نے جہاز کے انجنوں اور بعد میں

دھماکے کی آواز تو سنی تھی لیکن برفباری کی وجہ سے خود جہاز کو نہیں دیکھا تھا۔ تاہم آواز سے اندازہ ہوتا تھا کہ جہاز پلینچون سے اڑتے ہوئے سانٹیاگو کی طرف مڑ گیا۔

کینیسا اور ہارلے اس لحاظ سے یہ بیان سُن کر خوش ہوئے کہ یہ ان تمام اندازوں کی تصدیق کرتا تھا کہ جہاز ٹنگو یریکا پہاڑ کے آس پاس گرا ہے۔ انہوں نے فوراً سانیتاگو سے رابطہ قائم کیا اور نکولیچ سے گفتگو کرنا چاہی جو 47۔ سی طیارے کے ساتھ تھا۔ پیشتر اس کے کہ وہ کوئی بات کرتے نکولیچ نے انہیں بتایا کہ سانتا ایلینا کے پہاڑ پر ایک صلیب کا نشان دیکھا گیا ہے۔

اس خبر نے ایک بار پھر جنوبی امریکہ کے تمام ممالک میں تہلکہ مچا دیا۔ اخبارات نے شہ سرخیوں کے ساتھ یہ خبر شائع کی۔ اداریے لکھے، حکومتوں سے اپیل کی کہ وہ زندہ بچ رہنے والوں کی تلاش ازسرنو شروع کریں۔ مایوس والدین میں بھی ایک بار پھر امید کی کرنیں روشن ہوگئیں۔ چلی اور ارجنٹینا کی فضائیہ نے پھر اپنے جہاز تلاش کی مہم پر روانہ کر دیے۔ البتہ چلی میں ٹھہرے والدین پئیز دلارو، کینیسا، ہارلے اور نکولیچ، ان پروازوں سے مطمئن نہیں تھے۔ انہوں نے صلیب کا نشان دیکھا تھا اور وہ اس تک پہنچنا چاہتے تھے۔ ظاہر ہے وہاں کوئی جہاز تو اتر نہیں سکتا تھا، انہیں کسی ہیلی کاپٹر کی ضرورت تھی۔ ایس اے آر نے کسی ٹھوس ثبوت کے بغیر ہیلی کاپٹر مہیا کرنے سے انکار کر دیا تھا۔

کینیسا اور ہارلے ایس اے آر کی یہ دلیل ماننے کو تیار نہ تھے۔ انہوں نے صلیب کے نشان کی تصویریں بنائیں اور چلی کے صدر سلویڈور ایلینڈے سے انٹرویو مانگا۔ صدر سوویت یونین کے دورے کے بعد آرام فرما رہے تھے۔ انٹرویو تو نہیں ہو سکا لیکن انہوں نے اپنے ایک مشیر کے ذریعے کہلوا بھیجا کہ وہ تلاش کے لیے ان کا خصوصی ہیلی کاپٹر استعمال کر سکتے ہیں۔ لیکن اس کی نوبت ہی نہ آسکی، ہیلی کاپٹر ایک حادثے کا شکار ہو کر تباہ ہو گیا۔ پئیز دلارو، کینیسا اور نکولیچ دوبارہ اپنے 47۔ سی میں بیٹھ کر اس مقام کی طرف روانہ ہوئے جہاں صلیب کا نشان دیکھا گیا تھا۔ وہ چاہتے تھے کہ اس نشان کے ارد گرد فیرچائلڈ کا بھی سراغ لگائیں لیکن جب وہ اینڈیز کے پہاڑوں پر اڑ رہے تھے تو جہاز کا ایک انجن پھر فیل ہو گیا۔ انہوں نے دیکھا کہ ایک انجن کے پنکھے پہلے آہستہ ہوئے پھر رک گئے۔ جہاز کو کچھ جھٹکے لگے اور وہ مڑ کر سانٹیاگو کی طرف روانہ ہو گیا۔

۱۲ دسمبر کو چلی کی وزارت داخلہ کی طرف سے اعلان کیا گیا کہ صلیب کا نشان مصیبت

میں گھرے افراد کی طرف سے ہی بنایا گیا ہے۔ البتہ بہت سے افراد ایسے تھے اور ان میں یہ پانچ والد بھی شامل تھے جنہیں شبہ تھا کہ بچے بالوں کے ہاتھوں اتنی صحیح پیمائش کے ساتھ یہ نشان بنانا ممکن نہیں تھا۔ ادھر مونٹی ویڈیو میں کچھ ماؤں نے تو فوراً یہ یقین کر لیا کہ یہ انہی کے بچوں کا بنایا ہوا نشان تھا، کچھ شک میں تھیں اور کچھ کو سمجھ ہی نہ آتا تھا کہ وہ کس بات پر یقین کریں کس پر نہ کریں۔ وہ سب پونس ڈی لیون کے ریڈیو کے اردگرد اکٹھی ہو جاتیں اور ہیٹز ولارد ہارلے اور کینیسا سے باتیں کرتیں۔ سنورا نوگویرا کو ڈاکٹر کینیسا کی سوجھ بوجھ پر بڑا اعتماد تھا۔ ایک دن اس نے اس سے پوچھا کہ صلیب کے بارے میں اس کا کیا خیال ہے۔

ڈاکٹر کینیسا نے کہا، "جب پہلی مرتبہ میں نے یہ نشان دیکھا تو جی چاہا کہ پیراشوٹ کے ذریعے اس جگہ پر چھلانگ لگا دوں۔ لیکن بعد میں تصویریں دیکھیں تو خیال آیا کہ اس صحیح پیمائش کے ساتھ، اتنا خوبصورت نشان بنانا، ہمارے بچوں کا کام نہیں ہو سکتا۔

سنورا نوگویرا نے اس کے بعد کوئی اور بات نہیں کی۔ وہ خاموشی سے گھر لوٹ گئی۔ شوہر نے کچھ پوچھا تو بولی، "یہ ہمارے بچوں کا بنایا ہوا نشان نہیں ہے۔"

سنورا ڈیلگاڈو جو حادثے کے چار پانچ دنوں بعد ہی یقین کر بیٹھی تھی کہ اس کا بیٹا زندہ نہیں رہا، ایک بار پھر اُمید کرنے لگی کہ شاید اس کا بیٹا مل جائے لیکن ۱۶ دسمبر کو ارجنٹینا کی حکومت کی طرف سے وضاحت نشر کی گئی کہ صلیب کا نشان مونٹی ویڈیو سے آنے والے ماہرین ارضیات نے بنایا تھا جو اس علاقے میں سروے کر رہے تھے یہ نشان بنانے کے لیے انہوں نے مختلف مثلثیں استعمال کی تھیں۔ انہیں برابر برابر فاصلوں پر برف میں گاڑا گیا تھا۔ مختلف وقفوں سے ان کی فضائی تصویریں لی جاتی تھیں اور یہ معلوم کیا جاتا تھا کہ برف کس رفتار سے پگھل رہی ہے۔ ان ابتدائی اطلاعات کے بعد یہ متعین کیا جاتا تھا کہ اس سال ارجنٹینا کی وادیوں کے دریاؤں میں کتنا پانی میسر آئے گا۔

ان خبروں نے ایک بار پھر مایوسیوں کو جنم دیا۔ سنورا ڈیلگاڈو بیمار پڑ گئی۔ جہازوں کو واپس اڈوں پر بھیج دیا گیا اور سان فرینینڈو میں فوجی دستوں کے کمانڈر کرنل مورل نے جو گشت روانہ کی تھی، اسے واپس بلا لیا گیا۔ لیکن اس سب کچھ کے باوجود دیلوراگو ئے کے پانچ افراد نے چلی سے واپسی کا فیصلہ نہیں کیا۔ انہوں نے عزم کیا تھا کہ وہ تلاش جاری رکھیں گے اور وہ اپنی دھن کے پکے تھے۔ ۱۷ دسمبر کو وہ کیوریکو گئے تاکہ کمیلو کے دوست ڈیگو ریلو راکوسانٹیاگو

لائیں۔ جہاز کی آوازیں اور دھماکہ کیبلو نے سنا تھا لیکن اس کا دور دور پتہ نہ تھا۔ ریورا نے جو تفصیلات بیان کیں، ان سے اس قیاس کی تصدیق ہوتی تھی کہ فیر چائلڈ ٹنگوریریکا پہاڑ کے آس پاس گرا تھا اور انہیں اسی علاقے میں تلاش جاری رکھنی چاہیے۔

۱۸ دسمبر کو پیئیز ولارو نے ایک جہاز کرائے پر لیا اور اس علاقے میں موجود امدادی پارٹیوں کے کچھ اشخاص کو ساتھ لے کر ٹنگوریریکا کی طرف روانہ ہوا۔ پہاڑ کے مغرب کی طرف انہیں برف سے ڈھکی ہوئی ایک جھیل نظر آئی اور امدادی پارٹی کے ایک شخص لیوکیرو نے برف پر انسانی قدموں کے نشان دیکھے۔ پائلٹ کو کہا گیا کہ وہ جھیل پر ایک اور چکر لگائے اور اس مرتبہ نیچی پرواز کرے تاکہ ولارو بھی ان نشانات کو دیکھ سکے۔ ان نشانات کو دیکھ کر اس نے لیوکیرو سے پوچھا،

"تمہارا کیا خیال ہے؟"

"ہیں تو یقیناً انسانی قدموں کے نشان۔"

"اپنے لڑکوں کے؟"

"ناممکن۔ کسی چرواہے کے ہوں گے۔"

"چرواہا اس برف پر کیا کر رہا ہو گا؟"

لیوکیرو نے شانے اچکائے اور خاموش ہو رہا۔

سانتا ایلینا پر صلیب کے نشان سے مایوس ہونے کے بعد پیئیز ولارو محتاط ہو گیا تھا۔ وہ فوراً ہی اس بات پر یقین کرنے کو تیار نہیں تھا کہ یہ انسانی قدموں کے نشان انہی کے ہیں جن کی تلاش میں وہ خود سرگرداں تھا۔ تاہم اسے یہ خیال ضرور آیا کہ کہیں یہ کیبلو کے قدموں کے نشان نہ ہوں۔ وہ کافی عرصے سے غائب تھا اور باوجود کوشش کے ہاتھ نہ آیا تھا۔ ولارو نے سوچا کہیں ایسا تو نہیں کہ وہ اکیلا ہی جہاز کے بدقسمت مسافروں کی طرف روانہ ہو گیا ہو تاکہ ان کا مال واسباب سمیٹ سکے۔ جہاز واپس اترا تو اس نے باقی ساتھیوں سے مشورہ کیا،

"اگر کوئی میرا ساتھ دے تو ہم پیدل ہی روانہ ہو جائیں اور لیڈروں سے پہلے وہاں جا پہنچیں گے۔"

ڈاکٹر کیلسا لیوکیرو سے تبادلہ خیالات کر رہا تھا، "تمہیں کیسے یقین ہے کہ یہ ان لڑکوں میں سے کسی کے قدموں کے نشان نہیں ہو سکتے؟" ڈاکٹر نے پوچھا۔

"دو مہینے گذر گئے ہیں حادثہ ہوئے۔ تمہارا خیال ہے وہ ابھی تک....."

لیوکیرو نے بات ادھوری چھوڑ دی۔

لیوکیرو کی باتیں ان سنی کر کے بیئیر ولارو فوجی دستوں کے کمانڈر کرنل موریل سے ملنے گیا۔ اب تک ان دونوں کے درمیان دوستی کا رشتہ استوار ہو چکا تھا۔ کرنل اس علاقے میں ایک گشتی پارٹی بھیجنے پر تیار ہو گیا بلکہ اسی دوپہر اس نے ایک فوجی ہیلی کاپٹر منگوایا تاکہ خود جا کر یہ نشانات دیکھ سکے۔ وہ خود تو ان نشانات کا سراغ نہ لگا سکا لیکن اسے بیئیر ولارو کے بیان پر یقین تھا۔ اس لیے ولارو سے کہا، ”کارلیٹوس تم کرسمس منانے کے لیے واپس گھر جاؤ۔ تمہارے پیچھے میں تلاش جاری رکھوں گا۔ گشتی پارٹی اس علاقے میں موجود رہے گی۔ دو تین دنوں میں ہم ”ریکیوکور“ کا ایک دستہ پورے علاقے میں اتار دیں گے۔ پھر بھی کچھ نہ ہوا تو تم واپس آ کو ہم نئے سرے سے تلاش شروع کریں گے۔“

بیئیر ولارو نے اس بات سے اتفاق کیا اور اپنے ساتھیوں سے مشورہ کر کے یہ فیصلہ کیا کہ وہ سب مونٹی ویڈو لوٹ جائیں۔ کینیسا، ہارلے اور نکولچ نے دوسرے دن C-47 طیارے کے ذریعے واپسی کا پروگرام بنایا۔ ولارو اور الیسکیلیڈا نے ایک دن بعد کے لیے نشستیں مخصوص کروالیں۔

انسانی آبادی کا نشان ــــ صابن دانی

جب وزنطین انہیں چھوڑ کر جہاز کی طرف لوٹ گیا تو کینیا اور پیریڈو نے فیصلہ کیا کہ وہ سارا دن آرام کریں۔ تین دن کی چڑھائی نے ان کے انگ انگ میں تھکن سمو دی تھی اور انہیں احساس تھا کہ دوبارہ چوٹی پر جانے کے لیے انہیں اپنی قوت بحال کرنا ہو گی۔ ان کی منزل چوٹی نہیں تھی بلکہ اس سے آگے بھی انہیں نامعلوم راستوں پر جانا تھا۔ انہوں نے گوشت کھایا، برف پگھلا کر پانی پیا اور آرام کرنے لگے۔

۱۶ر دسمبر ہفتے کے دن وہ دونوں دوبارہ چوٹی کی طرف روانہ ہوئے۔ اب انہوں نے وہ تھیلے بھی اٹھا رکھے تھے جو وزنطین چھوڑ گیا تھا۔ بوجھ زیادہ ہونے کی وجہ سے چڑھائی بھی مشکل لگ رہی تھی۔ بلندی زیادہ ہونے کی وجہ سے آکسیجن ویسے ہی کم تھی۔ ان کے دل تیزی سے دھڑکنے لگے اور سانسیں پھول گئیں۔ وہ ہر تین قدم کے بعد رک کر آرام کرتے۔ چوٹی تک پہنچنے میں انہیں تین گھنٹے لگے۔ وہاں وہ کافی دیر ٹھہرے اور نیچے اترنے کے لیے راستے کی تلاش میں رہے۔ پرلی طرف گرچہ برف کم تھی اور جس وادی میں وہ پہنچنا چاہتے تھے وہ بھی صاف نظر آ رہی تھی لیکن نیچے اترنے کے لیے تمام ڈھلانیں ایک سی تھیں چنانچہ انہوں نے ایک رخ کا انتخاب کیا اور نیچے اترنے لگے۔ پیریڈو حسب معمول آگے آگے تھا۔ چڑھائی کی نسبت اترنا اس لحاظ سے آسان تھا کہ وہ کولہوں کے بل بیٹھ کر خود نیچے کھسکنے کی کوشش کرتے تو برف پر پھسل جاتے۔ یہ آسان تو تھا لیکن خطرناک بھی کیونکہ پہاڑوں کی ڈھلوان بہت زیادہ تھی اور رفتار کی تیزی اس بات پر منتج بھی ہو سکتی تھی کہ وہ حسب منشا رک نہ سکیں اور بلندیوں سے لڑھکتے کسی گہری کھڈ میں جا گریں۔ رکنے کی کوشش میں ان کا پاؤں کسی ٹھوس چیز سے ٹکرا جاتا تو ٹخنے یا گھٹنے میں چوٹ آنے کا خدشہ بھی تھا ان حالات میں ایسی کسی بات کی گنجائش نہ تھی چنانچہ دونوں بڑے محتاط تھے۔ کینیا مسلسل خدا سے باتیں کر رہا تھا۔ اس نے ایک فلم دیکھ رکھی تھی جس کا ایک کردار مشکل وقت

ہیں، سہانی دوستانہ انداز میں خدا سے باتیں کرتا ہے۔ اسے وہی کردار یاد آرہا تھا اور اسی لہجے میں وہ خدا سے مخاطب تھا، "اے خدا، تو نے ہمیں مشکل میں ڈال رکھا ہے لیکن اس مشکل سے نکلنا بھی آسان کر۔ اسے ہمارے لیے ناممکن نہ بنا۔"

کئی سو فٹ نیچے اتر کر وہ ایک ایسی ڈھلوان پر آئے جو ایک بڑے پہاڑ کے سائے میں تھی اور سائے میں ہونے کی وجہ سے اس کی برف بھی نہیں پگھلی تھی۔ دوسری چٹانوں کی نسبت اس پر برف کی تہہ کافی موٹی تھی۔ ڈھلوان زیادہ تھی۔ ہیر یڈو نے اس پر آزادانہ پھسلنے کا فیصلہ کیا۔ چنانچہ پشت پر سے تھیلے اتارے، المونیم کی چھڑی کو دونوں ٹانگوں کے بیچ میں رکھا تاکہ خود کو روکنے کے کام آئے اور ایک گدی بچھا کر اس پر بیٹھ گیا۔ تھوڑا سا زور لگایا تو وہ آسانی سے پھسلنے لگا لیکن ..... بہت جلد اس کی رفتار بڑھ گئی۔ المونیم کی چھڑی کو برف میں دھنسانے کی کوشش کرتے ہوئے اس نے رکنے کی کوشش کی پر ناکام رہا۔ اس کی رفتار بڑھتی گئی اور وہ تیزی سے نیچے آنے لگا۔ اس کے اندازے کے مطابق اس کی رفتار ساٹھ میل فی گھنٹہ رہی ہوگی۔ اس نے پیروں اور المونیم کی چھڑی سے رکنے کی بہتیری کوشش کی لیکن بے سود ___ اسے موت سامنے نظر آئی۔ دہشت کی ایک لہر پورے جسم میں دوڑ گئی۔ کسی بھی وقت وہ عمیق گھاٹیوں میں گر سکتا تھا اور گرنے سے اس کی گردن، ٹانگ یا بازو ٹوٹ سکتا تھا۔ اچانک اسے اپنے سامنے برف کی ایک دیوار کھڑی نظر آئی۔ برف کے پیچھے اگر پتھر کی چٹانیں تھیں تو اس کا خاتمہ قریب تھا، اس نے ڈر کر آنکھیں بند کرلیں اور دوسرے لمحے وہ اس دیوار سے جا ٹکرایا۔ ڈرتے ڈرتے اس نے آنکھیں کھولیں تو خود کو ٹھیک ٹھاک پایا۔ دیوار برف کا ایک بڑا سا ڈھیر تھا جو ساتھ والی چٹانوں سے گر کر وہاں جمع ہوتا رہا تھا۔ چند لمحوں بعد ہی کینیسا وہاں پہنچ گیا،

"نینڈو، نینڈو تم ٹھیک تو ہو نا؟"

"ہاں۔ ہاں بالکل ٹھیک ہوں۔ آؤ چلیں"، ہیر یڈو برف میں سے اٹھتا ہوا بولا۔

دونوں مزید احتیاط سے چلتے ہوئے نیچے اترنے لگے۔ سہ پہر چار بجے کے قریب وہ ایک ہموار سطح زمین پر پہنچے اور فیصلہ کیا کہ اندھیرا ہونے سے پہلے پہلے انہیں وہیں رک کر اپنے کپڑے سکھانے چاہئیں۔ ان کا اندازہ تھا کہ جس پہاڑ کی ڈھلوان پر تھے، اس کا

دو تہائی سفر وہ طے کر چکے تھے۔ انہوں نے جرابیں اور باہر والی پتلونیں جو گیلی ہو گئی تھیں، اتاریں اور ڈوبتے سورج کی کرنوں میں انہیں سکھانے کے لیے ڈال دیا۔ سورج غروب ہوا تو وہ سلیپنگ بیگ میں گھس کر لیٹ گئے۔ پچھلی رات کی نسبت سردی کم تھی لیکن ایک بے چینی تھی جس کی وجہ سے وہ رات گئے تک کروٹیں بدلتے رہے۔

صبح سویرے ان کی آنکھ کھل گئی لیکن جب تک سورج کی کرنیں ان پر نہ پڑنے لگیں وہ لیٹے رہے۔ پھر اُٹھے، کچے گوشت اور شراب کے چند گھونٹوں کا ناشتہ کیا اور نیچے روانہ ہو گئے۔ ان کے سفر کا یہ چھٹا دن تھا۔ دوپہر تک وہ پہاڑ کے نیچے پہنچ گئے۔ وہ ٹھیک اسی جگہ اترے تھے جہاں پہنچنے کا ارادہ تھا یعنی Y شکل کی وادی کے شروع میں۔ اس کی سطح پر برف پڑی ہوئی تھی لیکن نرم تھی چنانچہ انہوں نے جہاز کی نشستوں کی گدیوں سے بنائے ہوئے خود ساختہ برفانی جوتے پہنے اور چلنے لگے۔ چلنے سے پہلے انہوں نے لنچ بھی کیا۔ دھوپ میں چلنے سے ان کے جسم گرم ہو گئے۔ چار چار سویٹر اور چار چار پتلونیں تو انہوں نے پہلے ہی پہن رکھی تھیں لیکن پسینہ آنے کے باوجود انہوں نے کپڑے اتارنے میں وقت ضائع کرنے کی بجائے چلتے رہنے کو ترجیح دی۔

وادی میں تھوڑی دور چلے ہوں گے کہ کینیسا کے پشت پر لدے تھیلے کی ایک پٹی ٹوٹ گئی۔ وہ پہلے ہی کافی تھک گیا تھا اور اس کی ہمتیں جواب دے رہی تھیں۔ اسے بیٹھ جانے کا اچھا بہانہ ہاتھ آ گیا ___ لیکن بعد میں بھی اس کی یہ حالت رہی کہ پیریڈو اس سے بہت آگے نکل جاتا، مڑ کر دیکھتا تو کینیسا کو بیٹھا ہوا پاتا۔ وہ چیختا چلاتا، ڈانٹ کر بلاتا تو کینیسا چل پڑتا اور چلتے چلتے "آسمانی باپ" سے دعائیں مانگتا رہتا۔ پیریڈو کو "آسمانی باپ" سے زیادہ اپنے اس "زمینی باپ" کی فکر تھی جو اس کے غم میں گھلا جا رہا ہو گا۔ اسے اپنی اتنی فکر نہیں تھی جتنی اپنے باپ کی ___ اپنے اپنے خیالات میں مگن وہ چلے جا رہے تھے کہ اپنے دائیں طرف انہیں ایک چھوٹی سی ندی نظر آئی جو ایک اور پہاڑ کے پہلو میں اترتی بہہ رہی تھی۔ پہلی مہم کے دوران وزنطین کو ایک چٹان پر سے بہتی پانی کی ایک پتلی دھار ملی تھی لیکن اس کا پانی سخت کڑوا اور کھارا تھا۔ اس ندی کے آس پاس کچھ گھاس تھی، کچھ کائی اور کچھ سرکنڈے۔ پینسٹھ دنوں کے بعد سبزے کی شکل وہ پہلی بار دیکھ رہے تھے۔ کینیسا سے باوجود تھکن کے رہا نہ گیا، وہ بڑھ کر ندی

کنارے پہنچا، کچھ گھاس توڑی اور منہ میں ٹھونس لی۔ ذائقہ اچھا تھا اس نے اور گھاس کھائی پھر توڑ توڑ کر جیبوں میں بھرنے لگا۔ آگے روانہ ہونے سے پہلے دونوں نے ندی سے جی بھر کر پانی پیا۔ جوں جوں شام کے سائے بڑھے ان میں بحث ہونے لگی۔ کینیسا وہیں ڈیرے ڈالنے پر مصر تھا جب کہ پیریڈو کا کہنا تھا کہ انہیں مزید آگے چلنا چاہیئے۔

”مجھ میں سکت نہیں ہے پیریڈو، مجھے آرام کی ضرورت ہے۔ تم نے بھی رویہ نہ بدلا تو مر جاؤ گے۔“

پیریڈو نے تھوڑی دیر غور کیا تو کینیسا کی بات میں وزن نظر آیا ویسے بھی وہ میڈیکل سائنس کا طالب علم تھا چنانچہ ٹھہرنے پر اتفاق ہوگیا۔ انہوں نے برف پر شامیانہ لگایا اور سلیپنگ بیگ میں گھس گئے۔ انہوں نے حیرت سے یہ بات نوٹ کی کہ جہاں وہ تھے وہاں تو اندھیرا چھانے لگا تھا لیکن وادی کے پرلے سرے پر ابھی بھی دھوپ کی زرد پیلی کرنیں چمک رہی تھیں۔ ”سورج مغرب میں ڈوبتا ہے اور یہ کرنیں ابھی تک چمک رہی ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ وادی کے اس سرے پر کوئی اور پہاڑ نہیں ہے جو کرنوں کا راستہ روک سکے“ انہوں نے سوچا۔

دوسرے دن نئی امیدوں کے ساتھ انہوں نے معمول کا ناشتہ کیا اور آگے چل پڑے تجسس پیریڈو کو دوڑائے لیے جا رہا تھا۔ وہ جلد از جلد Y شکل کی اس وادی کو عبور کر کے دیکھنا چاہتا تھا کہ اس کے آگے کیا ہے لیکن کینیسا کی بری حالت تھی۔ رات کے آرام سے اس کی قوت بحال تو ہوئی تھی لیکن پیریڈو کا ساتھ نہ دے سکتا تھا۔ ایک بار جو پیریڈو نے مڑ کر دیکھا تو کینیسا برف پر سر نیہوڑائے بیٹھا تھا۔ اس نے اسے پکارا تو جواب آیا کہ اس میں مزید چلنے کی ہمت نہیں۔

”چلنے کے بارے میں مت سوچو۔ دھیان کسی اور طرف رکھو“ پیریڈو نے کہا۔ کینیسا اٹھا اور تصورات میں مونٹی وڈیو کے بازاروں میں کھو گیا جہاں وہ شیشے کی کھڑکیوں سے خوبصورت لباس، کھلونے، تحائف اور سجاوٹ کی چیزیں دیکھ رہا تھا۔ اسی دوران اس کی ایک دوست لڑکی بھی اس کے ساتھ چلنے لگی۔ وہ بھیڑ میں گم ہونے لگی تو اس نے نام لے کر بآواز بلند اسے پکارا، ”مکیشو، مکیشو......“ لیکن اس کی آواز برف کی خموشیوں میں گم ہوگئی۔ پیریڈو نے مڑ کر دیکھا، مسکرایا اور رک کر اپنے ساتھی کا انتظار کرنے لگا۔

ان کا سفر جاری تھا، گدریوں کے بنے ہوئے "برفانی جوتوں" کی آواز تھی جو خموشیوں کو توڑتی تھی لیکن بتدریج انہیں وادی کے پرلے سرے سے ایک سرسراتی سی آواز آنے لگی جو آہستہ آہستہ پُرشور غراہٹ میں بدل گئی۔ دونوں خوف سے لرز اٹھے۔

"یہ کوئی دریا یا چوڑا نالہ تو نہیں جسے وہ عبور نہ کرسکیں۔ ایسا ہوا تو کیا ہوگا؟"

پیریڈو کی بے صبری انتہا کو پہنچ گئی۔ اس کی رفتار پہلے ہی تیز تھی لیکن اب وہ ساری قوت مجتمع کرکے لمبے لمبے ڈگ بھرتا آگے بڑھنے لگا

"تم خود کو فنا کرلو گے پیریڈو۔" کیفیسا چلایا لیکن اس کی اپنی حالت بھی مختلف نہ تھی۔ وہ بھی اب تیز چل رہا تھا۔ تجسس اسے بھی تھا کہ دیکھیں اب کیا مصیبت آتی ہے۔ اس نے دعا کی۔

"اے خدایا! ہماری قوت برداشت کو آزما تو سہی لیکن ہمیں چلتے رہنے کی ہمت بھی عطا فرما۔ دیکھنا اس دریا پر کوئی رستہ ضرور ہو، پار اترنے کے لیے۔"

پیریڈو تیز تیز قدم اٹھاتا، اڑا جا رہا تھا۔ دعائیں وہ بھی کر رہا تھا لیکن اس میں تجسس کی بے چینیاں زیادہ تھیں۔ کیفیسا سے اس کا فاصلہ دو سو گز سے بھی زیادہ ہوگیا تھا۔ اور بالآخر اس نے خود کو وادی کے اختتام پر کھڑے پایا۔

سامنے کا منظر کسی جنت سے کم نہیں تھا۔ سامنے برف نہیں تھی۔ دائیں طرف ایک گلیشیر تھا جس کے نیچے سے مٹیالے رنگ کا گدلا پانی نکل نکل کر زور و شور سے ایک گہری وادی میں گر رہا تھا جس میں بڑے بڑے پتھر اور تودے پڑے ہوئے تھے۔ وادی میں سُنا جانے والا شور اسی پانی کے گرنے سے پیدا ہو رہا تھا لیکن اس سے بھی کہیں زیادہ خوبصورت بات یہ تھی کہ جہاں تک اس کی نظر جاتی تھی، نباتات کی مختلف قسمیں تھیں جو دکھائی دیتی تھیں، گھاس، ہریالی، اور پھول، پیلے پیلے اودے اودے —— خوشی کے مارے پیریڈو کی آنکھوں سے آنسو ابل پڑے۔ کیفیسا اس تک پہنچا اور یہ منظر دیکھ کر اس پر بھی مدہوشی کی کیفیت طاری ہوگئی۔ خوشی کے آنسو آنکھوں میں لیے وہ آگے بڑھے اور برف کے آخری فاصلے کو پار کرکے دریا کے کنارے پر اتر گئے۔ پرندوں کی چہچہاہٹوں کے درمیان باآواز بلند انہوں نے ہاتھ اٹھا اٹھا کر خدائے ذوالجلال کا شکریہ ادا کیا کہ اس نے انہیں اینڈیز کی خشک گرفت سے نکال کر ٹھنڈ سے نجات بخشی۔ وہ ایک گھنٹے تک دھوپ میں

بیٹھے رہے اور جیسے وہ واقعی آدم و حوا کی جنت میں تھے، پرندے بلاخوف ان کے بالکل قریب آ بیٹھتے۔ انہوں نے تو ایک مدت کے بعد پرندے دیکھے تھے لیکن یوں لگتا تھا کہ پرندے ان سے عرصے سے مانوس ہیں۔

اب انہیں یقین ہو گیا تھا کہ وہ محفوظ جگہوں پر پہنچنے میں کامیاب ہو گئے ہیں لیکن سفر باقی تھا۔ انہوں نے پیروں پر باندھی گدیاں کھولیں، ایک ایک سونے کے لیے رکھا، دوسری پھینک دی اور دائیں طرف سے پانی کے دھارے کو عبور کرنے لگے۔ گرچہ اس پر برف نہیں تھی لیکن پھر بھی چلنا آسان نہیں تھا۔ آرام کرسیوں جتنے بڑے بڑے پتھر پھیلا نگنا عام دنوں میں شاید ان کے بائیں ہاتھ کا کھیل ہوتا لیکن ان کی بچی کھچی توانائی کے لیے یہ کافی بڑے بڑے پتھر تھے۔ دھارا عبور کر کے وہ دوپہر تک چلتے رہے۔ کچھ کھایا پیا اور پھر چل دیے۔ ایک گھنٹہ چلے ہوں گے کہ کینیا کو یاد آیا کہ وہ اپنی دھوپ کی عینک وہیں چھوڑ آیا ہے جہاں بیٹھ کر انہوں نے دوپہر کا کھانا کھایا تھا۔ اسے خوف پیدا ہوا کہ عینکوں کے بغیر کہیں اس کی آنکھوں کا بھی وہی حشر نہ ہو جو اس کے چہرے کی جلد اور ہونٹوں کا ہو چکا تھا۔ وہ کسی بھی قیمت پر یہ خطرہ مول لینے کو تیار نہ تھا چنانچہ پیریڈو کو اس نے وہیں چھوڑا اور عینک کی تلاش میں واپس روانہ ہو گیا۔ ایک گھنٹے سے بھی کم وقت میں وہ اس جگہ پہنچ تو گیا لیکن وہاں ایک نہیں سینکڑوں پتھر پڑے تھے اسے کچھ اندازہ نہ تھا کہ عینک اس نے کہاں رکھی تھی۔ وہ ایک پتھر سے دوسرے پتھر تک عینک ڈھونڈتا رہا اور جب بے بسی سے اس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے تو اچانک اس کی نظر اپنی عینک پر پڑی۔ اس پتھر کے قریب سے وہ کئی بار گزرا تھا لیکن عینک پر نظر ہی نہ پڑی تھی۔

دو گھنٹے بعد کینیا پیریڈو سے آن ملا اور فوراً ہی دونوں آگے روانہ ہو گئے۔ تھوڑی دور گئے ہوں گے کہ ایک بڑی چٹان نے ان کا راستہ روک لیا۔ چٹان کافی بلند تھی بائیں ہاتھ کو بتدریج کم ہوتے ہوتے یہ دریا میں مل جاتی تھی۔ دریا کے بائیں ہاتھ راستہ زیادہ ہموار تھا چنانچہ انہوں نے فیصلہ کیا کہ دریا پار کیا جائے۔ یہ بھی آسان نہ تھا لیکن اور کوئی چارۂ کار نہ تھا۔ چٹان پر چڑھنے کی ان میں سکت ہی نہیں تھی۔ دریا کا پاٹ پچیس فٹ تو رہا ہو گا۔ درمیان میں ایک بڑا سا تودہ پڑا تھا۔ انہوں نے سوچا کہ پہلے تودے تک چلا جائے اور وہاں سانس لے کر پار اترا جائے۔

پہلے کینیا نے تیاری کی۔ بھیگنے سے بچانے کے لیے اس نے اپنے کپڑے اتار دیئے اور نائیلون کی ایک رسی اپنی کمر کے اردگرد باندھ لی۔ اس کا دوسرا سرا پیریڈو کو پکڑا دیا اور دریا میں اتر گیا۔ پہلے تو دے تک پہنچا اور وہاں سے پار اتر گیا۔ پیریڈو نے جب دیکھا کہ اس کا ساتھی بخیریت پہنچ گیا ہے تو اس نے پشت کے تھیلے کی نائیلون کی پٹیاں کھولیں۔ اس سے سلیپنگ بیگ باندھا اور پوری قوت سے دوسرے کنارے کی طرف پھینک دیا۔ کینیا نے سلیپنگ بیگ کھول کر نائیلون کی پٹی واپس پھینک دی تاکہ باقی سامان بھی آ سکے جس میں کپڑے تھے، چلنے کی چھڑیاں تھیں، تھیلے تھے، ان کا راشن اور جوتے وغیرہ۔ یہ طریقہ خاصا مشکل ثابت ہوا کیونکہ پھینکنے میں خاصا زور لگ رہا تھا۔ ایک تھیلا تو دریا میں ہی گر گیا جسے اٹھانے کے لیے کینیا کو پھر پانی میں اترنا پڑا جسے اٹھاتے اٹھاتے وہ خود بھی بھیگ گیا۔ تھیلا کھولا تو دیکھا کہ شراب کی بوتل ٹوٹ گئی ہے۔ پیریڈو بھی آگیا تو وہ تھوڑی دور اور چلے اور ایک مناسب جگہ دیکھ کر وہیں رک گئے۔ ابھی دھوپ باقی تھی۔ انہوں نے گیلے کپڑے سوکھنے کو ڈالے اور خود کھانے کے لیے بیٹھ گئے۔ بہت سی چھپکلیاں تھیں جو ان کے اردگرد جمع ہو کر حیرت سے انہیں دیکھ رہی تھیں۔

اب تک گذرنے والی راتوں میں، یہ رات کافی آرام دہ تھی۔ وہ گہری نیند سوئے۔ صبح اٹھے تو ان کے سفر کا آٹھواں دن تھا۔ صبح کی روشنی میں جو منظر وہ دیکھ رہے تھے، بے انتہا خوبصورتیوں پر مشتمل تھا۔ وہ خود تو اپنے پیچھے والے پہاڑوں کے سایوں میں تھے لیکن ان کے سامنے وادی کا حصہ سورج کی شعاعوں سے دمک رہا تھا جس میں کیکٹس جیسے پودے بھی دکھائی دیتے تھے اور دھند میں سے گذرتی شعاعیں بھی لش لش کر رہی تھیں دور پرے ہرے بھرے درخت دکھائی دے رہے تھے۔ درمیانی فاصلے میں کچھ جانور بھی چرتے نظر آئے۔ کینیا کو یوں لگا جیسے یہ گائیں ہیں۔ اس نے چیخ کر پیریڈو کو بتایا،

"مجھے گائیں نظر آ رہی ہیں۔"

"گائیں؟" پیریڈو نے آنکھیں جھپکاتے ہوئے خلا میں غور سے دیکھتے ہوئے کہا،

"تمہیں یقین ہے کہ وہ گائیں ہیں۔"

"لگتی تو گائیں ہی ہیں۔"

ان کا قریبی منظر ہی اتنا خوش کن تھا کہ انہیں دور چرتے ہوئے ان جانوروں سے

زیادہ توقعات وابستہ کرنے کی ضرورت ہی نہ تھی۔ راستہ آسان نہیں تھا ہر طرف کنکر اور نوکیلے پتھر بکھرے پڑے تھے۔ کہیں کہیں بڑے بڑے پتھر بھی ان کی راہ روک لیتے لیکن اب ان کے حوصلے بلند ہو چکے تھے۔

پھر اچانک انہیں انسانی تمدن کی ایک واضح علامت ملی۔ صابن دانی۔ گرچہ یہ زنگ آلود تھی لیکن اس پر کمپنی کا نام صاف پڑھا جاتا تھا "سیگی"۔ کینیسا نے اسے اٹھالیا اور بڑے شوق سے پیریڈو کو دکھاتے ہوئے بولا،

"نیندو یہ دیکھو، کیا ہے! اس کا مطلب ہے کہ یہاں سے کوئی نہ کوئی آدمی گزرا ہے۔

مایوسیوں نے پیریڈو کو بہت محتاط کر دیا تھا۔ وہ کسی خوش فہمی میں مبتلا نہیں ہونا چاہتا تھا۔ بولا،

"لیکن یہ کسی جہاز سے بھی تو گر سکتی ہے۔"

"جہاز سے کیسے گر سکتی ہے؟ جہاز میں کھڑکیاں کب ہوتی ہیں؟ یا رکھی جانے لگیں ہیں آج کل؟"

یہ جاننے کا کوئی طریقہ نہیں تھا کہ وہ صابن دانی کب سے وہاں پڑی تھی لیکن بہرحال اسے دیکھنے سے ان کی ہمتیں از سرِ نو جوان ہو گئیں اور وہ نئے ولولے سے آگے روانہ ہو گئے۔ کچھ فاصلے کے بعد انہیں زندگی کی اور علامتیں نظر آئیں۔ دریا کے پرلے کنارے پر اٹھکیلیاں کرتے خرگوش اور پھر گوبر کے چھوٹے چھوٹے ڈھیر۔

"یہ گایوں کا گوبر ہے۔ میں نے تمہیں کہا تھا کہ مجھے گائیں نظر آ رہی ہیں" کینیسا بولا۔

"تمہیں کیسے معلوم ہوا کہ یہ گایوں کا گوبر ہے۔ کوئی بھی جانور یہ حرکت کر سکتا ہے۔" پیریڈو حسبِ معمول محتاط تھا۔

"جتنا علم تمہیں کاروں کے بارے میں ہے، اس سے آدھا علم بھی گایوں کے بارے میں ہوتا تو تم جان لیتے کہ یہ گایوں کا گوبر ہی ہے۔"

پیریڈو نے شانے اچکائے اور خاموشی سے چلتا رہا۔ کچھ دیر بعد وہ دریا کے کنارے بیٹھ کر آرام کرنے لگے۔ تھوڑا سا گوشت بھی کھایا جب وہ تھیلوں سے گوشت نکال رہے تھے تو انہوں نے دیکھا کہ ان کا راشن کافی تو تھا لیکن موسم کی گرمی کی وجہ سے خراب ہونے لگا تھا۔ انہوں نے دو دو ٹکڑے کھائے، باقی کو پھر احتیاط سے رکھا اور آگے چل پڑے۔ دریا آہستہ آہستہ چوڑا ہوتا

جا رہا تھا کیونکہ وقفوں وقفوں کے بعد کوئی ندی، کوئی نالہ پہاڑوں سے آکر اس میں شامل ہو رہا تھا۔

کچھ دور چلے ہوں گے کہ انہیں کسی گھوڑے کا استعمال شدہ نعل ملا۔ صابن دانی کی طرح یہ بھی زنگ آلود تھا اور نہیں کہا جا سکتا تھا کہ وہ کب سے وہاں پڑا تھا لیکن اس کے بارے میں یہ تو نہیں کہا جا سکتا تھا کہ یہ بھی کسی جہاز سے گرا ہو گا۔ یہ اس بات کی واضح علامت تھی کہ وہ کسی انسانی آبادی کے آس پاس پہنچ چکے ہیں۔ اس بات کی تصدیق جلد ہی ہو گئی۔ راہ میں حائل ایک چٹان کے پہلو میں سے گذرتے ہوئے جب وہ سامنے کی طرف نکلے تو سوا ایک گز کے فاصلے پر انہیں وہی گائیں چرتی ہوئی نظر آئیں جو صبح کینیسا نے دیکھی تھیں۔

پیر یڈرو کو اب بھی کچھ تردد سا تھا۔ پوچھا، "تمہیں یقین ہے کہ یہ جنگلی گائیں نہیں ہیں؟"

"کوہ انیڈیز میں جنگلی گائیں نہیں پائی جاتیں۔ مجھے یقین ہے کہ آس پاس ان کا مالک ضرور ہو گا۔"

یہ کہتے ہوئے اس نے ادھر ادھر دیکھا تو کچھ درخت کٹے ہوئے نظر آئے۔ ان کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کینیسا بولا، "اب تم کہو گے کہ جنگلی گائیں درخت بھی کاٹ سکتی ہیں اور یہ درخت انہوں نے کاٹے ہیں۔"

اختلاف کی گنجائش نہ تھی۔ کٹے ہوئے درختوں کو قریب سے دیکھا تو ان پر کلہاڑے کی ضربوں کے واضح نشانات تھے۔ اور آگے چلے تو انہیں ایک باڑہ نظر آیا جو گھانس پھونس اور درختوں کی شاخوں سے بنایا گیا تھا۔ ایک کونے میں سوکھی لکڑیوں کے گٹھے بھی پڑے تھے جو یقیناً کسی نے ایندھن کے طور پر محفوظ کئے تھے۔ انہوں نے فیصلہ کیا کہ رات وہیں گذاری جائے اور بچا کھچا سارا گوشت کھایا جائے کینیسا بولا، "ایک تو یہ خراب ہو چلا ہے اور ویسے بھی صبح کے وقت ہمیں کوئی نہ کوئی کسان یا گڈریا ضرور مل جائے گا۔ نیند و مجھے امید ہے کہ کل کی رات یقیناً ہم کسی گھر کی چھت تلے گذاریں گے۔" انہوں نے تھیلے کھولے، گوشت نکالا، آگ جلائی اور دس دس ٹکڑے روسٹ کیے۔ پیٹ بھر کے کھانا کھایا اور سلیپنگ بیگ میں گھس کر سورج چھپنے کا انتظار کرنے لگے۔

اب جب کہ ان کی جان بچنی یقینی ہو گئی تھی، انہوں نے ان باتوں پر بھی غور کرنا شروع کر دیا جن کے بارے میں سوچنا تکلیف دہ رہا تھا۔ کینیسا نے پیر یڈرو کو اپنی ایک دوست لڑکی

کے بارے میں تفصیلات بتانا شروع کیں۔ اس کے ساتھ گذارے لمحات، اس کے گھر کھانے کی دعوتیں، پکنک اور رومان ـــــ بیریڈو نے بھی اپنے تجربات دہرائے۔ یہی باتیں کرتے کرتے سورج غروب ہو گیا، آگ کے شعلے سرد ہو گئے اور وہ گہری نیند سو گئے۔

صبح اٹھے تو گائیں وہاں نہیں تھیں لیکن اس سے انہیں کوئی خدشہ محسوس نہ ہوا بلکہ یہ یقین کر کے کہ آج وہ ضرور کسی انسانی آبادی تک پہنچ جائیں گے، انہوں نے فالتو چیزوں سے چھٹکارا حاصل کیا۔ ہتھوڑا، جوتوں کا زائد جوڑا، سلیپنگ بیگ اور کپڑوں کا ایک جوڑا اتار کر وہیں پھینکا اور چل پڑے۔ ہر چٹان کو عبور کرتے ہوئے انہیں امید ہوتی کہ اس کے پار کسی کسان کی کوئی کٹیا ہو گی یا کسی گڈریے کی جھونپڑی۔ لیکن سفر تھا کہ ختم ہونے میں نہیں آ رہا تھا بلکہ انسانی تمدن کی دو علامتیں صابن دانی اور گھوڑے کا نعل، ایک دن پہلے انہیں مل بھی گئی تھیں یہاں تو ایسی مزید کوئی نشانی بھی نہ تھی۔ بیریڈو نے کینیسا کو چھیڑنا شروع کیا،

"اچھا۔ میرا علم تو صرف کاروں تک محدود ہے۔ تم تو اس علاقے کے چپے چپے سے واقف ہو اور اسی واقفیت کے نتیجے میں ہم آدھا گوشت ہڑپ کر گئے ہیں اور سلیپنگ بیگ پیچھے پھینک آئے ہیں۔"

"گوشت ویسے بھی خراب ہونے لگا تھا۔" کینیسا نے جواب دیا ـــــ اتنے دنوں بعد اتنا سارا گوشت کھانے سے اسے بدہضمی ہو گئی تھی اور اس وقت اس کے پیٹ میں مروڑ اٹھ رہے تھے۔ تھکن سے ویسے ہی بُرا حال تھا۔ ایک ایک قدم اٹھانے کے لیے اسے اپنے بدن کی پوری قوت بروئے کار لانا پڑ رہی تھی۔

دھوپ اچھی طرح پھیل چکی تھی جب انہیں ایک اور پہاڑی سے واسطہ پڑا۔ یہ دریا کے بالکل کنارے پر تھی۔ ایک راستہ تو دریا کے بالکل قریب سے گذرتا تھا لیکن اس کی ڈھلوان اتنی زیادہ تھی کہ کسی بھی وقت پاؤں پھسل سکتا تھا۔ دوسری شکل یہ تھی کہ اس کے اوپر سے چڑھ کر گذرا جائے۔ خیریت اسی میں نظر آتی تھی۔ بیریڈو جب یہاں پہنچا تو کوشش کر کے اس پہاڑی کے اوپر چڑھ گیا لیکن کینیسا میں اتنی ہمت نہ تھی۔ اسی نے دریا کے قریب سے گذرنے کو ترجیح دی اور قدم قدم کھسکتا ہوا پار جانے لگا۔ اسی دوران اس کے پیٹ میں زبردست مروڑ اٹھا۔ درد کی شدت اتنی زیادہ تھی کہ تمام تر خطرے کے باوجود اس نے اپنی تینوں پتلونیں اتاریں اور وہیں رفع حاجت کے لیے بیٹھ گیا۔ لیکن اس سے پہلے قبض کی وجہ سے

فضلہ پتھر کی طرح سخت ہو کر اس کی آنتوں میں اٹکا ہوا تھا۔ مجبوراً انگلیاں ڈال ڈال کر اس نے اس فضلے کو باہر نکالا اور ان دستوں کو باہر آنے کا موقع ملا جو اس کے پیٹ میں تباہی مچائے ہوئے تھے۔

ادھر پیرپڈو پہاڑی کے پار پہنچ چکا تھا اور اپنے ساتھی کے نہ پہنچنے پر پریشان تھا۔ اس نے بلند آواز میں اسے پکارنا شروع کر دیا تھا۔ یہ فراغت کے بعد دریا کی طرف سے نمودار ہوا تو اس نے پوچھا کہ کہاں مر گئے تھے۔ کیفیا نے بتایا کہ پچھلی رات زیادہ گوشت کھانے سے اسے دست لگ گئے ہیں اور اس کے پیٹ میں سخت درد ہے۔ پیرپڈو اس کی بات نظر انداز کرتے ہوئے بولا،

"دیکھو اس دریا کے ساتھ ساتھ ایک باقاعدہ راستہ بنا ہوا ہے۔ ہم اس کے ساتھ ساتھ چلتے رہے تو ضرور کہیں نہ کہیں پہنچ جائیں گے۔"

کیفیا زمین پر ڈھیر ہوتے ہوئے بولا، "میں تو دو قدم بھی نہیں چل سکتا۔"

"چلو، چلو اٹھو۔ وہ سامنے ایک ہموار سی جگہ دیکھ رہے ہو؟" پیرپڈو ایک طرف کو اشارہ کرتے ہوئے بولا، "ہمیں رات سے پہلے پہلے وہاں پہنچنا چاہیے۔"

"نا بابا نا ــــ مجھ سے نہیں چلا جاتا اب۔" کیفیا نے جواب دیا۔

"بے وقوف مت بنو۔ اب جب کہ منزل قریب آگئی ہے، دل چھوڑ رہے ہو۔"

"میں نے بتایا نا کہ مجھے دست لگے ہوئے ہیں۔"

پیرپڈو جھنجھلا گیا، "تم ہمیشہ ہی بیمار رہتے ہو۔ لاؤ یہ جھولا مجھے دو اور اٹھو۔"

یہ کہتے ہوئے اس نے کیفیا کا جھولا بھی اٹھا لیا اور چل پڑا۔ چلتے چلتے بولا، "اگر کچھ کھانا چاہو تو یاد رکھنا کہ کھانے پینے کی ساری چیزیں اب میرے پاس ہیں۔" بادل نخواستہ کیفیا اٹھا اور پیچھے پیچھے چلنے لگا۔ بنے ہوئے راستے پر چلنے میں خاص دشواری محسوس نہ ہوتی تھی۔ کچھ دور چل کر انہیں گھوڑے کی لید نظر آئی۔ پھر پتھر کی دیواروں کا بنا ہوا ایک باڑہ جس کے بیچ میں ایک بانس گڑا ہوا تھا جو غالباً گھوڑے یا دوسرے مویشی باندھنے کے کام آتا تھا۔ باڑے کی زمین گھوڑے کے سموں سے تازہ تازہ کھدی معلوم ہوتی تھی۔ قریب ہی درختوں کا ایک جھنڈ تھا۔ کیفیا کی حالت دیکھتے ہوئے پیرپڈو نے فیصلہ کیا کہ رات وہیں گزاری جائے۔ کیفیا تو زمین پر لیٹ گیا، پیرپڈو آگ جلانے کے لیے چھوٹی چھوٹی لکڑیاں اکٹھی کرنے لگا۔

وہ تھوڑا دائیں بائیں بھی گیا کہ شاید قریب ہی کوئی بستی ہو۔

جس دریا کے ساتھ ساتھ وہ چلے آرہے تھے، آگے جاکر ایک اور دریا اس میں گر رہا تھا اور پانی گرنے کا شور ان تک پہنچ رہا تھا، دونوں تبادلہ خیالات کے لیے بیٹھے تو پیرپڈو نے کہا،

"ایک اور دریا اس دریا میں گر رہا ہے جو عین ہمارے سامنے ہے۔ کچھ پتہ نہیں کہ اس دریا کو پار کیسے کریں گے؟"

کیفیسا خاموشی سے لیٹ گیا۔ پیرپڈو اس کے قریب ہی لیٹتے ہوئے بولا، "لیکن دریا کے اس طرف میں نے ایک گائے اور ایک گھوڑا دیکھا ہے۔ تمہیں کچھ اندازہ ہے کہ گائے کیسے ماری جاسکتی ہے؟"

"گائے؟ ماری کیسے جاسکتی ہے؟ کیوں" کیفیسا نے پوچھا۔

"گوشت سڑ چکا ہے اور ہمیں کھانے کی ضرورت تو ہے۔"

"نہیں۔ مجھے تو کچھ نہیں سوجھتا کہ گائے کا شکار کیسے ہو سکتا ہے۔"

"مجھے ایک تدبیر سوجھی ہے۔"

"وہ کیا؟"

"تم نے دیکھا ہوگا کہ گائیں کسی درخت کے نیچے سوتی ہیں۔ کل میں ایک بڑا سا پتھر لے کر ایک درخت پر چڑھ جاؤں گا۔ جب گائیں آئیں گی سونے کے لیے تو یہ پتھر تاک کر کسی گائے کے سر پہ دے ماروں گا۔"

کیفیسا ہنسنے لگا

"کیوں؟" پیرپڈو نے وجہ پوچھی۔

"اوّل تو تم اتنا بڑا پتھر اٹھا کر درخت پر چڑھو گے کیسے جو ایک گائے کو مار سکے۔ اور فرض کرو کہ تم چڑھ بھی گئے تو کیا ضروری ہے کہ گائیں اسی درخت کے نیچے آئیں آرام فرمانے کے لیے؟"

کیفیسا پھر سوچ میں ڈوب گیا۔ تھوڑی دیر بعد بولا،

"ایک اور طریقہ بھی ہے۔"

"کیا؟"

"ہم درخت کی موٹی موٹی شاخیں توڑ لیں۔ انہیں ایک طرف سے نوکیلا بنا کر نیزے کے

طور پر بھی استعمال کی جاسکتی ہیں یا ویسے ہی کسی گائے کو مارا جائے تو کام بن سکتا ہے۔"
کینیا نے اس سے بھی اتفاق نہیں کیا۔
"کچھ تم بھی دماغ لڑاؤ۔" پیریڈو نے احتجاج کیا۔ کچھ دیر بعد کینیا بولا،
"پہلی بات تو یہ کہ اگر ہم نے کوئی گائے ہلاک کر دی تو اس کا مالک ہماری مدد کرنے سے رہا۔"
"ٹھیک۔ پھر ___ ؟"
"کیوں نہ ہم کسی گائے کو پکڑ کر اس کا دودھ دوہ لیں۔"
"لیکن اس کے لیے بھی گائے کو پکڑنا تو ہوگا۔ وہ پکڑی کیسے جائے گی؟"
"ہاں! پکڑی کیسے جائے گی ؟"
اب کینیا سوچ میں ڈوب گیا لیکن فوراً ہی ایک تدبیر سمجھ میں آئی۔ بولا،
"وہ مارا ___ پکڑی گئی۔ پکڑی گئی!"
"کون ۔ ___ ؟"
"گائے"
"کیسے ؟"
"ہمارے پاس تھیلوں کی نائیلون کی پٹیاں تو ہیں۔ ان سے کوئی بچھڑا پکڑ لیں گے اور درخت سے باندھ دیں گے۔ اس کی ماں اس کے قریب آئے گی تو اسے بھی پکڑ لیں گے۔"
"لیکن جب اس کے تھنوں کو ہاتھ لگائیں گے تو بھاگ جائے گی۔"
"نہیں۔ ہم اسے بھی باندھ لیں گے نا۔"
"لیکن دودھ مل بھی گیا تو اسے لے کر کیسے جائیں گے اپنے ساتھ؟"
"ہاں: اس کا تو کوئی علاج نہیں ہمارے پاس۔"
"ہمیں گوشت چاہیے، گوشت۔"
"پھر تو گائے کو مارنا ہی پڑے گا اور سب سے پہلے اس کی ٹانگیں کاٹنی پڑیں گی کہ بھاگ نہ سکے۔"
"اور اس کا مالک ___ ؟"
"ہم گائے کو تبھی ماریں گے جب دائیں بائیں مالک نہ ہوا۔"

"ٹھیک ہے۔" پیریڈو اٹھ کھڑا ہوا۔

"خدا کے لیے بیٹھ جاؤ۔ آج نہیں۔ صبح تک تو انتظار کرو۔ آج مجھ سے کچھ نہیں ہو سکتا۔" کینیسا نے درخواست کی۔

"اچھا چلو آگ تو جلائیں۔ کوئی ہوا اس علاقے میں تو ضرور ہمیں دیکھ لے گا۔" پیریڈو نے تجویز پیش کی۔ اور پھر سوکھی لکڑیاں اور درختوں کی ٹوٹی ہوئی شاخیں اکٹھی کرنے چلا گیا۔ کینیسا لیٹ گیا اور خالی خالی نظروں سے دریا کے پار دیکھنے لگا۔ سورج مغرب کی وادیوں کی طرف جھک چلا تھا اور اس کی کرنوں میں درختوں اور بڑے بڑے پتھروں کے سایے لمبے ہونے لگے تھے اور اچانک انہی سایوں کے درمیان کینیسا کو ایک متحرک سی شبیہہ دکھائی دی۔ ایسے لگا جیسے کوئی آدمی گھوڑے پر سوار گذر رہا ہے۔ کینسا نے فوراً ہی اپنے پیروں پر کھڑا ہونے کی کوشش کی لیکن ان جذباتی لمحات میں بھی اس کی ٹانگوں نے اس کا ساتھ نہ دیا اور وہ لڑکھڑا کر گر گیا۔ وہ لیٹے لیٹے چلایا،

"نیندو، نیندو۔ دیکھو، ادھر دیکھو۔ کوئی آدمی ہے، گھوڑے پر۔ میں نے آدمی دیکھا ہے گھوڑے پر سوار"

"کہاں؟ کدھر؟" پیریڈو چاروں طرف دیکھتے ہوئے بولا، پھر کینیسا کی نظروں کی سمت میں دیکھنے لگا لیکن چونکہ اس کی نظر کمزور تھی، اسے کچھ نظر نہ آیا۔ اس نے کہا،

"مجھے تو کچھ نظر نہیں آتا ___ کدھر ہے؟"

"دریا کے اس پار نیندو۔ بھاگو، دوڑ کر جاؤ۔"

پیریڈو دریا کی طرف دوڑا۔ کینیسا نے بھی گھاس اور پتھروں کے اوپر سرکنا شروع کر دیا۔ وہ خود کو گھسیٹ بھی رہا تھا اور کبھی کبھی نظریں اٹھا کر دیکھتا کہ پیریڈو غلط سمت میں بھاگا جا رہا ہے۔ وہ پوری قوت سے چلاتا، "نیندو! کدھر جا رہے ہو؟ دائیں، دائیں۔"

اور پیریڈو بغیر سوچے سمجھے اپنی سمت دائیں کو تبدیل کر لیتا۔ اسے ابھی تک دریا کے اس پار کچھ نظر نہیں آ رہا تھا لیکن وہ کینیسا کی بتائی ہوئی سمت میں اندھا دھند بھاگ رہا تھا۔ ان کی چیخ و پکار سے گائیں بھی مضطرب ہو کر اٹھ کھڑی ہوئی تھیں اور بار بار پیریڈو کے رستے میں آ جاتی تھیں۔ وہ نتھنوں سے شوں شوں کرتیں تو پیریڈو ان سے دور ہٹ جاتا اور اس کی سمت پھر غلط ہو جاتی۔ اس طرح جب وہ دریا پر پہنچا تو تمام تر نقاہت کے

باوجود کینیسا بھی وہاں پہنچ چکا تھا۔ پیریڈو دریا کے پار دیکھتے ہوئے بولا، "کہاں ہے آدمی اور گھوڑا؟"

جہاں کینیسا نے آدمی دیکھا تھا وہاں صرف پتھروں کے تودے تھے یا ان کے بڑھتے سائے۔

"میں قسم کھانے کو تیار ہوں۔ میں نے یہاں آدمی دیکھا تھا، گھوڑے پر سوار تھا وہ۔"

"خیر۔ اب تو یہاں کوئی نہیں۔"

کینسا وہیں بیٹھ رہا۔ پیریڈو اسے بازو سے پکڑ کر اٹھاتے ہوئے بولا، "چلو واپس چلیں، اندھیرا ہونے سے پہلے پہلے آگ جلالیں۔"

انہوں نے واپسی کا رخ کیا ہی تھا کہ دریا کے پانی کے شور پر حاوی انہوں نے ایک انسانی آواز سنی ___ مڑ کر دیکھا تو دریا کے پار ایک نہیں تین گھڑسوار تھے جو گایوں کو ہنکائے لئے جارہے تھے۔ دونوں نے ان کی طرف رخ کر کے بازو ہلائے اور پکار پکار کر انہیں اپنی طرف متوجہ کرنے لگے۔ گھڑسواروں نے ان کی طرف دیکھا تو سہی لیکن پانی کے شور کی وجہ سے غالباً ان کی کمزور آوازیں ان تک پہنچ نہیں رہی تھیں یا اگر وہ انہیں سُن بھی رہے تھے تو ان کا رویہ بے نیاز تھا اور یوں لگتا تھا کہ وہ ان دونوں کی طرف کوئی توجہ کئے بغیر آگے چلے جائیں گے۔ دونوں نے اور زور زور سے بازو ہلانے شروع کئے اور چیخ چیخ کر کہا کہ وہ اس طیارے کے مسافر ہیں جو اینڈیز کے پہاڑوں میں گر گیا تھا۔ مدد، مدد، مدد کینیسا زور زور سے چیخ رہا تھا تاکہ ان تک آواز پہنچ سکے جب کہ پیریڈو گھٹنوں کے بل گر گیا اور ہاتھ باندھ کر اشاروں سے مدد کی التجا کرنے لگا۔

گھڑسوار ٹھہر گئے۔ ان میں سے ایک آگے بڑھا اور دریا کے پار سے بلند آواز میں کچھ کہنے لگا اس کی گفتگو سے انہیں صرف ایک ہی لفظ پلے پڑا، "کل" اس کے بعد تینوں گھڑسوار گایوں کو ہنکاتے ہوئے چلے گئے۔

پیریڈو اور کینیسا بوجھل دلوں کے ساتھ اپنی جگہ پر واپس آگئے۔ پیریڈو بھی تھک گیا تھا اور کینیسا تو مدد کے بغیر چل ہی نہیں پا رہا تھا۔ لیکن وہ ایک لفظ جو انہوں نے گھڑسواروں سے سنا تھا، ان کی ہمتیں جوان رکھنے کے لیے کافی تھا۔ بالآخر انہوں نے اپنے ہم جنس انسانوں سے رابطہ پیدا کر لیا تھا۔

تمام تر تھکن کے باوجود انہوں نے فیصلہ کیا کہ وہ ساری رات آگ جلائے رکھیں گے کہ اندھیرے میں آگ دور سے نظر آجاتی ہے اور اس طرح امکان تھا کہ وہ کسی کی نظروں میں آ جائیں گے۔ اس کے لیے انہوں نے دو دو گھنٹے ڈیوٹی دینے کا فیصلہ کیا۔ آگ کی حدت بھلی لگ رہی تھی لیکن انہیں نیند نہ آئی۔ صبح کاذب کے وقت ہیریڈ و سو رہا تھا۔ کینیسا ڈیوٹی پر تھا۔ دو گھنٹے پورے ہوئے تو کینیسا نے ہیریڈ و کو جگانا مناسب نہ سمجھا۔ وہ خود ابھی تک نقاہت محسوس کر رہا تھا۔ اس نے سوچا آنے والے دن میں بھی زیادہ تر ذمہ داری ہیریڈو پر رہے گی، اسے سونے دیا جائے تاکہ اس کی قوت بحال ہو۔

صبح اینڈیز کے پہاڑوں سے سورج طلوع ہوا تو ان کے سفر کا دسواں دن تھا۔ چھ بجے کے قریب دونوں جاگے تو دریا کے پار انہیں دھواں اٹھتا نظر آیا۔ دونوں فوراً ہی اٹھ بیٹھے، دیکھا ایک جگہ آگ جل رہی ہے، ایک آدمی اس کے قریب کھڑا ہے اور پاس ہی دو آدمی گھوڑوں پر سوار اس سے باتیں کر رہے ہیں۔ انہیں دیکھتے ہی ہیریڈو اٹھا اور تیزی سے دریا کے کنارے کی طرف بھاگا۔ کنارے پر پہنچ کر اس نے آدمیوں کو پکارا۔ پیدل شخص کنارے کی طرف آیا اور اشارے سے ہیریڈو کو نیچے اترنے کو کہا وہ خود بھی نیچے اتر آیا یہاں تک کہ دونوں کے درمیان صرف پانی کا دھارا باقی رہ گیا۔ اس کی چوڑائی بیس فٹ کے قریب تھی۔ پانی کا شور اتنا بلند تھا کہ اب بھی وہ ایک دوسرے سے بات نہ کر سکتے تھے کسان نے کاغذ کا ایک ٹکڑا لیا، اس پر کچھ لکھا، اسے ایک پتھر پر لپیٹا اور ہیریڈو کی طرف پھینک دیا۔ ہیریڈو نے جھک کر اسے اٹھایا، کاغذ کو پتھر سے الگ کیا۔ اس پر لکھا تھا،

"میں نے ایک آدمی کو بتا دیا ہے وہ تمہارے پاس آ رہا ہے، مجھ سے کیا چاہتے ہو؟"

ہیریڈو نے پنسل یا قلم کے لیے جیبیں ٹٹولیں تو اسے صرف ایک لپ سٹک ہاتھ آئی۔ کاغذ چھوٹا تھا، لپ سٹک سے پوری بات نہ لکھی جا سکتی تھی۔ اس نے آدمی کو اشارے سے بتلایا کہ لکھنے کے لیے اس کے پاس کچھ نہیں ہے۔ تب اس آدمی نے اپنا نیلے اور سفید رنگ کے چیک والا رومال نکالا، اس میں اپنا بال پوائنٹ اور ایک پتھر باندھ کر دریا کے اس پار پھینک دیا۔ ہیریڈو نے اسے اٹھایا اور ایک پتھر پر بیٹھ کر کانپتے ہاتھوں سے اس پر لکھا،

"میں اس طیارے کا مسافر ہوں جو پہاڑوں میں گرا تھا۔ یوراگوے کا رہنے والا ہوں۔ ہم دس دنوں سے چل رہے ہیں۔ میرے ساتھ ایک اور ساتھی بھی ہے جو زخمی ہے۔ جہاز میں ابھی بھی چودہ زخمی باقی ہیں۔ ہمیں فوری طور پر یہاں سے نکلنا ہے لیکن نہیں جانتے کہ کس طرح۔ ہمارے پاس کھانے کو کچھ نہیں۔ ہم نڈھال ہو چکے ہیں۔ تم ہمیں لینے کب آرہے ہو؟ ہماری مدد کرو۔ ہم سے تو چلا بھی نہیں جاتا۔ ہم ہیں کہاں؟"

یہ لکھ کر اس نے لپ سٹک سے سرخ رنگ میں اس پر SOS کے الفاظ (یعنی SAVE OUR SOULS ہماری جانیں بچاؤ) کا اضافہ کر دیا۔ اس کاغذ کو اس نے ایک پتھر پر لپیٹا، اس پتھر کو رومال میں رکھ کر باندھا اور دریا کے پار پھینک دیا۔

پیرڈو نے کسان کو کاغذ اٹھاتے ہوئے دیکھا اور دعا کی وہ اس کی تحریر سمجھ لے۔ کسان نے کاغذ پڑھا، پیرڈو کی طرف دیکھ کر ہاتھ ہلایا، ایک ڈبل روٹی اس کی طرف پھینکی اور خود اوپر چڑھنے کے لیے مڑ گیا۔ پیرڈو نے بھی یہی کیا۔ وہ کنارے پر چڑھا اور ڈبل روٹی ہاتھ میں پکڑے کینیسا کی طرف آیا۔ اس کے ہاتھ میں اس بات کی زبردست علامت تھی کہ آخر کار وہ بیرونی دنیا سے رابطہ پیدا کرنے میں کامیاب ہو گئے ہیں۔

"کینیسا! دیکھ میں کیا لایا ہوں!" پیرڈو نے کہا

کینیسا نے اپنا بیضوی چہرہ پیرڈو کی طرف موڑا، ڈبل روٹی پر نظریں گاڑتے ہوئے پوچھا، "کیا ہم بچ گئے؟"

"ہاں! ہم بچ گئے۔" پیرڈو نے جواب دیا۔ پھر ڈبل روٹی کو دو ٹکڑوں میں بانٹتے ہوئے بولا، "آؤ، ناشتہ کریں۔"

"نہیں۔ بس تم ہی کھاؤ۔ میں نے کیا کیا ہے۔ میں اس کا مستحق نہیں ہوں۔"

"چلو، چلو ـــــ کھاؤ۔ تم مستحق ہو یا نہیں لیکن تمہیں اس کی ضرورت تو ہے۔" پیرڈو نے یہ کہتے ہوئے ڈبل روٹی کا ٹکڑا کینیسا کی طرف بڑھایا۔ اس دفعہ اس نے انکار نہیں کیا دونوں نے ڈبل روٹی کھائی۔ زندگی میں سوکھی ڈبل روٹی کبھی اتنی لذیذ نہیں رہی تھی۔

دو تین گھنٹے بعد تقریباً نو بجے انہوں نے دریا کے اس طرف ایک اور آدمی دیکھا جو گھوڑے پر سوار انہی کی طرف آرہا تھا۔ پیرڈو تیزی سے اٹھا اور اس کی طرف بڑھا۔ گھڑ سوار

نے بڑے تحمل سے اس طویل قامت شخص کو دیکھا جس کی شیو بڑھی ہوئی تھی، حلیہ بگڑا ہوا تھا اور جو غلیظ کپڑوں کے کئی سوٹوں میں ملبوس تھا۔ وہ پیریڈو کے پیچھے پیچھے چلتا اس جگہ پہنچا جہاں کینیسا لیٹا ہوا تھا۔ دونوں جلدی جلدی اسے اپنی رام کہانی سنانے لگے۔ گھڑسوار سپاٹ چہرے کے ساتھ ان کی گفتگو سنتا رہا۔ جب اسے بولنے کا موقع ملا تو پہلے اس نے اپنا تعارف کروایا۔ اس کا نام آرمینڈو سردا تھا۔ اسے بتایا گیا تھا کہ دریا کنارے پورا گوئے کے دو شخص پڑے ہیں۔ وہ توقع کر رہا تھا کہ دونوں کافی اوپر ہوں گے اور اس کا خیال تھا کہ وہ سہ پہر تک اوپر جا کر انہیں لے آئے گا لیکن انہیں یہاں پڑے دیکھا تو ان کی طرف آگیا۔ جس کسان نے انہیں دیکھا تھا وہ خود پونٹی نیگرو گیا تھا، پولیس کو اطلاع دینے۔

پیریڈو اور کینیسا دیکھ رہے تھے کہ ان کے سامنے کھڑا ہوا کسان انتہائی غریب ہے اس کے کپڑے ان کے لباس سے بھی زیادہ خراب تھے لیکن انہیں یہ امید ضرور تھی کہ وہ کسان چاہے کتنا ہی غریب کیوں نہ ہو، اس کے پاس ان چیزوں میں سے کوئی ضرور ہوگی جو اس وقت دنیا کے کسی خزانے سے بھی زیادہ قیمتی تھی اور واقعی جب دونوں نے اسے بتایا کہ دونوں بھوک کے مارے مر رہے ہیں، کسان نے اپنی جیبیں ٹٹولیں اور کچھ پنیر نکال کر انہیں دیا ۔۔۔ پنیر لے کر وہ اتنے خوش ہوئے کہ انہیں خیال بھی نہ آیا کہ گھڑ سوار شخص ان کے قریب سے چلا گیا ہے۔ اس نے ایک نظر چرتی ہوئی گایوں کو دیکھا پھر کھیتوں میں بہتے پانی کا رخ بدلنے کے لیے ایک کھالے کی مٹی درست کرنے لگا۔ اس دوران پیریڈو اور کینیسا نے پنیر کھایا اور آرام کرنے لگے۔ سردا کے واپس آنے سے پہلے انہوں نے اپنے تھیلوں سے گوشت نکالا اور اسے ایک پتھر کے نیچے چھپا دیا۔ ڈبل روٹی اور پنیر ان کے حلق سے نیچے اترتے ہی وہ کراہت لوٹ آئی تھی جو انہیں انسانی گوشت کھاتے ہوئے شروع میں محسوس ہوئی تھی۔

تقریباً گیارہ بجے کسان نے کھیتوں کا کام ختم کیا اور ان کی طرف لوٹا۔ کینیسا چلنے کے قابل نہ تھا چنانچہ اسے گھوڑے پر بٹھایا گیا اور تینوں دریا کی طرف چلنے لگے۔ جب وہ دو دریاؤں کے سنگم پر پہنچے تو سردا نے کینیسا کو نیچے اترنے کو کہا۔ اس نے دونوں کو ایک پل دکھایا جو پیدل چلنے والوں کے لیے بنایا گیا تھا۔ سردا نے انہیں پل کے ذریعے پار اترنے

آتش فشاں نگوریریگا

لاس مینیز

آخری مہم
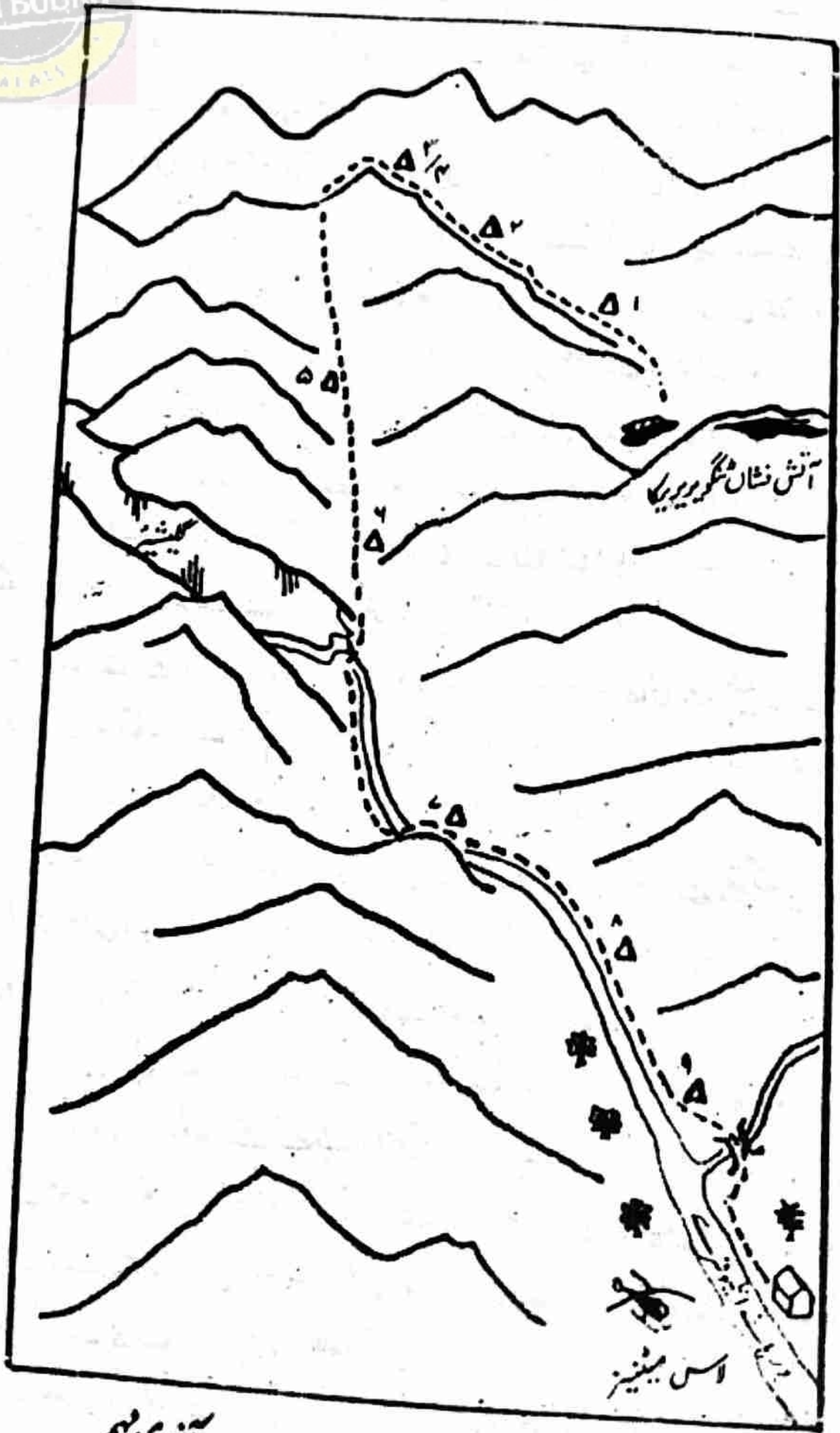
کو کہا اور خود گھوڑا لے کر دریا کے ساتھ ساتھ اوپر چلا گیا۔ کسی مناسب جگہ سے اس نے دریا پار کیا اور چکر کاٹ کر ان سے آن ملا۔ کینیسا کو پھر گھوڑے پر بٹھایا گیا اور تینوں پھر نیچے کی طرف چل پڑے۔ آگے ایک چراگاہ آئی جس میں انہیں حادثے کے بعد نظر آنے والا پہلا انسانی گھر دکھائی دیا۔ یہ معمولی قسم کی ایک حویلی تھی جس کی دیواریں لکڑی اور بانسوں سے بنائی گئی تھیں اور جس کی چھت پر درختوں کی شاخیں اور پتے ڈال دیے گئے تھے۔ پیریڈو اور کینیسا کے لیے یہ کسی محل سے کم نہ تھی۔ کینیسا گھوڑے سے اترا تو سبز سبز گھاس اور جنگلی پھولوں کی خوشبو سے مدہوش ہو گیا۔ گھڑسوار انہیں اندر صحن میں لے گیا جہاں ایک اور کسان موجود تھا۔ اس سے ان کا تعارف کروایا۔ نیا شخص انرلیق گنزالیز تھا جو تھوڑی دیر میں ان کے لیے تازہ دودھ اور پنیر لے آیا۔ سرداخود چولہے میں مصروف ہو گیا۔ تھوڑی دیر میں وہ لوبیا پکا کر لایا اور پلیٹوں میں ڈال ڈال کر انہیں دیا۔ اس نے چار مرتبہ ان کی پلیٹیں بھریں اور حیرت سے انہیں دیکھتا رہا جو تیزی سے ہر چیز نگلے جا رہے تھے دونوں ایسے کھا رہے تھے جیسے اس سے پہلے انہوں نے کبھی کوئی چیز نہ کھائی ہو۔ انہیں اپنے معدوں کا کچھ خیال نہ تھا۔ لوبیے ختم کر کے وہ مکرونی کی طرف متوجہ ہوئے جس پر گائے کے گوشت کے ٹکڑے بکھرے ہوئے تھے، پھر ڈبل روٹی کھائی اور پھر پلیٹیں چاٹنے لگے۔

کھانا دے کر دونوں کسان جھونپڑی کے ایک کونے میں بیٹھ گئے تھے لیکن پیریڈو اور کینیسا نے انہیں اپنے ساتھ بیٹھنے کو کہا اور پھر کھانے پر پل پڑے۔ کسان انہیں حیرت سے دیکھتے رہے لیکن وہ ان کی پروا کئے بغیر کھاتے چلے گئے ــــ جب ان میں کھانے کی اور گنجائش باقی نہ رہی تو کسان انہیں حویلی کے دوسرے کونے میں بنے ایک کمرے میں لے گئے۔ یہ غالباً زمیندار کا کمرہ تھا۔ جب کبھی وہ معائنے کے لیے آتا ہوگا اس کمرے میں آرام کرتا ہوگا۔ اس میں دو بستر لگے ہوئے تھے۔ پیریڈو اور کینیسا گذشتہ رات بھی نہیں سو سکے تھے۔ دس دنوں سے وہ دنیا کے بلند ترین پہاڑی سلسلوں میں سفر کرتے رہے تھے، اپنے شرمیلے میزبانوں کا زبردست شکریہ ادا کرتے ہوئے وہ بستروں میں گھس گئے۔

یہ اکیس دسمبر، جمعرات کا دن تھا، انڈیز کے پہاڑوں میں فیر چائلڈ کے حادثے کے بعد سترواں روز۔

۱۱

خوش خبری

ادھر ۲۰ دسمبر بدھ کے روز، یوراگوئے فضائیہ کا 571-F طیارہ دو بجے سہ پہر مونٹی ویڈو کی طرف روانہ ہوا۔ جب وہ کیوریکو پر پرواز کر رہا تھا تو پائلٹوں کو بتایا گیا کہ انیڈیز پہاڑوں پر ارجنٹینا کی طرف موسم خراب ہے۔ یہ اطلاع ملنے پر طیارہ واپس سانٹیاگو آ گیا۔ جہاز کے تینوں مسافر کینیسا ہارلے اور نکولچ ہوائی اڈے پر ہی انتظار کرتے رہے۔ شام پانچ بجے انہیں بتایا گیا کہ موسم صاف ہے۔ جہاز نے ٹیک آف کیا، پہلے کیوریکو کی جانب گیا اور وہاں سے مشرق کی طرف مڑتے ہوئے پلینچون کا رُخ کیا لیکن ارجنٹینا پہنچتے ہوئے جہاز کو پھر جھٹکا لگا اور اس کے ساتھ ہی ایک بار پھر اس کا ایک انجن بند ہو گیا ــــ پائلٹوں کے پاس اس کے سوا اور کوئی چارۂ کار نہ تھا کہ وہ سان ریفائیل کے اڈے پر ایمرجنسی لینڈنگ کریں۔ یہ جگہ مینڈوزا سے ۸۵ میل جنوب میں تھی۔ تینوں والدوں نے رات ارجنٹینا کے اسی قصبے میں بسر کی۔ صبح انہیں بتایا گیا کہ جہاز کی مرمت کے لیے چند فالتو پرزوں کی ضرورت ہے اور وہ مونٹی ویڈو سے آئیں گے۔ تینوں نے پہلے تو یہی سوچا کہ اپنا سفر جاری رکھنے کے لیے وہ کوئی اور ذریعہ اختیار کریں لیکن پھر پائلٹوں کے خیال سے یہ ارادہ ملتوی کر دیا۔ دونوں پائلٹ فیرچائلڈ کے پائلٹوں فیرہداس اور لیگوریرا کے دوست تھے اور دل سے ان کی مہم میں شامل تھے۔ انجن کی بار بار خرابی سے وہ بھی جھنجھلائے ہوئے تھے لیکن اس میں ان کا کوئی قصور نہ تھا۔

جہاز کی مرمت ہونے تک انہیں وہیں ٹھہرنا تھا۔ فیصلہ ہوا کہ ریفائیل پولس ڈی لیون کی معرفت وہ اپنے گھروں سے بات چیت کریں۔ ریڈیو تنصیبات کے شوقین ایک لڑکے کی معرفت انہوں نے ریفائیل سے بات کرنا چاہی تو چلی کے دوسرے ریڈیو سٹیشن آڑے آ گئے جن کی نشریات بار بار مداخلت کرتی تھیں لیکن اسی گھوں گھوں، شوں شوں کے درمیان انہوں نے کسی ریڈیو سے نشر ہونے والی یہ خبر سنی، "ناقابل یقین ــــ مگر سچ کہ کھویا ہوا جہاز مل گیا ہے۔" اس ایک فقرے کے بعد پھر نشریات آپس میں گڈمڈ ہو گئیں۔

کچھ دیر بعد ریفائیل سے ان کا رابطہ ہو گیا جسے بتایا گیا کہ جہاز میں خرابی کی وجہ سے وہ اس قصبے میں ٹھہرے ہوئے ہیں اور جہاز کی مرمت ہوتے ہی وہ گھروں کی طرف روانہ ہو جائیں گے۔ ریفائیل نے وعدہ کیا کہ یہ پیغام ان کے گھروں تک پہنچا دیا جائے گا۔ اس پیغام سے پہلے ہی کینیسا کو یہ پتہ چل چکا تھا کہ اسی شام ایک بس ہیونس آئرز جا رہی ہے چنانچہ ریڈیائی پیغامات کے تبادلوں کے بعد وہ باقی دو ساتھیوں سے ملا اور بذریعہ بس ہیونس آئرز کی طرف روانہ ہو گیا۔

اسی سہ پہر پئیر ولارو اور روڈریگو نیر ایسکیلیڈا مونٹی ویڈو جانے کے لیے ایک قصباتی ہوائی اڈے پر پہنچے۔ سامان بک کروانے اور کسٹم کے مراحل سے گذرنے کے لیے وہ ایک قطار میں کھڑے ہو گئے لیکن جب بھی قطار کے لوگ آگے بڑھتے پئیر ولارو اپنے سے پیچھے والوں کو آگے گذار دیتا اور خود وہیں کھڑا رہتا۔ ایسکیلیڈا نے پوچھا کہ اس کے جانے کے ارادے بھی ہیں یا نہیں۔ ولارو نے بتایا کہ اسے کسی چیز کا انتظار تھا، وہ چلے۔ پھر جب مسافروں کے لیے آخری اعلان ہوا تو وہ آدمی پہنچ گیا جس کا انتظار تھا۔ وہ گھنے دار بالوں والا ایک چھوٹا پلا لے کر آیا تھا۔ ولارو نے اپنی بیٹیوں سے وعدہ کیا تھا کہ کرسمس پر وہ انہیں اس کتے کا تحفہ دے گا جانوروں کو مسافروں کے کیبن میں لے جانے کی اجازت نہیں تھی اس لیے ولارو نے اس پلے کو اپنے کوٹ کے نیچے چھپایا اور آگے بڑھ کر اپنا سوٹ کیس میزان پر رکھ دیا۔ اپنا بورڈنگ کارڈ لیا اور کسٹم کے مراحل سے گذرنے کے بعد انتظار گاہ کی طرف بڑھنے لگا جہاں سے رن وے کو راستہ جاتا تھا۔ وہ پلے کو چھپا کر لے آنے پر مسرور تھا اور خود کو اس کامیابی پر مبارکباد دے رہا تھا کہ لاؤڈ سپیکروں پر یہ اعلان ہوتا سنائی دیا، "ہم انٹرنیشنل پولیس کی طرف سے بول رہے ہیں، یہ اعلان انٹرنیشنل پولیس کی طرف سے ہے۔ کارلوس پئیر ولارو کو روک لیا جائے۔ پئیر ولارو کو روک لیا جائے۔"

اس کا چہرہ اتر گیا "ضرور کسی نے مجھے پلا لاتے ہوئے دیکھ لیا ہے۔" اس نے سوچا۔ وہ خود ہی پولیس کے ایک سپاہی کی طرف بڑھا اور بولا، "میں ہی کارلوس پئیر ولارو ہوں۔"

پولیس مین آدمیوں کی بھیڑ میں راستہ بناتا اسے پولیس کے دفتر لے گیا لیکن وہاں ہتھکڑیوں کی بجائے ٹیلیفون اس کا منتظر تھا۔

"کیا ہے؟" ولارو نے پوچھا۔

"معلوم نہیں۔ انتہائی ضروری فون بتایا گیا ہے۔" پولیس آفیسر نے فون کا چونگا اس کی طرف بڑھا دیا بچے کو بغل میں چھپائے چھپائے اس نے فون تھاما اور بولا،

"میں پئیرز ولارو بول رہا ہوں۔"

"یہ تم ہو۔ کاریٹوس پئیرز ولارو؟" دوسرے سرے پر کرنل موریل بول رہا تھا۔

"ہاں، ہاں۔ میں ہی ہوں۔ یہ وقت ہے فون کرنے کا؟ جہاز چھوٹنے کو ہے۔ میں تم سے کرسمس کے بعد ملوں گا۔" ولارو نے زچ ہوتے ہوئے کہا۔

"اچھا ٹھیک ہے۔ معذرت خواہ ہوں تمہیں خواہ مخواہ روکا۔ میں نے تو صرف اس لئے فون کیا تھا کہ اتنی تگ و دو کی ہے تم نے ان لڑکوں کی تلاش میں تو شاید تم اگر ان سے ملنا پسند کرو۔"

پئیرز ولارو ہکا بکا رہ گیا۔ پلا اس کی بغل سے نکل کر فرش پر گر گیا۔ کرنل موریل کی گفتگو جاری تھی، "شاید اس تحریر کو سمجھنے میں تم میری کوئی مدد کر سکو۔ یہ جعلی بھی ہو سکتی ہے لیکن میرے خیال میں اصلی ہے۔ لکھا ہے،

"میں اس جہاز کا مسافر ہوں جو پہاڑوں پر گر گیا تھا۔ یوراگوئے کا رہنے والا ہوں......"

آنکھوں میں آنسو لیے ولارو پولیس کے دفتر سے نکلا اور رن وے کی طرف بھاگا جہاں جہاز جانے کے لیے تیار کھڑا تھا۔ صرف اسی کا انتظار تھا۔ وہ چلاتے ہوئے بھاگ رہا تھا، "رولو، رولو، لڑکے مل گئے ہیں، میں رک رہا ہوں، تم بھی آؤ۔"

چند لمحوں میں الیکیلیڈا اس کے سامنے تھا۔ روتے ہوئے دونوں بغل گیر ہو گئے، پھر واپس بھاگے۔ وہ روتے جاتے تھے اور اپنے پاسپورٹ پر مزید اندراج کروانے کے لیے جلدی مچا رہے تھے۔ کسٹم اور امیگریشن کے افسر حیران ہو ہو کر انہیں دیکھ رہے تھے ایک پولیس مین نے دوسرے سے پوچھا، "یہ کیا بدتمیزی ہے؟" وہ ان کی طرف بڑھ رہا تھا کہ دوسرے نے اسے روک لیا۔ "انہیں چھوڑ دو۔ کرنے دو جو کر رہے ہیں۔ یہ وہی دیوانہ ہے جس کا بیٹا اس طیارے میں تھا جو اینڈیز کے پہاڑوں میں گر گیا تھا۔"

ضروری مراحل طے کر کے دونوں ٹیکسی سٹینڈ پر پہنچے تو انہیں احساس ہوا کہ ان کے پاس تو چلی کی کرنسی ہی نہیں ہے۔ انہوں نے ایک ٹیکسی ڈرائیور سے پوچھا،

"تو تم ہمیں سان فرینینڈو لے چلو گے ؟"

"ہوں ۔ بڑی دور ہے ؟"

"انہیں میرا بیٹا مل گیا ہے ۔ وہی جو جہاز میں تھا ، جو اینڈیز کے پہاڑوں پر گر گیا تھا ۔"

"ہاں ۔ ہاں ۔ اچھا تو تم وہی ہو —— ٹھیک ہے بیٹھو ۔"

"ہمارے پاس پیسے نہیں ہیں ؟"

"فکر نہ کرو ۔ بیٹھو"

دونوں ٹیکسی میں بیٹھ گئے —— تین گھنٹے بعد وہ سان فرینینڈو پہنچے تو فوجی دستوں کے ہیڈ کوارٹر میں کرنل موریل ہی نہیں ، وہ بہت سے لوگ بھی جمع تھے جو تلاش میں ان کی مدد کرتے رہے تھے ۔ شہری ، دیہاتی ، ریڈیو کے شوقین جنہوں نے اب تک یہ خبریں چاروں طرف پھیلا دی تھیں ، گائیڈ ، مقامی کلبوں کے سکاؤٹس ، پائلٹ اور وہ سپاہی جو انتہائی بے لوثی کا مظاہرہ کرتے ہوئے ان کے بچوں کو اینڈیز کے بلند پہاڑوں میں ڈھونڈتے پھرے تھے ۔

جب ولارو کو اپنے خیر خواہوں کی مبارک باد وصول کرنے سے فرصت ملی تو کرنل موریل اسے ایک دفتر میں لے گیا اور وہ تحریر دکھائی جو پیونٹی نیگرو سے وصول ہوئی تھی ۔

"کیا خیال ہے تمہارا ۔ تحریر اصلی ہے ؟" کرنل نے پوچھا ۔

پئیز ولارو نے بڑے غور سے تحریر کا مطالعہ کیا ۔ شروع شروع میں تو اسے یہ جعلی ہی لگی ۔ اس سے پہلے بھی اسے ٹیلیفون پر کئی جھوٹے پیغام ملے تھے جنہیں سن کر وہ دیوانگی کے عالم میں ادھر سے ادھر مارا مارا پھرتا رہا تھا ۔ اب اسے ایک تحریر دکھائی گئی تھی جس پر کسی کے دستخط نہ تھے ۔ تحریر صاف ستھری اور خوبصورت تھی اور کسی ایسے آدمی کی نہ لگتی تھی جس نے ستر دن اینڈیز کے پہاڑوں میں کسمپرسی کی حالت میں گذارے ہوں ۔

"میں کچھ کہہ نہیں سکتا ۔ یہ جعلی بھی ہو سکتی ہے —— لیکن شاید لڑکوں ہی میں سے کسی نے لکھی ہو ۔"

ہیڈ کوارٹر میں ایک کمیٹی ترتیب دی جا چکی تھی جس کا سربراہ خود کرنل موریل تھا کمیٹی کے دوسرے ارکان میں سان فرینڈو کا میئر، مقامی فوجی دستوں کا کمانڈر اور پولیس کا سربراہ شامل تھا۔ دلارو کو بھی کمیٹی کا رکن نامزد کرتے ہوئے کرنل موریل نے کہا،

"اتنی بھاگ دوڑ کرتے رہے ہو۔ اب تم آرام سے نہیں بیٹھ سکتے۔"

ادھر سان ریفائیل میں آدھی رات کے وقت ہارلے اور نکو لیچ نے مونٹی ویڈو میں پونس ڈی لیون سے رابطہ قائم کیا تو انہیں بتایا گیا کہ سان فرینڈو پولیس کو ایک تحریر دی گئی ہے جس کے بارے میں کہا جا رہا ہے کہ حادثے میں بچ رہنے والوں میں سے کسی کی تحریر ہے۔ یہ سنتے ہی دونوں بے تاب ہو گئے وہ فوراً ہی چلی پہنچنا چاہتے تھے۔ لیکن رات کے اس حصے میں وہ کیا کرتے، کہاں جاتے۔ جس گھر سے انہوں نے پونس ڈی لیون سے رابطہ قائم کیا تھا، وہیں سے ایک لڑکا یہ خبریں سنتے ہی باہر بھاگ گیا تھا۔ وہ آدھ گھنٹے کے بعد لوٹا تو قصبے کے میئر کی کار لے آیا تھا۔ دونوں کا سامان سان ریفائیل کے ہوائی اڈے پر کھڑے 47 — C طیارے میں پڑا تھا۔ لیکن انہیں اس کا ہوش ہی کہاں تھا۔ وہ گاڑی میں بیٹھے اور فوراً مینڈوزا کی طرف روانہ ہو گئے۔ چار بجے صبح وہاں پہنچے تو سیدھے فوجی ہوائی اڈے پر گئے۔ ان کے پاس پیسے نہیں تھے۔ انہوں نے فوجی افسران کو پوری صورتِ حال بتائی تو وعدہ کیا گیا کہ انہیں چلی جانے والی پہلی پرواز سے روانہ کر دیا جائے گا۔

باقی رات انہوں نے بیٹھے بیٹھے آنکھوں میں کاٹ دی بالآخر صبح ایک کارگو جہاز اترا جو یخ بستہ گوشت لے کر سانٹیاگو جا رہا تھا۔ آدھ گھنٹے بعد جہاز دوبارہ اڑا تو ہارلے اور نکو لیچ بھی اس میں سوار تھے۔

اسی صبح ڈاکٹر کینیسا بیونوس آئرز پہنچا۔ وہ پوری رات بس میں سفر کرتا رہا تھا۔ یہاں پہنچ کر اس نے ایک دوست کے گھر جانے کا فیصلہ کیا کہ ہاتھ منہ دھو کر تھوڑا آرام کر لے تو مونٹی ویڈو کے سفر پر چلے۔ وہ بسوں کے اڈے

سے باہر آیا، ٹیکسی پکڑی اور پچھلی نشست پر دراز ہو گیا۔ ٹیکسی شہر کی سڑکوں پر روانہ ہوئی تو ریڈیو پر موسیقی کی کوئی دھن لگی ہوئی تھی۔ ڈرائیور ریڈیو کی آواز آہستہ کرتے ہوئے تھوڑا سا پیچھے مڑا اور بولا،

"آپ نے خبریں سنی ہیں؟ وہ جہاز مل گیا ہے!"

"کون سا جہاز؟"

"وہی یوراگوئے کا جہاز۔ فیرچائلڈ!"

اور اس سے پہلے کہ ٹیکسی ڈرائیور کچھ اور کہتا، اس نے دیکھا کہ اس کا مسافر اس کی برابر والی نشست پر آن براجا ہے اور ریڈیو کے سوئچ گھما رہا ہے۔

"تمہیں یقین ہے؟" ڈاکٹر کینیسا نے پوچھا۔

"ہاں، ہاں، یقینی بات ہے۔"

"کوئی زندہ بھی بچا ہے؟"

"دو لڑکے ہیں۔"

"ان کے نام بتائے گئے ہیں؟"

"نام..... مم م..... ہاں بتائے تو گئے ہیں۔ لیکن مجھے یاد نہیں۔"

عین اس وقت ڈاکٹر کینیسا نے ہاتھ کے اشارے سے ڈرائیور کو چپ ہو جانے کو کہا۔ اسے ایک ریڈیو سٹیشن مل گیا تھا جس پر خبریں آ رہی تھیں،

"کولشاگوا کے صوبے میں، دریائے ازلیوفر کے کنارے، لاس میٹنیز کے مقام پر دو لڑکے ملے ہیں جو اینڈیز میں گرنے والے یوراگوئے کے جہاز فیرچائلڈ میں سفر کر رہے تھے۔ ان کے نام فرنینڈو پیراڈو اور رابرٹو کینیسا ہیں۔"

آخری لفظ سنتے ہی ڈاکٹر کینیسا کی آنکھوں سے اشکوں کا ایک سیلاب ابل پڑا، خوشی سے نعرہ لگاتے ہوئے اس نے ٹیکسی ڈرائیور کو بھینچ کر گلے لگا لیا جو ڈاکٹر کی اس حرکت پر بوکھلا کر ہچکولے لیتی گاڑی کو سنبھالنے کی کوشش کر رہا تھا۔

۱۲

جنگل کی آگ

مہم جو پیریڈو اور کینیا شام سات بجے سو کر اٹھے وہ کمرے سے باہر وادی میں آئے جو مدھم مدھم روشنی میں دمک رہی تھی۔ سبزے کی طراوٹ اور پھولوں کی خوشبو نے انہیں مدہوش کر دیا۔ انہوں نے سینے پھلا پھلا کر گہرے گہرے سانس لیے اور کسانوں کی جھونپڑی کی طرف چل دیے جو پہلے سے ان کے منتظر تھے۔ دوپہر جو کچھ انہوں نے کھایا تھا، ہضم ہو چکا تھا اور اب پھر کچھ کھانے پینے کے لیے بے تاب تھے۔ کسانوں نے انہیں دودھ، پنیر، سالن، اور کافی لا کر دی۔

کھانا کھاتے ہوئے انہوں نے پوچھا کہ پولیس کو اطلاع کرنے کون گیا ہے۔ انہیں بتایا گیا کہ کیٹیلان مارٹینیز پولیس کی طرف گیا ہے۔ اسی نے انہیں پہلے پہل دیکھا تھا لیکن وہ سمجھا کہ سیاحوں کا کوئی جوڑا ہے جو شکار کے لیے آیا ہوا ہے وہ کینیا کو پیریڈو کی بیوی سمجھا تھا اور جو چھڑیاں انہوں نے اٹھائی ہوئی تھیں اس نے انہیں ہرن مارنے کی رائفلیں سمجھا تھا۔

"لیکن تمہیں یقین ہے وہ پولیس سٹیشن گیا ہے؟" دونوں نے پوچھا۔

"ہاں۔ ہاں۔ پولیس سٹیشن۔"

"قریب ترین چوکی یہاں سے کتنی دور ہے؟"

دونوں کسانوں نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا پھر بولے، "ہیونٹی نیگرو میں ہے یہ چوکی۔"

"یہاں سے کتنی دور ہے؟" اصرار کیا گیا۔

دونوں نے پھر بے یقینی سے ایک دوسرے کو دیکھا، پھر ایک بولا،

"بیس میل تو ہو گی۔"

"پچاس میل" دوسرے نے لقمہ دیا۔

"ایک دن کا سفر ہے۔"

"ایک دن سے کم کا ہے۔"
"پیدل سفر؟" پیریڈو نے وضاحت چاہی
"گھوڑے پر گیا ہے؟"
"ہاں، گھوڑے پر۔"
"اور قریب ترین قصبہ کتنی دور ہے؟"
"سان فرنینڈو؟"
"ہاں، سان فرنینڈو۔"
"دو دنوں کی مسافت پر ہے۔" ایک نے رائے ظاہر کی۔
"ہاں۔ دو دن کا راستہ تو ہے۔" دوسرے نے اتفاق کیا۔
"گھوڑے پر؟"
"ہاں، گھوڑے پر۔"

ان کی بے صبری اپنے لئے نہیں بلکہ ان ساتھیوں کے لیے تھی جو ابھی تک جہاز میں موجود تھے اور جن کا ایک ایک لمحہ امداد کے انتظار میں گذر رہا تھا۔ رائے، کوشنے اور موبچو کی حالت ٹھیک نہیں تھی اور گذرنے والا ہر لمحہ ان کی زندگی اور موت کے لیے فیصلہ کن لمحہ تھا

اچانک وادی کی طرف سے ایک شور سنائی دیا۔ پیریڈو دروازے کی طرف لپکا، کینیسا نے اس کی پیروی کی۔ دور ہانپتا کانپتا ایک رضا کار کاندھے پر رسہ اٹھائے بھاگا چلا آ رہا تھا۔ اس کے پیچھے ایک اور رضا کار تھا۔ وہ جھونپڑی تک پہنچے اور پھولتی ہوئی سانسوں کے درمیان پوچھا،

"کدھر ہے جہاز؟"

پیریڈو آگے بڑھا اور وادی کے اوپر کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بولا، "ادھر، پچاس ساٹھ میل اوپر جاؤ۔ وہاں چوٹیوں پر پہنچ کر دائیں مڑ جانا، پھر چلتے رہنا یہاں تک کہ ایک بلند ترین پہاڑ آئے۔ اسی پہاڑ کے پیچھے جہاز پڑا ہے۔"

رضا کار اسے تعجب کی نظروں سے دیکھتے ہوئے زمین پر بیٹھ گیا۔
"کوئی اور بھی آ رہا ہے یا نہیں؟" پیریڈو نے پوچھا۔
"ہاں، ہاں۔ ایک گشتی دستہ راستے میں ہے۔"

تھوڑی دیر بعد ہی گھڑسواروں پر مشتمل دس رضا کاروں کا ایک دستہ وہاں پہنچ گیا۔ انہوں نے پی کیپ اور گریٹ کوٹ پہنے ہوئے تھے اور کاٹھیوں سے رسے باندھے ہوئے تھے۔ ان کے پیچھے پیچھے گھوڑے پر سوار، کیٹیلان چلا آرہا تھا۔ پیریڈ و نے اپنی تحریر اسی کی طرف پھینکی تھی۔ پیریڈو اور کینیسا نے آگے بڑھ کر رضا کاروں کا استقبال کیا۔ کیٹیلان کو انہوں نے گلے لگایا جو کم گو تھا۔ اس نے بس مسکرانے پر اکتفا کیا۔ دونوں نے بھرپور الفاظ میں اس کا شکریہ ادا کیا تو وہ شرماسا گیا اور "شکر خدا ہی کو لائق ہے" کہتا ہوا دائیں بائیں دیکھنے لگا لیکن جب ان کی طرف سے شکریہ کلمات جاری رہے تو اس نے ہاتھ اٹھا کر انہیں روکا اور بولا،

"شکریہ کس بات کا؟ میں نے جو کچھ کیا چلی کے شہری اور خدا کا بیٹا ہونے کے ناطے میرا فرض تھا۔

رضا کاروں کے کیپٹن نے پیریڈو اور کینیسا سے جہاز کے محل وقوع کے بارے میں تفصیلات پوچھیں۔ پہلے ان کا خیال تھا کہ وہ گھوڑوں پر یا پیدل جاکر باقی لڑکوں کو لے آئیں گے لیکن ان کی زبانی ابتدائی کلمات سننے کے بعد ہی اس نے فوراً دو رضا کاروں کو پیونٹی نیگرو روانہ کیا اور ہدایات دیں کہ سانٹیاگو سے ہیلی کاپٹر منگوایا جائے۔

شام پڑ چکی تھی اور رات کا اندھیرا آہستہ آہستہ پھیل رہا تھا۔ پیریڈو اور کینیسا نے سوچا کہ اب تو کچھ نہیں کیا جاسکتا چنانچہ انہوں نے رضا کاروں سے باتیں کرنا شروع کر دیں لیکن جب رضا کاروں کے پھولے ہوئے تھیلے دیکھے تو تجسس بھری نظروں سے انہیں دیکھنے لگے۔ وہ ان کا مطلب سمجھ گئے اور ایک تھیلا ان کے سامنے الٹ دیا۔ بغیر کسی تردد کے انہوں نے دن کا تیسرا کھانا کھانا شروع کیا جو ابلے ہوئے انڈوں، ڈبل روٹیوں اور جوس کے ڈبوں پر مشتمل تھا۔ جی بھر کر کھانا تو کھا لیا گیا لیکن انسانوں بس لوٹ کر مسلسل باتیں کرنے کے باوجود ان کا دل نہیں بھرا تھا چنانچہ وہ رضا کاروں سے باتیں کرتے رہنے اور اپنی دکھ بھری داستان سناتے رہے۔ وہ بھی غور سے سنتے رہے۔ باتیں کرتے کرتے صبح کے تین بج گئے۔ تب کیپٹن نے سب کو سو لے کی ہدایت کی تاکہ صبح باقی لوگوں کو واپس لانے کے لیے سب تازہ دم ہوں۔ ہیلی کاپٹر سورج طلوع ہونے کے بعد کسی بھی وقت آسکتے تھے۔

دوسرے دن جب کینیسا اور پیریڈو اپنے کمرے سے باہر نکلے تو انہیں یہ دیکھ کر سخت مایوسی ہوئی کہ پوری وادی پر دھند کی ایک دبیز تہہ چھائی ہوئی ہے۔ انرلیق، آرمینڈو اور

رضا کاروں کا کپتان بھی مایوسی کے عالم میں کھڑا تھا۔

"ایسے میں ہیلی کاپٹر اتر سکتا ہے۔" پیریڈو نے پوچھا۔

"اتر تو سکتے ہیں لیکن انہیں پتہ کیسے چلے گا کہ ہم یہاں ہیں۔" کیپٹن نے جواب دیا۔

"صبر، صبر، یہ صبح کا دھند ہے اور زیادہ دیر نہیں رہے گی۔" کیٹیلان نے تسلی دی۔

پیریڈو اور کینیسا ناشتہ کرنے بیٹھ گئے جو ازیق اور آر بینڈو نے تیار کیا تھا۔ اپنے ساتھیوں کی مدد میں تاخیر سے انہیں مایوسی تو ہوئی تھی لیکن اتنی نہیں کہ وہ ناشتے سے لطف نہ اٹھا سکیں۔ ڈبل روٹی اور کافی انہیں آسمانی کھانا لگ رہا تھا جس میں دنیا جہان کی لذتیں سمٹ آئی تھیں۔ وہ ناشتہ ختم کرنے ہی والے تھے کہ دور وادی کی طرف سے انہیں ایک شور سنائی دیا، یہ ہیلی کاپٹروں کی آوازیں تو نہیں ہو سکتی تھیں۔ دونوں دروازے پر آئے۔ تھوڑی دیر بعد دیکھا کہ انسانوں کا ایک ہجوم ہے جو نعرے لگاتا، چیختا چلاتا ان کی طرف بڑھ رہا ہے۔ دونوں کسان، رضا کاروں کا کپتان اور یہ دونوں حیرت سے انہیں دیکھنے لگے۔ وہ سمجھے کہ شاید کسی وجہ سے کسانوں نے کوئی جلوس وغیرہ نکالا ہے لیکن قریب آئے تو دیکھا کہ وہ شہری کپڑوں میں ملبوس ہیں۔ انہوں نے سوٹ کیس اٹھائے ہوئے ہیں اور ہر طرح کے کیمرے ان کے شانوں پر، گلے میں، ہاتھوں میں لٹک رہے ہیں۔ بالکل قریب پہنچ کر وہ ان کی طرف لپکے اور پوچھا،

"کہاں ہیں جہاز کے مسافر، کہاں ہیں حادثے میں بچنے والے؟" اور پھر پیریڈو اور کینیسا کے حلیے سے انہیں پہچانتے ہوئے وہ ان کی طرف بڑھے۔

"مرکوریو، سانتیاگو" ایک نے اپنا تعارف کروایا۔

"بی بی سی لندن" دوسرے نے مائیکروفون ان کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا

ایک اور اپنا ٹیپ ریکارڈر آن کر رہا تھا۔ غرض صحافیوں اور فوٹو گرافروں کا ایک ہجوم تھا جو ان پر ٹوٹا پڑتا تھا۔ ان کی تعداد پچاس ایک کے قریب تو ہو گی۔

پیریڈو اور کینیسا نے مصیبت کے لمحات میں تھوڑی دیر کے لیے تو شاید سوچا تھا کہ اگر وہ زندہ بچ گئے تو واپس جا کر اپنے تجربات مونٹی ویڈیو کے کسی صحافی کو سنائیں گے جو شاید ان کی روئیداد چھاپنے کے لیے تیار ہو جائے لیکن انہیں اس کی توقع ہرگز نہ تھی کہ وہ سنسنی خیز خبروں کا موضوع بھی بن سکیں گے اور ان سے ملنے کے لیے صحافیوں کا اتنا

بڑا گر وہ دور دراز سے چلا آئے گا۔ وہ ذاتی کاروں ٹیکسیوں میں سفر کر کے سانتیاگو سے آئے تھے، انتہائی تنگ راستوں پر چلتے ہوئے اور بھر ٹیلیوژن کیمروں کے بوجھ سنبھالے کوئی ڈھائی گھنٹوں کا سفر انہوں نے پیدل طے کیا تھا۔

ہیرپڈو اور کینیسا تو خود باتیں کرنے کو ترسے ہوئے تھے۔ انہیں انٹرویو دینے میں کوئی عار نہ تھا۔ وہ ہنسی خوشی ان کے سوالوں کے جواب دیتے رہے اور اینڈیز پہاڑوں میں اپنے قیام کی تفصیلات سناتے رہے لیکن ان تفصیلات میں سے ایک دو باتیں انہوں نے جان بوجھ کر چھوڑ دی تھیں جن میں یہ بات شامل تھی کہ خود کو زندہ رکھنے کے لیے وہ کیا کھاتے رہے۔

رضا کاروں کے کپتان نے اس ہنگامی پریس کانفرنس میں مداخلت کرتے ہوئے دونوں کو باہر نکالا۔ دھند چھٹ چکی تھی لیکن ہیلی کاپٹروں کا کوئی پتہ نہ تھا چنانچہ اس نے فیصلہ کیا تھا کہ ان دونوں کو گھوڑوں پر سوار کر کے پیونٹی نیگرو بھیج دیا جائے۔ انہیں دو رضا کاروں کے ساتھ سوار کیا گیا اور کیمروں کی چکا چوند روشنیوں میں فوٹوگرافروں کی فرمائشیں پوری کرنے کے بعد وہ روانہ ہو گئے۔ تھوڑی دور ہی گئے ہوں گے کہ انہیں ہیلی کاپٹروں کی آوازیں سنائی دیں۔ جب ہیلی کاپٹر ان کے سروں پر پہنچے تو گھوڑے بدک گئے اور واپسی کا رخ کرتے ہوئے بگٹٹ بھاگے اور وہیں جا کر رکے جہاں سے چلے تھے، ادھر دریا کے پار ہیلی کاپٹر لینڈ کر چکے تھے۔

جب کرنل موریل نے لاس کیریلاس، سانتیاگو میں ایس اے آر کو اطلاع دی کہ فیرچائلڈ کے حادثے میں بچنے والے دو لڑکے ملے ہیں تو وہاں اس اطلاع پر شک و شبے کا اظہار کیا گیا۔ سان فرینڈو سے اس اطلاع کی تصدیق چاہی گئی لیکن اسی دوران فضائیہ کے دو پائلٹوں کارلوس گارشیا اور جارج میسا جو مہم کی تلاش میں شریک رہے تھے، کو متنبہ کر دیا گیا کہ وہ تیار رہیں۔ ۲۱ دسمبر جمعرات کو جب گارشیا کو بتایا گیا کہ ایک کسان ان میں سے ایک لڑکے کی تحریر لے کر آیا ہے تو اسے شک ہوا کہ کیٹیلان کو کوہ پیماؤں سے واسطہ پڑ گیا ہو گا جو فیرچائلڈ کی تلاش میں بھٹک رہے ہوں گے۔ بہر حال اس دن اور کچھ نہیں کیا جا سکتا تھا۔ اس نے حکم دیا کہ ہیلی کاپٹر تیار رکھے جائیں اور صبح چھ بجے وہ پرواز کر جائیں گے۔ رات کو اس اطلاع کی تصدیق ہو گئی کہ تحریر فیرچائلڈ کے حادثے میں بچنے والے ایک مسافر

لڑکے کی ہی ہے۔ کمانڈر پائلٹ گارشیا کو اس بات کا پتہ چلا تو اس نے خود ہیلی کاپٹروں کی قیادت کا فیصلہ کیا۔ دوسرا جہاز اس نے ملیسا کو دیا اور تیسرا لیفٹیننٹ اوریلا کو۔ معاون پائلٹوں کی بجائے اس نے دو مکینک ساتھ لیے۔ ایئر فورس کی ایک نرس، میڈیکل اردلی اور اینڈیز امدادی کلب کے تین ارکان بھی ساتھ رکھے گئے۔

داس کیر یلاس پر موسم خطرناک تھا۔ برفباری جاری تھی، زمین پر دھند کی کثیف تہہ چھائی ہوئی تھی۔ تین سو فٹ تک بمشکل دکھائی دیتا تھا۔ سات بجے تک موسم صاف ہونے کا کوئی امکان دکھائی نہ دیتا تھا چنانچہ سات بج کر دس منٹ پر پرواز کا حکم دے دیا گیا۔ ہیلی کاپٹر زمین کے ساتھ ساتھ نیچی پرواز کر رہے تھے۔ سان فرنینڈو میں وہ فوجی دستوں کے ہیڈ کوارٹر میں اترے جہاں کرنل موریل اور پیئز ولارو موجود تھے۔

"ہیں؟ تم؟ یہاں" کمانڈر گارشیا پیئز ولارو کو دیکھ کر سخت حیران ہوا، "تم نے فیرچائلڈ کی تلاش ابھی تک جاری رکھی ہوئی ہے؟"

اس نے مذاق میں یہ بات کہی تھی لیکن یہ بات طے تھی کہ فیرچائلڈ کے مسافروں میں ہی سے کچھ زندہ تھے۔ کسان کیٹیلان نے بتایا تھا کہ اس نے جس لڑکے سے بات کی تھی اس کی گفتگو میں یوراگوئے کا لہجہ نمایاں تھا۔ جو دو نام اس نے بتائے تھے، ان کی بھی تصدیق ہو گئی تھی کہ اس نام کے دو لڑکے جہاز کے مسافروں میں شامل تھے۔ کرنل موریل نے جو کمانڈ کمیٹی بنائی تھی، اس نے لڑکوں کی واپسی کا تفصیلی منصوبہ بنا لیا تھا۔

ہیلی کاپٹروں نے لاس ہیٹنیز جانا تھا جسے پہلے کیمپ کا نام دیا گیا تھا۔ پہلی کھیپ میں کرنل موریل ایک ڈاکٹر اور میڈیکل اردلی نے ساتھ جانا تھا۔ پیئز ولارو کو بھی ان میں شامل کیا گیا۔ لیکن اس نے ہیلی کاپٹروں میں جانے سے انکار کر دیا۔

"میری جگہ کسی ایسے آدمی کو لے جائیں جو وہاں کسی کام آئے۔ میں یہاں ٹھہر کر انتظار کروں گا۔" پھر امدادی پارٹی کے ایک رکن کی طرف متوجہ ہوتے ہوئے بولا، "اگر میرا بیٹا، کارلوس میگوئل نام ہے اس کا، زندہ ہو تو اسے یہ خط دے دینا۔ اور ہاں موریل تم میرے برفانی جوتے لے جاؤ۔ وہاں ان کی ضرورت ہو گی اور اس طرح میں بھی اس مہم میں شریک رہوں گا۔ تم میرے پیروں

سے چلو گے نا؟"

ہیلی کاپٹر روانہ ہوئے تو پہلے انہوں نے ٹنگویریریکا دریا کا رخ کیا اور پھر اس کے اوپر پہنچ کر وہ پہاڑوں کی طرف مڑ گئے۔ ان کے پاس تفصیلی چارٹس اور نقشے موجود تھے لیکن پہلی دفعہ وہ اس جگہ کو نہ دیکھ سکے جہاں دریائے اظیوفر ٹنگویریریکا سے جدا ہوتا ہے۔ وہ واپس آئے لیکن پھر بھی ناکام رہے۔ انہیں بتایا گیا تھا کہ دونوں دریاؤں کے سنگم سے دو میل کے فاصلے پر رضاکار موجود ہیں لیکن دھند کی وجہ سے نیچے کچھ دکھائی نہ دیتا تھا۔ ان کے پاس دو راستے تھے، یا تو واپس لوٹ جائیں اور یا کہیں اتر کر باہم مشورہ کریں۔ انہوں نے اترنے کو ترجیح دی اور دریا کے کنارے اتر گئے۔ جب انجنوں کا شور بند ہوا تو دریا کے دوسرے کنارے سے انہیں شور سنائی دیا۔ پائلٹ دریا کے کنارے آئے تو مخالف سمت سے ایک رضاکار نے ایک کاغذ پر کچھ لکھ کر پتھر پر لپیٹ کر پار پھینکا۔ اس میں بتایا گیا تھا کہ اتفاق سے وہ صحیح جگہ آ گئے ہیں بس دریا کے اس کنارے کی بجائے اِدھر آ جائیں۔ پائلٹ واپس گئے اور ہیلی کاپٹروں کو اس طرف لے آئے۔

کینسا کی حالت سخت خراب تھی۔ اتنے آرام کے باوجود اس پر نقاہت طاری تھی۔ چنانچہ ڈاکٹر اس کے دل کی دھڑکنیں سننے لگا لیکن پیریڈو نے اپنا معائنہ کروانے سے انکار کرتے ہوئے اصرار کیا کہ ہیلی کاپٹر فوری طور پر فیرچائلڈ کی طرف جائیں۔ گارشیا نے بتایا کہ کثیف دھند کی وجہ سے فی الحال پرواز ناممکن ہے۔ تاہم اس نے فیرچائلڈ کے محل وقوع کے بارے میں تفصیلات پوچھیں۔ پیریڈو نے پوری تفصیل بتائی۔

"تمہیں کچھ اندازہ ہے کہ فیرچائلڈ کی جگہ پہاڑوں کی بلندی کتنی ہے؟" گارشیا نے پوچھا۔

"نہیں۔ مجھے کچھ اندازہ نہیں۔ البتہ وہاں کوئی درخت یا جھاڑی نہیں شاید اس سے تم اندازہ کر سکو۔"

"تو پھر تم کھاتے کیا رہے ہو؟"

"اوہ۔ ہاں۔ ہمارے پاس پنیر اور اسی قسم کی دوسری چیزیں تھیں۔"

"کچھ یاد ہے کہ جہاز کے آلات پر کتنی بلندی لکھی ہوئی تھی۔"

"ہاں! سات ہزار فٹ۔"

"ٹھیک۔ یہ تو کچھ زیادہ نہیں۔ تمہارا کیا خیال ہے کہ جہاز کا ڈھانچہ آسانی سے نظر آ جائے گا؟"

کینیسا اور پیریڈو نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا۔ پھر پیریڈو بولا، "نہیں۔ اتنا آسان نہیں ہے۔ ڈھانچہ برف میں پڑا ہوا ہے۔" اس کے ذہن میں کشمکش جاری تھی۔ حادثے کی وجہ سے پرواز کا خوف دل میں بیٹھ گیا تھا اور ہیلی کاپٹر میں جانے کا شوق بھی تھا۔ بالآخر اسے اپنا وعدہ یاد آ گیا۔ اس نے سرخ جوتوں کے جوڑے میں سے ایک جوتا جہاز سے لٹکاتے ہوئے کہا تھا کہ وہ اسے لینے کے لیے ضرور واپس آئے گا۔ اس نے گارشیا سے کہا،

"ٹھیک ہے، میں تمہارے ساتھ چلوں گا۔"

وہ دھند چھٹنے کا انتظار کرنے لگے جب کہ صحافی واپس سانٹیاگو جا کر خبریں دینے کے لیے بے تاب تھے۔ تین گھنٹے بعد گارشیا نے فیصلہ کیا کہ موسم قدرے صاف ہے اور ہیلی کاپٹر پرواز کر سکتے ہیں۔ ایک ہیلی کاپٹر وہیں چھوڑا گیا۔ امدادی پارٹی کے تین ارکان، نرسنگ اردلی اور پیریڈو کو لے کر دو ہیلی کاپٹر ٹیک آف کر گئے۔ اس وقت دن کا ایک بجا تھا اور اینڈیز کے پہاڑوں میں پرواز کے لیے یہ خطرناک ترین وقت تھا۔ گارشیا اور میسا لے فیصلہ کیا کہ لڑکوں کو واپس لانا تو ممکن نہیں ہو گا البتہ ان کی جگہ دیکھ لی جائے۔ پیریڈو ان کا بہترین رہنما ثابت ہوا۔ وہ کھڑکی سے نیچے دیکھ رہا تھا اور ان تمام مقامات کو پہچان رہا تھا۔ جن پر وہ چلتے رہے تھے۔ جب وہ V نما وادی میں پہنچے تو پیریڈو نے گارشیا سے کہا کہ وہ اس وادی میں ہی چلتا جائے۔ وادی آہستہ آہستہ تنگ ہوتی جا رہی تھی اور برف بھی بڑھ رہی تھی۔ پرواز مشکل تھی لیکن گارشیا جہاز کے آلات پر نظر رکھے پر امید تھا کہ وہ مزید بلندی تک جا سکتے ہیں۔ بلندی پیما آلے کے مطابق وہ سات ہزار فٹ کی بلندی تک پہنچنے والے تھے۔ اس کے سامنے دور دور تک بھی کسی جہاز کا ڈھانچہ نظر نہیں آ رہا تھا اور پھر اچانک اس نے دیکھا کہ وادی آگے سے بند ہو گئی ہے ایک بلند و بالا پہاڑ ان کے رستے میں حائل ہے۔ اس نے انٹرکام پر پیریڈو سے پوچھا،

"اب کدھر؟"

"سامنے۔ سامنے، اس سامنے والے پہاڑ کو کراس کریں۔"

"لیکن تم اتنا بلند پہاڑ کیسے عبور کر سکتے تھے؟"

"ہم اسے ہی عبور کرکے آئے تھے"

"بھئی یہ تو بہت اونچا ہے۔ تم اس طرف سے نہیں آئے ہو گے"۔ گارشیا نے دہرایا۔

"ہم ادھر ہی سے آئے تھے۔ فیرچائلڈ اس کے پار پڑا ہے"۔

"لیکن تم اس سے نیچے کیسے اترے؟"

"پھسلتے ہوئے، لڑکھڑاتے ہوئے"۔

گارشیا کے لیے یہ بات ناقابل اعتبار تھی لیکن پیرپڈو کی بات ماننے کے سوا کوئی چارہ نہ تھا اس نے ہیلی کاپٹر کے کنٹرول سنبھالے اور بلندی بڑھانا شروع کر دی۔ اوپر سخت ٹھنڈ تھی اور انجنوں کو پوری قوت استعمال کرنا پڑ رہی تھی۔ ہیلی کاپٹر کا پورا وجود تھرتھرا رہا تھا۔ بلندی بڑھ رہی تھی لیکن پہاڑ ختم ہونے کا نام نہ لیتا تھا، بلندی ظاہر کرنے والی سوئی مسلسل تھرتھرا رہی تھی، دس ہزار، گیارہ ہزار، بارہ ہزار، تیرہ ہزار۔ ...... بالآخر ساڑھے تیرہ ہزار فٹ کی بلندی پر وہ چوٹی کے برابر پہنچ گئے۔ وہاں پہنچے تو پہاڑ کی پرلی طرف سے تند و تیز ہوا جھکڑوں کی شکل میں چل رہی تھی جس کے تھپیڑوں نے ہیلی کاپٹر کا رُخ پھیر دیا —— وہ بلندی سے نیچے بھی گرے لیکن پائلٹوں نے بڑی مہارت سے جہازوں کو سنبھال لیا۔ گارشیا نے جہاز کو موڑ کر ایک اور کوشش کی لیکن تند جھکڑوں کے سامنے کوئی پیش نہ گئی۔ ادھر پیرپڈو پر پھر خوف طاری ہو گیا۔ وہ چلاّنے لگا۔ اس کے قریب بیٹھے امدادی کلب کے ایک کارکن ڈیاز نے انٹر کام پر کمانڈر گارشیا کو بتایا کہ پیرپڈو پر دہشت طاری ہے لیکن وہ ہیلی کاپٹر سنبھالنے میں مصروف تھا۔ اس نے اس بات کی طرف کوئی توجہ نہ دی۔ دوسری کوشش ناکام ہونے پر اس نے پہاڑ کا از سرِ نو جائزہ لیا تو دائیں طرف چوٹی دبی ہوئی اور کم بلند نظر آئی چنانچہ سامنے سے چوٹی عبور کرنے کی بجائے وہ ہیلی کاپٹر کو پہاڑ کے پہلو میں لے گیا اور دبی ہوئی جگہ سے چوٹی عبور کرنے کی کوشش کی۔ سرکش ہوائیں یہاں بھی چل رہی تھیں لیکن ان کی شدت کم تھی۔ ہیلی کاپٹر پہاڑ کے پار پہنچنے میں کامیاب ہو گئے۔ لیکن اس دوران پیرپڈو سمت کا احساس کھو چکا تھا۔ اسے کچھ اندازہ نہ ہو رہا تھا کہ وہ کہاں ہیں اور فیرچائلڈ کا ڈھانچہ کہاں پڑا ہے۔ کچھ دیر بعد اس کے حواس بحال ہوئے تو اس نے ایک چوٹی کو پہچان لیا اور

اس کے ساتھ ہی اسے اپنی پوزیشن کا اندازہ بھی ہو گیا۔ اس نے ایک طرف اشارہ کرتے ہوئے ہیلی کاپٹر ادھر لے جانے کا اشارہ کیا۔ گارشیا کو کچھ نظر نہیں آ رہا تھا لیکن پیراڈ کے اصرار پر وہ نیچے اترنے لگا۔ کافی نیچے آ کر ہیرپڈو نے ایک طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا کہ ڈھانچہ وہ پڑا ہے۔ گارشیا کو اسے دیکھنے میں خاصی دقت پیش آئی لیکن جب اس نے دیکھ لیا تو بولا؛

"اب مجھ سے بات نہ کرنا — خاموش رہو۔ مجھے دیکھنے دو کہ ہیلی کاپٹر کہاں اتارا جا سکتا ہے۔"

یہ کہہ کر وہ پورے انہماک سے ہیلی کاپٹر اتارنے میں مشغول ہو گیا۔

۱۳
سکھ کا سانس

بدھ، ۲۰ دسمبر کی رات جہاز میں رہ جانے والوں کے لیے بدترین راتوں میں سے ایک تھی۔ ان کے حوصلے پست تھے۔ مہم جو افراد کو گئے ہوئے نو دن گذر چکے تھے، وزنطین کی واپسی کے بعد سے چھ دن۔ سب کو معلوم تھا کہ کتنا راشن ان کے ساتھ ہے وقت گذرنے کے ساتھ ساتھ ان کے دل ڈوب رہے تھے۔ مہم جو افراد کا راشن ختم ہو گیا تو کیا ہوگا؟ معلوم نہیں وہ کہاں ہیں، کس حال میں ہیں۔ اُن کی خیریت پر ان کی خیریت کا انحصار تھا ——— بادل نخواستہ انہوں نے دوسری مہم بھیجنے اور کرسمس اینڈیز ہی میں منانے پر غور شروع کیا۔

اس رات دعائیہ نظمیں پڑھتے ہوئے کارلیٹوس پیز نے اپنے چچا کی مغفرت کے لیے خاص دعائیں کیں۔ اس کا چچا چند سال پہلے جہاز کے ایک حادثے میں ہلاک ہوا تھا اور اکیس دسمبر کو اس کی برسی کا دن تھا۔ اسے احساس تھا کہ اس کی دادی بھی اپنے بیٹے کے لیے دعائیں کر رہی ہو گی۔

دوسرے دن وہ غور سے ٹرانسسٹر پر خبریں سنتے رہے لیکن ان کی امداد کا کوئی ذکر نہ تھا بس اتنی خبر تھی کہ یوراگوئے فضائیہ کا C-47 طیارہ بدھ کو چلی سے روانہ ہو گیا ہے۔ وہ اپنے معمول کے کاموں میں لگ گئے۔ دوپہر کو انہوں نے اپنے راشن کا گوشت کھایا اور دھوپ سے بچنے کے لیے جہاز کے اندر چلے گئے۔ اسی دن سہ پہر کو جہاز سے باہر نکلتے ہوئے کارلیٹوس کو اس بات کا زبردست احساس ہوا کہ پیرڈو اور کینیسا کسی محفوظ جگہ پر پہنچ گئے ہیں۔ وہ چند قدم برف پر چلا اور دیکھا کہ فیٹو ایک طرف بیٹھا رفع حاجت میں مصروف تھا۔ وہ اس کی طرف بڑھا اور بولا،

"فیٹو! کسی سے کہنا مت لیکن مجھے شدت سے احساس ہو رہا ہے کہ پیرڈو اور کینیسا کسی محفوظ جگہ پر پہنچ گئے ہیں۔"

فیٹو نے رفع حاجت کی کوشش چھوڑ دی۔ پتلون سنبھالتے ہوئے وہ کارلیٹوس کے قریب

آیا اور دونوں برف میں ٹہلنے لگے۔ فیڈ او ہام پر یقین نہیں رکھتا تھا لیکن چھٹی حس کی اس خبر نے اس کے حوصلوں کو نئی توانائی دی۔ موضوع بھی خوشگوار تھا۔ اس نے کارلیٹوس سے پوچھا،

"تمہیں یقین ہے کہ ان کا رابطہ کسی انسان سے ہو گیا ہے؟"

"ہاں! ہاں مجھے یقین ہے۔ لیکن کسی اور سے نہ کہنا۔ میں نہیں چاہتا کہ یہ خبر غلط نکلے تو وہ پھر مایوسیوں میں ڈوب جائیں۔"

باقی لڑکے بھی جہاز سے نکل آئے تھے۔ سورج مغرب کی طرف جھک چلا تھا۔ کچھ لڑکے ادھر ادھر بیٹھے دن کے آخری سگریٹ کے کش لگا رہے تھے۔ دانیال فرنینڈیز اور پونچو ڈیلگاڈو جہاز میں داخل ہو کر کیبن کو ٹھیک ٹھاک کرنے لگے اور پھر سب دو دو کی قطار میں اندر داخل ہو گئے پہاڑوں پر یہ ان کی ۷۰ ویں رات تھی۔ کارلیٹوس نے دعائیہ نظم پڑھی، اپنے چچا کی مغفرت کے لیے دعا کی لیکن اپنے دن کے احساسات کا کوئی ذکر نہ کیا تاہم نظم کے بعد دانیال فرنینڈیز بولا،

"حضرات میری چھٹی حس کہہ رہی ہے کہ پیریڈو اور کینیسا کا رابطہ کسی انسانی آبادی سے ہو گیا ہے اور کل یا پرسوں تک امدادی پارٹیاں ہمیں لینے کے لیے پہنچ جائیں گی۔"

"ہاں مجھے بھی یہ احساس ہوا ہے، دوپہر سے۔ دونوں کہیں نہ کہیں مناسب جگہ پہنچ گئے ہیں۔"

دونوں نے ایک دوسرے کی تصدیق کی تھی اور زیادہ تر لڑکوں نے ان کی بات مانی اور مسرت کے جذبات سینے میں لئے سو گئے۔

صبح حسب معمول دانیال فرنینڈیز اور ایڈورڈ سٹراچ ساڑھے سات بجے باہر آئے تو ریڈیو لگا کر خبریں سننے لگے۔ سب سے پہلی خبر انہی سے متعلق تھی،

"اینڈیز پہاڑوں کی ایک دور دراز وادی میں دو لڑکے ملے ہیں جو یوراگوئے کے بدقسمت جہاز فیر چائلڈ کے مسافر ہونے کے دعویدار ہیں۔"

ایڈورڈ تو یہ سنتے ہی اچھلا اور دوسروں کو خبر سنانے کے لیے دوڑا لیکن فرنینڈیز نے اسے بازو سے پکڑ کر بٹھا لیا۔ "ٹھہرو۔ یہ بات غلط بھی ہو سکتی ہے۔ یہ خبر سنانے سے پہلے ہمیں اچھی طرح تصدیق کر لینی چاہیے۔ ایسا نہ ہو باقی لوگوں کو ایک بار پھر مایوسیوں کا سامنا کرنا پڑے۔"

صلیب کے نشان کی خبر بھی اسی نے دی تھی جو بعد میں غلط ثابت ہوئی تھی۔ اسی لیے اس مرتبہ وہ محتاط تھا۔ اس نے دوسرے ریڈیو سٹیشن ملانے کی کوشش کی۔ اسے مایوسی نہیں ہوئی۔ ہر ریڈیو سے ایک ہی خبر نشر ہو رہی تھی۔ ارجنٹینا، برازیل، چلی اور یوراگوئے کے تمام سٹیشن انہی کے خبریں بار بار نشر کر رہے تھے۔ اب ایڈورڈ کو کون روک سکتا تھا۔ اس نے چیخ چیخ کر سب کو یہ خبر سنائی۔ تھوڑی دیر میں سب ریڈیو کے اردگرد جمع ہو گئے اور خود اپنے کانوں یہ خوشگوار خبر سننے لگے۔ تمام ریڈیو انہی کی سنسنی خیز خبر نشر کر رہے تھے کہ یوراگوئے کے جہاز کے کچھ مسافر ابھی تک زندہ ہیں۔ دو لڑکے مل گئے ہیں۔ چودہ ابھی تک جہاز میں ہیں جن کی واپسی کے لیے فوری اقدامات کئے جا رہے ہیں۔

وہ لمحہ جس کا ان سب کو شدت سے انتظار تھا، بالآخر آ پہنچا تھا، ان کی خوشی کا اظہار لفظوں میں ممکن نہیں تھا۔ انہوں نے ایک دوسرے کو مبارک باد دی دیوانہ وار اپنے اردگرد کے بے نیاد پہاڑوں کو یہ خبر سنائی اور خدائے بزرگ کا بار بار شکر ادا کیا جس نے ان پر رحم کیا تھا اور ان کی جانیں بچا لی تھیں۔ انہیں امید تھی کہ ایک دو گھنٹوں میں ہیلی کاپٹر انہیں لینے کے لیے آتے ہی ہوں گے چنانچہ انہوں نے سگرٹوں اور سگاروں کے ڈبے کھولے اور مزے مزے سے لمبے لمبے کش لگا کر ہوا میں دھوئیں کے مرغولے اڑانے لگے جنہوں نے اپنے حصے کی سگرٹیں احتیاط سے سنبھال رکھی تھیں۔ تمام احتیاط بالائے طاق رکھ اپنی سگرٹیں نکال لائے کچھ دوسروں میں بانٹ دیں، کچھ خود پینے لگے — جب وہ پر سکون ہوئے تو سنجیدگی سے کچھ امور پر غور کرنے لگے۔ ایڈورڈ نے کہا، "کسی کے یہاں پہنچنے سے پہلے ہمیں خود کو صاف کرنا چاہیے۔ کارلیٹوس! تم اپنے بال دیکھنا ذرا۔ ان میں کنگھی ہی کر لو۔"

"اور ان کے بارے میں کیا خیال ہے؟" فرینڈز چاروں طرف بکھری ہڈیوں اور لاشوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے گویا ہوئے، "انہیں دفن کر دینا مناسب نہیں ہوگا؟"

فیٹو نے برف پر ٹھوکر لگاتے ہوئے اندازہ کرنا چاہا کہ برف کھودنے میں کتنی قوت درکار ہوگی۔ برف پتھر کی طرح سخت تھی۔ اس نے چاروں طرف دیکھتے ہوئے کہا، "اسے تو ہم کھودنے سے رہے۔"

"اس کی ضرورت ہی کیا ہے؟" انگرٹا نے کہا۔

"اور اگر انہوں نے ان کی تصویریں اتاریں تو؟" فرنینڈیز نے سوال کیا۔
"ہم ان کے کیمرے توڑ دیں گے۔" کارلیٹوس نے اپنے ارادوں کا اظہار کیا۔
"ویسے بھی ـــــ ہم نے جو کچھ کیا ہے، اسے چھپانے کی کیا ضرورت ہے؟" ایڈورڈ بولا۔

تھوڑی دیر میں یہ موضوع ختم ہو گیا۔ خوش مزاجی لوٹ آئی۔ ان میں اس بات پر تبادلۂ خیال ہونے لگا کہ جب امدادی پارٹی کے ارکان پہنچیں گے تو وہ کیا کریں گے۔ مونچو کہنے لگا۔

"جب ہیلی کاپٹروں کی آواز آئے گی تو ہم سب باہر نکل کر کھڑے ہو جائیں گے جب وہ ہم تک پہنچیں گے تو میں پوچھوں گا۔ ہیلو، آپ لوگ کیا چاہتے ہیں؟"
"وہ مجھے چلی کا کوئی سگریٹ دیں گے تو میں کہوں گا، شکریہ میں اپنا سگریٹ پینے کو ترجیح دیتا ہوں۔" زربینو نے کہا۔

اس گفتگو کے ساتھ ساتھ انہوں نے خود کو جس حد تک ممکن تھا، سنوارنا شروع کر دیا پئیز نے بالوں میں کنگھی کی اور اتفاق سے اسے جہاز کے سامان میں بالوں کا تیل بھی مل گیا۔ سبیلا اور زربینو نے قمیصیں پہن کر ٹائیاں باندھ لیں۔ سب نے اپنے اپنے سامان میں نسبتاً صاف قمیضیں تلاش کرنے کی کوشش کی اور بچی کھچی ٹوتھ پیسٹ اور برف کی مدد سے دانت بھی صاف کئے۔

وہ تو تیار تھے لیکن ہیلی کاپٹر تھے کہ آنے کا نام ہی نہ لے رہے تھے۔ البتہ ریڈیو پر ان کے بارے میں مسلسل خبریں نشر ہو رہی تھیں بلکہ چلی کے ایک سٹیشن سے ان کے بارے میں خصوصی پروگرام نشر کیا گیا جس میں ان کی جانیں بچنے پر خدائے برتر کا شکریہ ادا کیا گیا۔ پروگرام سن کر ان کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ دوپہر تک وہ باہر بیٹھے رہے اور جب کوئی امدادی مہم نہ آئی تو وہ سوچنے لگے کہ کیا کریں۔ کئی لڑکوں کو بھوک لگی ہوئی تھی لیکن ایک دن پہلے انہوں نے جو گوشت کاٹ کر رکھا تھا، اس خوش فہمی میں کہ کوئی امدادی پارٹی پہنچ رہی ہے پھینک چھانک دیا تھا۔ اب زربینو اور دانیال فرنینڈیز نے اس کی تلاش شروع کی۔ رائے ہارلے نے رفع حاجت کا "پروگرام" اس امید پر ملتوی کر دیا تھا کہ عنقریب اسے کوئی صاف ستھرا ٹائلٹ مل جائے گا لیکن انتظار نے طول کھینچا تو وہ دوسرے لڑکوں کے سامنے ہی جہاز کے قریب بیٹھ گیا۔ لڑکے اس پر آوازے کسنے لگے۔ وہ سوکھ کر کانٹا تو

ہو رہا تھا کسی نے فقرہ کسا کہ پیچھے سے وہ بالکل ایسے لگ رہا تھا جیسے کسی مرغی کی دم جس کے بال وپر اکھاڑ دیئے گئے ہوں۔

جب گرمی بڑھ گئی تو دھوپ سے بچنے کے لیے وہ جہاز کے اندر چلے گئے۔ جب انتہائی بے صبری سے وہ کسی کے آنے کا انتظار کر رہے تھے، کسی نے کہا،

"ذرا سوچو تو، کتنی خوفناک بات ہو گی اگر اس مرحلے پر کوئی اور ایوالانچ آ جائے۔"

"نہیں۔ نہیں۔ یہ نہیں ہو سکتا۔ ہم نے اتنا کچھ تو برداشت کیا ہے۔" فرینڈیز بولا۔

عین اس وقت انہیں شور سنائی دیا اور سفید سفید مادے کا ایک ریلا ان کی طرف بڑھا۔۔۔۔۔ اوہ۔۔۔۔۔ ایوالانچ۔" ایک آواز آئی۔ دہشت سے سب اپنی اپنی جگہ منجمد ہو گئے لیکن جب سفید مادہ جھاگ کی طرح بیٹھ گیا تو انہوں نے دیکھا کہ جھاگ کے پیچھے موت کے سائے نہیں شرارتی فیٹو کا چہرہ مسکرا رہا تھا جو آگ بجھانے کا آلہ ہاتھ میں لیے دانت نکوس رہا تھا۔

کوئی ایک بجے کا وقت ہو گا جب انہوں نے دو ہیلی کاپٹروں کی آوازیں سنیں۔ وہ ان سے شمال مشرق کی طرف پہاڑوں کی چوٹیوں کی بلندی پر اڑ رہے تھے لیکن ان کی آواز ان کے تصورات سے بالکل مختلف تھی۔ ان کا خیال تھا کہ ہیلی کاپٹر وادی میں داخل ہوں گے تو کافی شور ہو گا لیکن ہیلی کاپٹروں کی آواز تو بہت ہی مدھم تھی اور اس سے انہیں اندازہ ہوا کہ پہاڑوں کی چوٹیاں ان سے کتنی بلندی پر ہیں۔ وہ سب باہر نکل آئے نخشےاور ہیلی کاپٹروں کی طرف دیکھ دیکھ کر شور مچا رہے تھے، بازو ہلا رہے تھے لیکن ایسا لگتا تھا کہ پائلٹ انہیں دیکھ نہیں سکے کیونکہ وہ غلط سمت میں ان سے دور اڑے جا رہے تھے۔ کافی آگے جا کر وہ مڑے اور پھر ان کے سروں پر سے گذر گئے۔ اس بات کا کوئی اشارہ نہیں ملا تھا کہ پائلٹوں نے انہیں دیکھا ہے یا نہیں کیونکہ مخالف سمت میں وہ پھر دور جا نکلے تھے۔ اسی طرح تین چکر ہو گئے۔ تیسرے پھیرے میں آگے والے پائلٹ نے عین ان کے اوپر اپنی بلندی کم کرنا شروع کی اور ایک دائرے کی شکل میں پرواز کرتے ہوئے نیچے اترنا شروع کیا۔ بلندی کم ہوئی تو ہیلی کاپٹر کی کھڑکی سے انہیں ہیرلڈو نظر آیا جو اپنے ہاتھ کی چار انگلیاں چوم چوم کر ان کی طرف اشارہ کر رہا تھا۔ دوسرے لوگ ان کی تصویریں اتار رہے تھے، فلم بھی بنا رہے تھے۔ لیکن پائلٹ مشکل میں دکھائی دیتا تھا کیونکہ ہوا تیز تھی اور

جب بھی وہ ان کے قریب اترنے کی کوشش کرتا تو ہواؤں کے تھپیڑے اسے اٹھا کر پھینک دیتے اور وہ قریبی چٹانوں سے بچتے ہوئے جہاز کو پھر بلندی کی طرف لے جاتا ——— جہاز سے دھوئیں کا ایک بم پھینکا گیا تاکہ ہوا کی سمت کا اندازہ ہو سکے لیکن دھواں کسی ایک سمت میں اڑنے کی بجائے چاروں طرف پھیل گیا۔ بالآخر کوئی پندرہ منٹ کی کوششوں کے بعد پہلا ہیلی کاپٹر اتنا نیچے آیا کہ اس کے سکی کا بلیڈ برف سے چھوا ——— فوراً ہی دو تھیلے باہر پھینکے گئے، پھر دو آدمی باہر کود ے۔

ان میں سے ایک امدادی کارکن ڈیاز تھا، دوسرا ایمبڈیکل اردلی۔ ڈیاز جھکے جھکے ہیلی کاپٹر سے باہر کی طرف کو نکلا اور جب اس کے پروں کی زد سے باہر آ گیا تو ہاتھ پھیلائے ہوئے لڑکوں کی طرف بڑھا جو خوشی کے نعرے لگاتے ہوئے اس سے بغل گیر ہو گئے۔ تمام لڑکوں کا ردِعمل ایک جیسا نہیں تھا۔ کچھ ان اجنبیوں کے گروہ کی صورت آمد پر پریشان تھے۔ پیڈرو الگورٹا نے فیٹو سٹراچ کو ڈیاز سے بغل گیر ہوتے دیکھا تو اس سے پوچھا، "تم اسے پہلے سے جانتے ہو؟"

ہیلی کاپٹر کے شور اور پروں سے اڑنے والی ہوا سے خطرہ تھا کہ کہیں ایوالانچ نہ آ جائے اس لیے لڑکوں کی کوشش یہ تھی کہ وہ جلد از جلد ہیلی کاپٹر میں سوار ہو جائیں بلکہ دو لڑکوں نے تو پروں سے بچنے کے لیے جھک کر ہیلی کاپٹر میں داخل ہونا بھی چاہا لیکن یہ کام مشکل تھا۔ گارشیا کے ہیلی کاپٹر کے نیچے لگی ہوئی پھٹیاں برف کو چھو تو رہی تھیں۔ لیکن ہیلی کاپٹر نے لینڈ نہیں کیا تھا۔ اس کی ایک وجہ تو ڈھلوان تھی جس پر خدشہ تھا کہ ہیلی کاپٹر کے انجن بند ہوئے تو وہ کہیں پھسلنا نہ شروع کر دے، دوسرے برف کا پتہ نہیں تھا کہ وہ ہیلی کاپٹر کا وزن سہار سکے گی یا نہیں۔ ایک اور خطرہ یہ تھا کہ پر پہاڑ کی دیوار سے ٹکرا کر ٹوٹ نہ جائیں۔ ان تمام خدشات کو ذہن میں رکھتے ہوئے گارشیا کی کوشش تھی کہ وہ ہیلی کاپٹر کو زمین پر رکھنے کی بجائے پروں کی قوت کے بل پر اٹھائے رکھے اور ایک خاص زاویے سے اسے اتنا نیچے لے آئے کہ لڑکے بآسانی اس میں سوار ہو سکیں۔ سب سے پہلے سوار ہونے والا فرینڈیز تھا۔ وہ جھکے جھکے دروازے کے قریب آیا اور پھر ہاتھ اوپر کی طرف پھیلا دیا۔ پیریڈو نے اسے پکڑ کر اوپر کھینچ لیا۔ دوسرا مینجینو تھا۔ گارشیا کے خیال میں اس بلندی پر اس کا ہیلی کاپٹر مزید بوجھ اٹھانے کا متحمل نہیں ہو سکتا تھا۔

چنانچہ اس نے اسے اوپر اٹھا لیا۔ اس کی سواریوں میں ہیر بیڈو، کرنل موریل اور ایک مکینک شامل تھا۔ وہ اوپر اٹھ کر ایک طرف کو ہٹ گیا اور بیسا اسی انداز میں اپنا ہیلی کاپٹر نیچے لایا۔ اس میں سے بھی دو آدمی باہر کودے یہ امدادی کلب کے کارکن کیبرو اور ویلگاس تھے۔ ان کا سامان ان کے پیچھے باہر پھینک دیا گیا۔ جب ہیلی کاپٹر اپنے کام میں معروف تھے، ڈیانہ لڑکوں سے ملنے ملانے سے فارغ ہوا اور پیٹیر کے بارے میں پوچھا۔ کارلیٹوس پیٹیر نے اپنا تعارف کروایا تو اس نے اسے دو خط دیے اور بتایا کہ ایک خط اس کے لیے ہے، دوسرا پورے گروپ کے لیے۔

کارلیٹوس نے پہلے وہ خط کھولا جو پورے گروپ کے لیے تھا، مختصر سی عبارت تھی،

"ڈھیر ساری خوشیاں ـــــ میری طرف سے کرسمس کا تحفہ ـــــ ہیلی کاپٹر قبول ہو۔"

اس کے ذاتی خط میں لکھا تھا،

"تم جان گئے نا ـــــ میں نے تمہیں کبھی مایوس نہیں کیا ـــــ خدا پر پہلے سے کہیں زیادہ اعتماد کے ساتھ میں تمہارا منتظر ہوں۔ تمہاری ماما بھی چلی سے آ رہی ہے۔

"تمہارا بوڑھا باپ"

اس نے خط جیب میں ٹھونسا تو ہیلی کاپٹر زمین کے کافی قریب آ چکا تھا۔ الگوریٹا اور ایڈورڈ کے ساتھ وہ اس میں سوار ہو گیا۔ ان کے بعد السپارٹی آیا۔ ڈیانہ نے اسے سوار کرانے میں مدد کی۔ اس کے ساتھ ہی بیسا نے جہاز اوپر اٹھا لیا ـــــ پیچھے رہ جانے والوں میں امدادی کلب کے دو ارکان، میڈیکل اردلی، ڈیلگاڈو، سیبلا، فرینکوئٹس، وزنطین، متھول، زربینو، ہارلے اور فیٹوسٹراچ شامل تھے۔

پہاڑ کے اس طرف پرواز اتنی ہی مشکل تھی جتنی دوسری طرف۔ بلکہ ہیلی کاپٹروں کی تھرتھراہٹ اور جھٹکوں میں اتنا زیادہ اضافہ ہو گیا کہ نئے مسافروں نے چیخ و پکار شروع کر دی اور سوچنے لگے کہ کاش انہوں نے فیر چائلڈ کی سی محفوظ جگہ کو نہ چھوڑا ہوتا۔ فرینڈیز نے ہیر بیڈو سے پوچھا کہ کیا ہیلی کاپٹر میں اتنے جھٹکے معمول کی بات ہے۔ ہیر بیڈو نے اثبات میں جواب دے تو دیا لیکن اس کا فق ہوتا ہوا چہرہ اس کے جھوٹ کی چغلی کھا رہا تھا۔

گارشیا اور یسا کا مسئلہ یہ تھا کہ اس بلندی پر ہوا اتنی ہلکی تھی کہ ہیلی کاپٹر کا بوجھ اس سے اٹھنا نہ تھا اس لئے دونوں کی کوشش یہ تھی کہ ہواؤں میں موجود بگولے تلاش کریں وہ ہیلی کاپٹر کو کسی بگولے میں ڈال دیتے جو اسے بلندی پر لے جاتا۔ کچھ دور اوپر جاکر وہ اپنی بلندی برقرار رکھنے کی کوشش کرتے یہاں تک کہ کسی اور بگولے کی تیز ہوا ان کی مدد کو آتی۔ اس عمل کے لیے زبردست مہارت کی ضرورت تھی لیکن دونوں پائلٹ اپنے اپنے کام میں ماہر تھے وہ بالآخر جہاز دل کو چوٹی تک لے جانے میں کامیاب ہو گئے۔

چوٹی عبور کر کے انہوں نے ٹنگا وادی کا رخ کیا اور وہاں سے لاس مینٹینر پہنچنے میں انہیں بمشکل پندرہ منٹ لگے۔ جہاز رکے تو نئے مسافر چھلانگیں لگا کر باہر آئے اور ارد گرد کا منظر دیکھ کر خوشی سے بے قابو ہو گئے۔ انہوں نے ایک دوسرے کو گلے لگایا اور سرسبز گھاس پر قلابازیاں لگانا شروع کر دیں۔ ایڈورڈ نرم نرم گھاس پر یوں لیٹا تھا جیسے کسی شاندار خوابگاہ کے نرم، ریشمی ملائم بستر پر لیٹا ہو۔ اس نے رخ موڑا تو قریب ہی ایک جنگلی پھول کھلا ہوا تھا۔ اس نے اسے توڑا، سونگھا اور کارلیٹوس پیئز کی طرف بڑھا دیا جو اس کے پاس ہی کہنیوں کے بل لیٹا ہوا تھا، اس نے پھول تھاما پہلے سونگھنے لگا لیکن پھر منہ میں رکھا اور ہنستے ہوئے اسے چبانے لگا۔

خوشی کے دورے ختم ہوئے تو انہیں کھانے کی سوجھی۔ چاکلیٹ، پنیر اور گرم گرم کافی کا پہلے ہی سے انتظام کر دیا گیا تھا۔ وہ ان پر پل پڑے۔ اس دوران ڈاکٹر نے ان کا طبی معائنہ کیا۔ گرچہ سب ہی انتہائی لاغر ہو رہے تھے لیکن تشویش کی بات کوئی نہ تھی۔

آٹھوں لڑکے وہیں رہ کر باقی لوگوں کی آمد کا انتظار کر سکتے تھے چنانچہ پہلے تو یہی فیصلہ کیا گیا کہ ہیلی کاپٹر واپس جاکر باقی مسافروں کو لے آئیں لیکن گارشیا نے کرنل موریل کو بتایا کہ سرکش ہواؤں کی موجودگی میں یہ بہتر ہوگا کہ باقی کام آئندہ دن کے لیے اٹھا رکھا جائے۔ اس بات پر اتفاق ہوا اور فیصلہ یہ ہوا کہ ان آٹھ لڑکوں کو سان فرنینڈیز پہنچا دیا جائے سان فرنینڈیز میں کمانڈ ہیڈ کوارٹر کو بذریعہ ریڈیو فیصلے سے مطلع کر دیا گیا اور زندہ بچنے والے سولہ کے سولہ نام بھی بتا دیے گئے۔ ریڈیو آپریٹر نے یہ پیغام وصول کیا اور ٹائپ کے لیے کمیٹی کے ایک ممبر کے حوالے کر دیا۔ یہ وہی ممبر تھا جسے آخری وقت میں نامزد کیا گیا تھا، کارلیٹوس پیئز دلا رو ـــــ اس وقت تک اسے معلوم ہو چکا تھا کہ جہاز کے چالیس مسافروں

میں سے صرف سولہ باقی بچے ہیں۔ خدا جانے اس کے بیٹے کا نام ان میں شامل تھا یا نہیں اور جب یہ جاننے کا وقت آیا تو اس میں سچائی کو جان لینے کا یارا نہ تھا۔ ڈبڈباتی ہوئی آنکھوں سے اس نے پیغام کرنل ہوریل کی سیکرٹری کی طرف بڑھا دیا۔

سیکرٹری نے ناموں کی فہرست ٹائپ کر کے پھر دلارو کی طرف بڑھا دی۔ اس میں اب بھی اتنا حوصلہ نہ تھا کہ فہرست کو پڑھ لے۔ اس نے ایک اور کاغذ لیا اور فہرست کو ڈھانپ دیا۔ عین اسی وقت مونٹی ویڈ و ریڈیو سے ٹیلی فون آیا۔ پوچھا جا رہا تھا کہ کیا زندہ بچنے والے مسافروں کے نام مل گئے ہیں۔

"ہاں۔ نام تو مل گئے ہیں لیکن کمانڈر کی طرف سے اجازت نہیں ہے۔ یہ نام بتانے کی۔ کمانڈر ہیلی کاپٹروں کے ساتھ ہے۔" پئینر دلارو نے جواب دیا۔

سان فرنینڈو کا میئر کمرے میں موجود تھا۔ اس نے یہ بات سنی تو پئینر دلارو سے کہا کہ وہ نام بتا دے اس میں چھپانے کی کوئی بات نہ تھی اور اگر کوئی بات ہوئی بھی تو اس کی ذمہ داری میئر اپنے سر لے گا۔ پئینر دلارو نے آہستہ آہستہ کاغذ فہرست سے ہٹانا شروع کیا اور نام پڑھنے شروع کئے۔

"رابرٹو کینیسا" آہستگی سے اس نے کاغذ نیچے کھسکایا۔

"فرنینڈو دیریڈو۔" کاغذ کو اور آہستگی سے سرکاتے ہوئے اس نے اگلا نام پڑھا۔

"جوز لوئیس انسیارتی۔" دفعہ

"ڈانیال فرنینڈیز۔ دانیال فرنینڈیز۔"

"کارلوس .... پئینر"۔ اس کی آواز رندھ گئی۔ ایک دو لمحے وہ خاموش رہا۔ پھر باقی نام بھی پڑھ ڈالے۔

جب وہ نام پڑھ رہا تھا تو مونٹی ویڈو ریڈیو کے ایک سٹوڈیو میں اس کی آواز وصول کر کے براہ راست نشر کی جا رہی تھی اور یوراگوئے کے ہر اس گھر میں سنی جا رہی تھی جو اس وقت مونٹی ویڈو ریڈیو سن رہا تھا۔ سننے والوں میں نوگویرا کی ماں سنورا نوگویرا بھی شامل تھی۔ کچھ دیر پہلے وہ ریفائیل پونس ڈی لیون کے باغ میں بیٹھی خبروں کی منتظر تھی لیکن ماحول کی سوگواریت سے تنگ آ کر وہ گھر چلی آئی تھی اور اب باورچی خانے

میں بیٹھی خبریں سُن رہی تھی۔ ماضی کے دو مہینوں کا انتظار، دہشت اور امیدوں کے ملے جلے احساسات میں ڈھل گیا تھا۔ وہ بت بنی بیٹھی تھی اور نام سُن رہی تھی ..... "
کارلوس، پینیر، ...... مینجینو، سٹراچ، ، ہارلے، وزنطین، زربینو، ڈیلگاڑو، الگورٹا، فرینکوئیس، متھول اور سبیلا۔"

نام ختم ہوئے۔ اس کی امیدوں کے سفینے ڈوب ڈوب کر ابھرتے رہے تھے لیکن آج مایوسیوں کی اتھاہ گہرائیوں میں ڈوب گئے وہ کچھ دیر خاموش بیٹھی رہی۔ پھر اس کا خیال دوسرے لڑکوں کی طرف منتقل ہوا۔ "سبیلا بچ گیا ہے۔ کتنی خوشی کی بات ہے!" اس نے اپنے آپ سے کہا۔ وہ سبیلا کے خاندان کو نہیں جانتی تھی لیکن مشترک درد نے انہیں ایک دوسرے کے قریب کر دیا۔ سبیلا کی ماں سے اس کی کئی مرتبہ بات ہوئی تھی۔ اس کی گفتگو سے اس نے اپنے ذہن میں سبیلا کی جو تصویر بنائی تھی وہ ایک کمسن، بھولے بھالے، معصوم بچے کی تھی۔ جس سے اسے پیار ہو چلا تھا۔ مایوسیوں کے ان لمحات میں اس کے تصور میں سبیلا کا ہیولا کرن بن کر چمکا اور امیدوں کے نئے دیے جلا گیا۔ خوشی اور اطمینان میں اس کا کچھ حصہ تو تھا۔

ہارلے اور نکولچ جو مینڈوزا سے ایک کارگو جہاز میں روانہ ہوئے تھے، عین اس وقت سان فرینڈو پہنچے جب ہیلی کاپٹر آٹھ لڑکوں کو لے کر وہاں پہنچنے والے تھے۔ دونوں کو کچھ پتہ نہ تھا کہ کون کون زندہ بچے ہیں۔ وہ ہجوم کو چیرتے ہوئے آگے بڑھے جہاں پینیر ولا رو یوراگوئے کے ناظم الامور سینر رچارلون کے ساتھ کھڑا تھا۔ ایک طرف تین سو فوجیوں کا ایک چاق و چوبند دستہ کھڑا ہوا تھا۔

اچانک ہجوم کی طرف سے خوشی کے نعرے بلند ہوئے۔ یہ ہجوم ان افراد پر مشتمل تھا جو اپنی کاروں، جہازوں، ریڈیو اور دعاؤں سے پینیر کے شریک کار رہے تھے۔ چلی فضائیہ کے ہیلی کاپٹر افق پر نمودار ہوئے تو ہجوم خوشی سے پاگل ہو گیا۔ آسمان پر صلیب کے نشان یا فرشتوں کی کوئی فوج بھی نمودار ہوتی تو لوگ اتنے دلوانے نہ ہوتے جتنے ان ہیلی کاپٹروں کو دیکھ کر ہوئے۔ وہ گراؤنڈ تک پہنچے، دائرے میں پرواز کرتے ہوئے بلندی کم کی اور آہستگی سے پریڈ گراؤنڈ پر اتر گئے۔

انجن بند ہونے سے پہلے ہی دروازے کھولے گئے تو پینیر ولا رو کو اپنا بیٹا نظر آیا۔

تیزی سے گھومتے ہوئے پروں کی پروا کیے بغیر پئیز ولاروہیلی کاپٹر کی طرف بھاگا اور شاید وہ کسی پر سے ٹکرا کر ریزہ ریزہ ہو جاتا لیکن شارلون نے اسے بازو سے پکڑ کر روک لیا۔ کارلیٹوس خود ہی جہاز سے اترا اور پروں سے بچتا ہوا، دوڑتے دوڑتے باپ کی طرف بڑھا۔ پیرپڈو اس کے پیچھے پیچھے تھا۔ پئیز ولارو نے اپنا بازو چھڑایا اور دونوں سے لپٹ گیا۔

ان کے درمیان کسی لفظ کا تبادلہ نہ ہوا۔ باپ کی ہفتوں کی دیوانہ وار تلاش کا صلہ، زندہ گرم، سانس لیتے جسموں کی صورت اس کے سینے سے لگا ہوا تھا اور آنسوؤں کا ایک سیلاب تھا جو ان کی آنکھوں سے رواں تھا۔ ان کے پیچھے کھڑے ہوئے فوجی دستوں کے سپاہی اور ہجوم کے افراد بھی اشک بار تھے۔ باپ بیٹے کی ایسی ملاقات کب ہوئی ہوگی۔ بیٹے کے لیے تو باپ کی مضبوط باہیں ہی گھر ایسا سہارا تھیں لیکن باپ کے شانوں سے پرے اس نے نکولچ کا امید بھرا تکتا ہوا چہرہ دیکھا تو اداس ہو گیا۔ اس نے نظریں جھکا لیں۔ اسے یوں لگا جیسے اس کی اپنی خوشیاں نکولچ کی خوشیوں کی قاتل ہیں۔ الفاظ اس کا ساتھ چھوڑ گئے۔ اس نے دیکھا کہ نکولچ دانیال فرنینڈیز کی طرف بڑھا اور اس سے باتیں کرنے لگا۔ اور دوسرے لمحے ان کے چہروں کی اداسی سے اسے اندازہ ہو گیا کہ دونوں کے درمیان کیا گفتگو ہوئی ہے۔

کرنل موریل نے اسی صبح سان فرینڈو کے ہسپتال کو خبردار کر دیا تھا کہ وہ فیرچائلڈ کے بچنے والے مسافروں کو وصول کرنے کے لیے تیار رہیں۔ ہسپتال کے ڈائریکٹر نے بہترین ڈاکٹروں پر مشتمل ایک ٹیم ترتیب دی جو ڈاکٹر آسین، ولنز ویلا اور میلچ پر مشتمل تھی۔ انہیں کچھ اندازہ نہ تھا کہ آنے والے مریض کس حالت میں ہیں۔ انہیں بس اتنا پتہ تھا کہ وہ ستر دن انیڈیز کے بلند و بالا پہاڑوں میں رہے ہیں جہاں کھانے کے لیے یا تو کچھ بھی نہیں تھا اور کچھ تھا بھی تو بہت کم۔

ہسپتال ایک چھوٹی سی عمارت پر مشتمل تھا۔ اس کے وارڈ میں تو گنجائش کم تھی البتہ پرائیویٹ مریضوں والے کمرے خالی کرانے کے بعد اتنی جگہ پیدا ہو گئی تھی کہ وہ جہاز کے سولہ مسافروں کو وہاں ٹھہرا سکیں۔ تمام انتظامات مکمل کرنے کے بعد ڈاکٹروں نے سانتیاگو میں سنٹرل ہسپتال کے سربراہ کو فون کیا اور آنے والے مریضوں کے علاج کے بارے میں جو تجاویز ان کے ذہن میں تھیں، اسے بتائیں اس نے ان کی تجویزوں سے اتفاق کیا۔

پہلے آٹھ مسافروں کو لے کر ایمبولنس ساڑھے دس بجے ہسپتال پہنچی۔ انہیں ہسپتال

کے برآمدے میں اتارا گیا اور سٹریچروں پر ڈال کر کمروں کی طرف لے جایا گیا۔ پیریڈو نے سٹریچر پر لیٹنے سے انکار کر دیا اور اصرار کیا کہ وہ خود چل کر جائے گا۔ پرائیویٹ کمروں والے حصے کے مین گیٹ پر ایک سپاہی نے اسے روکا،

"یہ کمرے صرف جہاز کے بچنے والے مسافروں کے لیے ہیں۔"

"میں انہی میں سے ایک ہوں!"

پولیس مین نے حیرت سے پیریڈو کو سر سے پیر تک دیکھا۔ اس کی بڑھی ہوئی بے ہنگم داڑھی الجھے الجھے بال اور میلے کپڑوں نے اسے یقین دلایا کہ پیریڈو سچ کہہ رہا تھا۔ نرسیں بھی اسے حیرت سے دیکھ رہی تھیں۔ پیریڈو نے نہائے دھوئے بغیر اپنا طبی معائنہ کروانے سے انکار کر دیا۔ نرسوں نے ڈاکٹروں سے پوچھا پیریڈو کے لیے غسل کا انتظام کیا گیا۔ اس نے سر دھونے کے لیے شیمپو مانگا۔ ایک نرس بھاگ کر اپنا شیمپو اٹھا لائی۔ تب پیریڈو نے اپنے بدبودار کپڑے اتارے اور ٹب میں بیٹھ گیا۔ وہ ڈیڑھ گھنٹے تک مل مل کر نہاتا رہا۔ پھر اس نے شاور کے پانی سے اپنا جسم دھویا تولیے سے رگڑ رگڑ کر خود کو صاف کیا۔ ہسپتال کی طرف سے دی گئی دھلی ہوئی قمیض پہنی اور پھر بڑی بے نیازی سے خود کو طبی معائنے کے لیے پیش کر دیا۔ حیرت زدہ ڈاکٹروں نے اس کا معائنہ کیا تو ٹھیک ٹھاک پایا بس خوراک کی کمی کی وجہ سے اس کا وزن چھپن پونڈ کم ہو گیا تھا۔ فرنینڈیز، پیزر اور انگورٹا نے دوسروں کی نسبت کم وزن کھویا تھا وہ صرف ۲۸، ۲۸ اور ۳۱ پونڈ کم ہوئے تھے۔ کینیسا کا ۲۷½ پونڈ، ایڈورڈ سٹراچ کا ۴۴ پونڈ اور انسیارٹی کا ۱۰۸ پونڈ وزن کم ہوا تھا۔ اس سے نہ صرف یہ پتہ چلتا تھا کہ اس وقت وہ کتنے دبلے ہو گئے تھے بلکہ یہ اندازہ بھی ہوتا تھا کہ حادثے سے پہلے وہ کتنے فربہ اور صحت مند تھے۔ فرنینڈیز، انگورٹا، مینجینو اور ایڈورڈ سٹراچ کا وزن ۱۴۰ سے ۱۶۸ پونڈ کے درمیان تھا۔ پیریڈو اور انسیارٹی ۱۹۶ پونڈ سے کچھ زیادہ ہی تھے۔ البتہ سب سے زیادہ حیرت پیزر ولارو کو دیکھ کر ہوئی۔ اس ہسپتال میں داخلے کے وقت اس کا وزن ۱۵۱ پونڈ تھا۔ وزن کے علاوہ کچھ لڑکوں کی حالت پتلی تھی مینجینو کی ٹانگ ٹوٹی ہوئی تھی، انسیارٹی کی ٹانگ کا زخم خراب ہو کر بدبو چھوڑ رہا تھا۔ مینجینو کو بخار بھی تھا، ہائی بلڈ پریشر بھی اور نبض بھی معمول کے مطابق نہیں چل رہی تھی۔ چربی، لحمیات اور وٹامن کی تو سب میں کمی تھی۔ سب کے ہونٹ بھی پھٹے ہوئے تھے اور کئی

لڑکوں کے جسموں کی جلد پر چھالے پڑے ہوئے تھے۔ ان کا معائنہ کرتے ہوئے ڈاکٹروں کو یہ اندازہ تو ہو گیا کہ ان کا گذارہ محض برف پر نہیں رہا بلکہ گذشتہ دس ہفتوں میں وہ اور کچھ بھی کھاتے رہے ہیں۔ انسیارٹی کی ٹانگ کی پٹی کرتے ہوئے ایک ڈاکٹر نے پوچھا،

"تم نے آخری کیا چیز کھائی تھی پہاڑوں میں ؟"

"انسانی گوشت"

ڈاکٹر بغیر کسی حیرانی کے اظہار کے پٹی میں مصروف رہا۔

فرنینڈیز اور مینجینو نے بھی برملا ڈاکٹروں کو بتا دیا کہ وہ پہاڑوں میں کیا کھاتے رہے ہیں ڈاکٹروں نے ان کے سامنے کسی ردعمل کا اظہار نہ کیا، البتہ سختی سے ہدایت کی کہ کسی صحافی کو ہسپتال میں نہ آنے دیا جائے۔ البتہ ان کی خوراک میں کوئی تبدیلی نہ کی گئی مینجینو، انسیارٹی اور ایڈورڈ سٹراج کو بے انتہا کمزوری کی وجہ سے رگوں کے ذریعے طاقت کے ٹیکے لگائے گئے تھے جب کہ باقی لڑکوں کو ہلکی اور زود ہضم خوراک دے کر آرام کرنے کے لیے کہا گیا۔ اس خوراک سے ان کا کیا بنتا۔ جب سے وہ ہسپتال آئے تھے، ٹھوس غذائیں انہوں نے وہ پنیر چکھا تھا جو کینیسا، لاس میٹنیز سے ساتھ لایا تھا۔ ان سب کو الگ الگ کمروں میں رکھا گیا تھا لیکن جو ذرا توانا تھے، انہوں نے چلت پھرت شروع کی اور جلد ہی ان میں یہ بات طے پاگئی کہ نرسوں سے کسی ٹھوس غذا کا مطالبہ کیا جانا چاہیے لیکن نرسوں نے انہیں مزید کچھ دینے سے صاف انکار کر دیا۔ تب انہوں نے نرسوں کو بہلانے پھسلانے کی کوشش کی۔ پیئیز ولارو نے وعدہ کیا کہ اگر وہ انہیں کھانے کو کچھ لا دیں تو انہیں خصوصی تحائف دے گا۔ لیکن وہ ان کے جھانسے میں آنے والی نہیں تھیں۔ انہوں نے بتایا کہ ڈاکٹروں کی سخت ہدایت ہے کہ انہیں کھانے کے لیے اور کچھ نہ دیا جائے۔ اس پر انہوں نے ڈاکٹروں کو کوسنا شروع کر دیا اور الزام لگایا کہ وہ جان بوجھ کر انہیں بھوکوں مارنے پر تلے ہوئے ہیں۔ ڈاکٹر خود وارڈ میں آئے اور ان کی شکایات سنیں۔ انہوں نے لڑکوں پر واضح کیا کہ اتنے دن بھوکے رہنے کے بعد ٹھوس غذا ان کے لیے نقصان دہ ثابت ہو سکتی ہے۔

"لیکن ڈاکٹر، کل میں نے لوبیا اور مکرونی کھائی۔ مجھے تو کچھ نہیں ہوا۔" کینیسا نے دلیل پیش کی۔ ڈاکٹروں نے ہار مان لی اور نرسوں کو کہا کہ سب کے لیے ایک ایک کھانا لایا جائے اب تک ڈاکٹروں پر یہ بات واضح ہو گئی تھی کہ جسمانی طور پر ان میں قابل تشویش

کوئی بات نہ تھی۔ اب ان کا دھیان ان کی ذہنی صحت کی طرف گیا۔ وہ یہ بات نوٹ کر چکے تھے کہ سب لڑکوں میں دو باتیں غیر معمولی طور پر موجود ہیں۔ ایک تو مسلسل باتیں کرنے کا رجحان، دوسرے تنہائی سے خوف، انسپارٹی کو جب سٹریچر پر ڈالا گیا تو اس نے ڈاکٹر آسپین کا ہاتھ پکڑ لیا تھا اور جب تک اسے اس کے کمرے میں لے جا کر اس کے بستر پر نہیں لٹایا گیا، اس نے یہ ہاتھ تھامے رکھا۔ اس کے بعد جو کوئی بھی اس کے کمرے میں جاتا، وہ مسلسل اس سے بولتا رہتا۔ دوسروں کا رویہ اس سے مختلف نہیں تھا۔ یہ کوئی غیر معمولی رویہ نہیں تھا۔ انہوں نے دس ہفتے اینڈیز کے خاموش پہاڑوں میں بسر کئے تھے تاہم ڈاکٹر جاننا چاہتے تھے کہ اس رویے کے پیچھے کوئی اور نفسیاتی پیچیدگیاں تو نہیں ہیں۔ اس لیے انہوں نے ہدایت جاری کی کہ کسی کو ان سے ملنے نہ دیا جائے۔ کارلیٹوس اور کینیا کی مائیں مونٹی ویڈو سے پہنچ چکی تھیں لیکن انہیں بھی انتظار کرنے کو کہا گیا۔

البتہ ایک آدمی کے لیے یہ ضوابط نرم کر دیے گئے۔ یہ سان فرنینڈو چرچ کا پادری تھا۔ "کرسمس کے معجزے" (اب جہاز کے حادثے میں بچنے والوں کی خبروں کو اسی نام سے پکارا جا رہا تھا) کی خبریں اس نے بھی سنی تھیں اور ہیلی کاپٹروں کو پرواز کرتے ہوئے دیکھ کر اسے خیال بھی آیا تھا کہ وہ ہسپتال جائے اور اپنی خدمات پیش کرے لیکن پھر اس نے سوچا کہ ہسپتال کی کارروائیوں میں مداخلت مناسب نہ ہو گی۔ اس نے چرچ میں ٹھہرے رہنے کو ترجیح دی۔ بعد میں وہ کسی کام سے ہسپتال آیا جہاں ڈاکٹر آسپین اور میلچ نے اسے دیکھ لیا اور خود ہی درخواست کی کہ وہ لڑکوں سے مل لے۔

یہ پادری ۲۶ سال کا ایک جوان آدمی تھا۔ ابھی پچھلے سال چرچ میں شامل ہوا تھا سب سے پہلے وہ کوشے انسپارٹی کے پاس گیا۔ انسپارٹی نے بڑے صوفیانہ انداز میں اپنے تجربات دہرائے۔

"یہ ایک ایسا تجربہ تھا جو کسی کے تصور میں بھی نہیں آ سکتا۔ میں ہر اتوار کو گرجے جایا کرتا تھا۔ مقدس عبادتوں میں شرکت میری عادت بن گئی تھی۔ لیکن وہاں ——— ان بلندیوں پر، ان گنت معجزوں کو دیکھ کر، خدا کے اتنا قریب رہ کر، اسے تقریباً چھو کر میں نے بہت کچھ سیکھا ہے۔ میں خداوند سے دعا کرتا ہوں کہ وہ مجھے نیکی پر قائم رہنے کی ہمت عطا فرمائے اور اب میں ان غلطیوں

میں ملوث نہ ہوں، جو مجھ سے سرزد ہوتی رہی ہیں۔ میں نے سیکھا ہے کہ زندگی محبت ہے اور محبت عطا کرنا سکھاتی ہے۔ ایک انسان کی روح اس کا قیمتی سرمایہ ہے اور اپنا آپ کسی اور کے حوالے کر دینے سے بڑی نیکی اور کیا ہو سکتی ہے.....‘‘

پادری اس کی بات سمجھ رہا تھا۔ اس نے اسے یقین دلایا کہ پہاڑوں میں وہ جو کچھ کرتے رہے ہیں، آسمانی باپ کی نظروں میں وہ کوئی پاپ نہیں۔ پھر وہ فرداً فرداً دوسروں کے پاس بھی گیا۔ سب کی ایک ہی کہانی تھی اور اکثریت کو ایک ہی احساس کھائے جا رہا تھا کہ اس نے کوئی جرم تو نہیں کیا۔ پادری نے سب کو تسلی دی اور سمجھایا کہ انتہائی مجبوریوں کے عالم میں، انہوں نے جو کچھ کیا، اس میں کوئی حرج نہیں۔ البتہ انسیارٹی کے بہت سے سوالات ایسے تھے، جن کا اس کے پاس کوئی جواب نہ تھا۔ انسیارٹی نے پوچھا تھا،

’’ایسا کیوں ہوا کہ وہ زندہ ہے، دوسرے مر گئے؟ اس انتخاب میں خدا کی کیا مصلحت ہو سکتی ہے؟ اس سے کیا نتیجہ نکلتا ہے؟‘‘

’’کچھ نہیں۔ کچھ نہیں‘‘ پادری نے جواب دیا۔ ’’کبھی کبھی ایسا ہوتا ہے کہ خداوند کی مشیت کا انسانی عقل احاطہ نہیں کر سکتی۔ بہت سے اسرار ایسے ہیں جو ہم نہیں سمجھ سکتے۔‘‘

پادری کی گفتگو نے اکثر لڑکوں کو سکون سے نوازا، تاہم کچھ ایسے بھی تھے جنہیں کسی تسلی تشفی کی ضرورت نہ تھی۔ انہیں پورا یقین تھا کہ جو کچھ انہوں نے کیا، درست تھا۔ انگورٹا ان میں سے ایک تھا۔

ملنے ملانے کے لمحات زیادہ دیر تک مؤخر نہیں کیے جا سکتے تھے۔ لڑکوں کے والدین اور رشتہ داران نزاکتوں کو نہیں سمجھ سکتے تھے جو ڈاکٹروں کے زیرِ غور تھیں۔ ان میں سے چند تو انتہائی صبر کا مظاہرہ کر رہے تھے لیکن حقیقت یہ تھی کہ ان سب کے لیے لڑکے مر کر زندہ ہوئے تھے اور سب سے اس صبر کی توقع نہیں کی جا سکتی تھی۔

ہیر بڈو کی شادی شدہ بہن گریشیلا پرائیویٹ مریضوں کے وارڈ میں داخل ہونے لگی تو ایک پولیس مین نے اسے روک لیا۔ وہ جھلا کر بولی،

’’میرا بھائی ہے یہاں، میں اس سے ملنا چاہتی ہوں!‘‘

اندر سے پیر بڈو کی آواز آئی۔ "گریشیلا میں یہاں ہوں"۔
اب اسے کون روک سکتا تھا، وہ پولیس مین کو دھکا دیتے ہوئے اندر بھاگی اور دوسرے ہی لمحے پیر بڈو کے کمرے میں تھی۔ وہ اسے دیکھتے ہی رونے لگی۔ اس کا بھائی قابل رشک صحت کا مالک تھا لیکن جس بھائی کو وہ اب دیکھ رہی تھی۔ ہڈیوں کا ڈھانچہ تھا، بال بکھرے ہوئے، شیو بڑھی ہوئی۔ اس نے آنکھوں پر ہاتھ رکھ لیا اور ہچکیوں میں ڈوب گئی۔ پیر بڈو نے نرمی سے اسے بازوؤں میں لے لیا۔ پیچھے پیچھے گریشیلا کا شوہر جوان، اور اس کے بعد جھکی جھکی کمر والا ایک بوڑھا، سیلر پیر بڈو کمرے میں داخل ہوا۔ اس شخص نے جب سے سنا تھا کہ اس کا بیٹا، بیٹی اور بیوی اینڈیز کے پہاڑوں میں حادثے کا شکار ہو گئے، زندگی سے کنارہ کشی اختیار کر لی تھی۔ وہ چلتی پھرتی لاش بن کر رہ گیا تھا بچ رہنے والوں کی فہرست شائع ہوئی تو اسے ایک غلط فہرست دکھائی گئی تھی جس میں تینوں کے نام شامل تھے۔ اسے اب حقیقت سے آگاہ کیا گیا کہ صرف بیٹا زندہ بچا ہے۔ بچھڑ جانے والوں کا غم ملنے والے کی خوشی۔ متضاد احساسات اس پر طاری تھے لیکن جب اس نے بیٹے کو گلے لگایا تو آنکھوں سے بہنے والے آنسو خوشی کے آنسو تھے۔

اسی برآمدے کے پرلے سرے پر کینیسا کا کمرہ تھا۔ وہ دوسرے لڑکوں کے رشتہ داروں کی آوازیں سن رہا تھا اور تصورات میں اپنے عزیزوں میں کھویا ہوا تھا کہ اس کے کمرے کا دروازہ کھلا اور اس کی کزن سرا کو کمرے میں داخل ہوئی۔ اس کا خیال تھا کہ سرا کو سے مونٹی ویڈیو میں ملاقات ہو گی جب اس کی صحت بحال ہو چکی ہو گی اور حلیہ ٹھیک ہو گا، اس حالت میں اس کا آنا مسرت سے زیادہ مایوسی کا سبب بنا ——— اس کے پیچھے پیچھے کینیسا کی ماں تھی جو دفار سے چلتی ہوئی کمرے میں آئی اور بولی "کرسمس مبارک ہو، رابرٹو!" لیکن اپنے بیٹے کی دھنسی ہوئی آنکھیں، شیو بڑھا چہرہ اور انتہائی لاغر حالت دیکھ کر ضبط کے بندھن ٹوٹ گئے اور وہ رونے لگی۔ ڈاکٹر کینیسا کمرے میں آیا تو اس سے بھی آنسو ضبط نہ ہو سکے۔ دل کا بوجھ ہلکا ہوا تو کینیسا نے اپنی داستان سنانی شروع کی اور الف سے ی تک تمام باتیں سنا ڈالیں جس میں یہ بات بھی شامل تھی کہ جان بچانے کے لیے انہیں انسانی گوشت تک کھانا پڑا۔ دونوں عورتیں تو اسی بات پر خوش تھیں کہ پیر بڈو زندہ سلامت انہیں مل گیا ہے۔ لیکن ڈاکٹر کینیسا یہ بات سن کر پھر رونے لگا۔ اس

بات سے یہ بھی ظاہر ہوتا تھا کہ اس کا بیٹا کن حالات سے گذر کر اس تک پہنچا ہے اور آئندہ جو طوفان اٹھنے والا تھا، اس کا اندازہ بھی ڈاکٹر کیبنیا ہی کر سکتا تھا۔

ایڈورڈ سٹراچ کی اپنی ماں، خالہ اور والد سے ملاقات بھی اسی انداز میں ہوئی اس کی ماں گرا بنڈال کی مریم کی عبادت کرتی رہی تھی لیکن اسے معلوم نہیں تھا کہ اسے اپنی دعاؤں کا صلہ ملے گا تو وہ ہڈیوں کا ڈھانچہ بن کر رہ گیا ہو گا۔ پھر جب سٹراچ نے بتایا کہ زندہ رہنے کے لیے انہیں کیا کچھ کھانا پڑا تو اس کے چہرے پر سراسیمگی پھیل گئی۔ میڈیلون راڈریگویز بھی اپنی دہشت کے اظہار سے باز نہ رہ سکیں۔

ماتا کی ماری مائیں اپنے بچوں کے زندہ مل جانے کے معجزے پر اعتقاد تو رکھے ہوئی تھیں اور اسی اعتقاد کی بنا پر ان کی تلاش میں مصروف رہی تھیں لیکن ان کا خیال تھا کہ حادثے کی جگہ ارد گرد درخت ہوں گے، جن کے پتے یا چھالیں چبا چبا کر وہ پیٹ بھر سکیں گے، آس پاس ندیاں ہوں گی جن سے پیاس بجھا سکیں گے، ندیوں میں مچھلیاں ہوں گی جنہیں پکڑنے کا وہ کوئی نہ کوئی انتظام کرلیں گے۔ اس طرف تو ایک لمحے کو بھی خیال نہ گیا تھا کہ زندگی بچانے کے لیے انہیں مردہ لاشوں کا گوشت نوچ نوچ کر کھانا ہو گا۔ لڑکے دہشت اور سراسیمگی کے اس ردعمل کو برداشت کر رہے تھے۔ انہوں نے جو کچھ کیا، جانیں بچانے کے لیے ضروری تھا لیکن انہیں معلوم تھا کہ عام انسانوں کا ردعمل اس پر یہی کچھ ہو سکتا ہے لیکن الگورٹا کا ردعمل مختلف تھا۔ اس نے اپنی ہونے والی ساس کے چہرے کے تاثرات دیکھے تو سخت حیران ہوا۔ اس کے خیال میں انہوں نے جو کچھ کیا تھا وہ جان بچانے کے لیے معمول کی بات تھی جس پر کسی حیرانی یا دہشت کے اظہار کی ضرورت نہ تھی۔

۱۴

رائی کے پہاڑ

اب ذرا ادھر پہاڑوں کا حال سنیئے جہاں جہاز کے آٹھ مسافر باقی تھے۔ پہلے تو وہ ہیلی کاپٹروں کو بلند ہوتا دیکھتے رہے۔ جب وہ پہاڑ کے پار چلے گئے تو زربینو امدادی کلب کے ارکان سے مخاطب ہوتا ہوا بولا،

"آئیں آپ کو وہ گھر دکھائیں جہاں ہم رہتے رہے ہیں۔"

جہاز کے ڈھانچے کی طرف بڑھتے ہوئے انہوں نے اردگرد انسانی اعضار کے انجر پنجر اور ہڑیاں بکھری ہوئی دیکھیں تو ایک نے پوچھا،

"مرنے والوں کو گدھ کھا گئے کیا ؟"

"نہیں ـــــ ہم خود کھا گئے۔" زربینو نے جواب دیا۔

لسیرو نے جو سب سے آگے آگے تھا، کسی ردعمل کا اظہار نہ کیا لیکن جب وہ جہاز کے دروازے پر پہنچا تو اس نے جہاز کی چھت پر گوشت کے ٹکڑے پڑے دیکھے۔ اسے تب یقین آیا کہ زربینو جو کچھ کہہ رہا تھا، سچ تھا۔ وہ ایک لمحے کو ٹھٹکا اور سر جھکا کر اندر داخل ہو گیا۔ زربینو اس کے ساتھ ساتھ تھا۔ اس نے اسے بتایا کہ وہ کس طرح اس ڈھانچے میں رہتے رہے ہیں، کیسے سوتے رہے ہیں اور کیسے ایوالانچ کی وجہ سے ان کے وہ آٹھ ساتھی جو جہاز کے حادثے میں بچ گئے تھے، ان سے بچھڑ گئے۔ لسیرو دلچسپی اور ہمدردی سے اس کی گفتگو سنتا رہا لیکن وہ اس ناگوار بدبو کو نظر انداز نہ کر سکتا تھا جو جہاز کے اندر پھیلی ہوئی تھی۔ اس کے میزبان زربینو کو تو شاید یہ بو محسوس ہی نہیں ہو رہی تھی۔ تاہم اس نے بھی اس کا ذکر کرنا مناسب نہ سمجھا۔ البتہ وہ جلد از جلد باہر کھلی ہوا میں لوٹ آیا۔

امدادی کلب کے باقی ارکان دوسرے افراد کے طبی معائنے اور ان کی بھوک مٹانے میں مصروف تھے پہلے انہیں گوشت کے سینڈوچ پیش کیے گئے، پھر مالٹوں، سنگتروں کا جوس اور گرم گرم سوپ جو سٹوو پر گرم کیا گیا تھا۔ پھر ڈیاز نے انہیں کیک پیش کیا۔

بر وہ اپنی سالگرہ کی مناسبت سے لایا تھا۔ لڑکوں کے لیے یہ سب کچھ کسی دعوت ولیمہ سے کم نہ تھا۔ انہوں نے پیٹ بھر کر کھایا اور انگلیوں سے مکھن چاٹتے رہے۔

کھانے پینے سے فراغت کے بعد امدادی کلب کے ارکان کو ہیلی کاپٹروں کی فکر ہوئی۔ پہلی مرتبہ تو وہ جیسے تیسے نیچے آ گئے تھے لیکن انہیں زبردست مشکل کا سامنا کرنا پڑا تھا۔ انہوں نے کوشش کی کہ چھوٹا موٹا عارضی سا ہیلی پیڈ تیار کیا جائے۔ انہوں نے جہاز سے پلاسٹک اور کارڈ بورڈ کے تختے کاٹے اور جہاں تک ممکن تھا، افقی طور پر برف پر بچھا دیے کہ ہیلی کاپٹروں کے آنے سے برف نہ اڑے اور وہ ان پر اتر سکیں۔ انہوں نے ارد گرد کی تصویریں بھی لیں۔ لڑکوں نے یہ دیکھا تو غصے کا اظہار کیا لیکن امدادی کلب کے ارکان نے انہیں سمجھایا کہ وہ چلی فوج کی طرف سے دی جانے والی ہدایات پر عمل کر رہے ہیں تصویریں اشاعت کے لیے جاری نہیں کی جائیں گی۔ لڑکے مطمئن ہو گئے ویسے بھی ان افراد سے جو ان کے لیے رحمت کے فرشتے بن کر آئے تھے، وہ درشت رویہ نہیں اپنا سکتے تھے بلکہ ایک شخص نے زربینو کو سگریٹ پیش کیا تو اسے اپنے وہ مکالمے یاد آئے جن کی وہ مشق کرتا رہا تھا۔ اس نے نہایت سنجیدگی اور بے نیازی سے کہا،

"نہیں شکریہ۔ میں اپنے سگریٹ پینا پسند کرتا ہوں۔"

یہ کہتے ہوئے اس نے اپنا یوراگوئے کا وہ آخری سگریٹ جسے وہ اسی لمحے کے لیے سنبھال کر رکھتا رہا تھا، نکالا اور ہونٹوں میں دبا کر سلگانے لگا۔ باقی لڑکے مسکرانے لگے۔

تقریباً چار بجے سہ پہر تک انہیں اس بات کا احساس ہو گیا کہ ہیلی کاپٹر واپس نہیں آئیں گے۔ اس احساس نے آٹھوں افراد پر سوگوار کیفیت طاری کر دی۔ خدا خدا کر کے امداد پہنچی تھی لیکن ایک اور رات وہاں گذارنے کے خیال نے انہیں اداس کر دیا۔ امدادی کلب کے ارکان اور میڈیکل اردلی نے انہیں باتوں میں لگا کر ان کی توجہ ہٹانا چاہی۔ پھر سٹوو جلا کر ان کے لیے سوپ تیار کیا، پہلے چکن سوپ، پھر پیاز کا سوپ، پھر مختلف سبزیوں کا سوپ ــــ متھول کی فرمائش پر کافی بھی بنائی گئی۔ جب سورج چھپ گیا تو انہوں نے رات گذارنے کی تیاری کی۔ چاروں نو وارد جہاز کے اندر پھیلی ہوئی بدبو کی وجہ سے رات باہر گذارنا چاہتے تھے لیکن میزبانوں کا اصرار تھا کہ وہ بھی ان کے "گھر" میں سوئیں۔ لیکن امدادی کلب کے ارکان نے باہر برف پر ایک خیمہ گاڑا۔ لڑکوں کو یہ بات

ناگوار گذری کہ ان کی پیش کش کو ٹھکرا دیا گیا ہے لیکن ان کے اصرار پر ڈیاز نے رات ان کے ساتھ گذارنے پر آمادگی ظاہر کر دی۔ ویسے بھی انہوں نے دھمکی دی تھی کہ اگر کوئی بھی ان کے ساتھ جہاز میں نہ آیا تو آدھی رات کو وہ خیمہ اکھاڑ دیں گے۔

دوسری صبح ڈیاز کی سالگرہ تھی۔ وہ ان آٹھ افراد کے درمیان بیٹھا باتیں کرتا رہا۔ اس نے تفصیل سے انہیں بتایا کہ اینڈیز ریسکیو کلب کے ارکان کی کیا کیا ذمہ داریاں ہوتی ہیں اور اب تک وہ کتنی مہمات میں کیسے کیسے حصّہ لیتا رہا ہے۔ جواب میں انہوں نے اسے اپنی داستان سنائی۔ اس نے انہیں متنبہ کیا کہ انسانی گوشت کھانے کی خبریں جب باہر کی دنیا کو ملیں گی تو ہر طرف ایک سنسنی پھیل جائے گی۔ "لیکن کیا وہ ہماری مجبوریاں سمجھ جائیں گے؟"

"ہاں۔ جب انہیں تفصیلی حالات پتہ چلیں گے تو ہر کوئی سمجھ جائے گا کہ تم لوگوں نے وہی کچھ کیا، جو کرنا چاہیے تھا۔"

آدھی رات کو گھڑی کی سوئیاں ملیں تو ڈیاز اڑتالیس سال کا ہو گیا تھا۔ یوراگوئے کے آٹھوں باشندوں نے انہیں سالگرہ کی مبارکباد دی اور "ہیپی برتھ ڈے ٹو یو" گایا باقی رات بھی انہوں نے آنکھوں میں کاٹ دی۔ صبح سویرے ان کے تمام تر خیالات ناشتے پر مرتکز تھے۔ وہ باہر نکلے تو خیمے پر ہو کا عالم طاری تھا۔ چلی کے تینوں افراد سوئے ہوئے تھے انہوں نے باقاعدہ نعرہ بازی شروع کر دی، "ہمیں ہمارا ناشتہ دو۔ ناشتہ ناشتہ" تھوڑی دیر میں خیمے کا ایک پردہ سرکا جس کے پیچھے سے لُسیرو اور ویلیجز کا چہرہ دکھائی دیا۔

"کیا چاہیے تمہیں ناشتے میں؟"

"کل ہم نے کافی پی تھی، آج چائے ہو جائے۔"

"چائے ـــــ او کے، ٹھیک ہے۔"

تھوڑی دیر بعد سب لوگ چائے اور بسکٹوں پر مشتمل ناشتے میں مصروف تھے۔ ناشتے کے بعد لُسیرو نے انہیں بتایا کہ جب ہیلی کاپٹر آئے تو کس طرح اس کے پروں سے بچتے ہوئے اس میں سوار ہونا ہے۔ ہیلی پیڈ جو انہوں نے گذشتہ روز بنایا تھا، مناسب نہیں تھا اور لُسیرو کا خیال تھا کہ انہیں چلتے انجن کے ساتھ ہی اس میں سوار ہونا ہوگا۔ اس کے بعد انہوں نے

وہاں سے سفر کی تیاری کی۔ اپنے کپڑے جھاڑے، بالوں میں کنگھی کی۔ زربینو اور فرینڈیز دو سوٹ کیس جہاز سے باہر لائے جس میں مرنے والوں کے کاغذات اور کرنسی کے نوٹ تھے۔ زربینو سرخ جوتوں کے جوڑے کا وہ جوتا بھی لے آیا جو پیرینڈو جہاز سے لٹکا گیا تھا۔ پیسرو نے سوٹ کیس دیکھا تو کہا کہ ہیلی کاپٹر میں اسے لے جانا مشکل ہوگا لیکن جب اسے بتایا گیا کہ سوٹ کیس میں کیا ہے تو وہ چپ ہو رہا۔

دس بجے انہوں نے ہیلی کاپٹروں کی آوازیں سنیں۔ صبح کے وقت ہوا میں تندی یا تیزی نہیں تھی اور انہیں کل جیسی مشکلات کا سامنا نہیں تھا۔ آہستہ آہستہ بلندی کم کرتے تین ہیلی کاپٹر نیچے آئے اور پھر ان میں سے ایک اتنا نیچے آیا کہ اس کے برفانی تختے برف کو چھونے لگے۔ تین لڑکے سوار ہونے کے لیے آگے بڑھے لیکن ہیلی کاپٹر کے پروں سے جو ہوا پیدا ہو رہی تھی، انہیں پیچھے دھکیلنے کے لیے کافی تھی۔ بوبی فرینکو نیکس نے رائے ہارلے کی مدد کرنے کی کوشش کی لیکن خود بھی ہوا کے زور سے گر گیا۔ بالآخر امدادی کلب کے ارکان آگے بڑھے اور انہیں سوار کرایا۔ یہ اوپر اٹھا تو دوسرے ہیلی کاپٹر نے باقی دو افراد کو جس میں زربینو اپنے سوٹ کیس سمیت شامل تھا، سوار کرایا۔ ہوا پرسکون تھی۔ تینوں ہیلی کاپٹر آسانی سے بلندی پر پہنچے، چوٹی کو عبور کیا اور بہت جلد لاس میٹنز پہنچ گئے۔ ہیلی کاپٹروں کے رکتے ہی ان کے مسافروں نے باہر چھلانگیں لگائیں اور سبز سبز گھاس کو دیکھ کر خوشی سے قلابازیاں لگانا شروع کر دیں وہ ہنس رہے تھے، چیخ رہے تھے، ایک دوسرے کو گلے لگا لگا کر مبارک باد دے رہے تھے اور باآواز بلند خدا کا شکر ادا کر رہے تھے۔ ایک دن پہلے پیئنز کی طرح، منتھول نے بھی ایک پھول توڑا اور اس کی خوشبو سے لطف اٹھانے کی بجائے، منہ میں رکھ کر چبانے لگا۔

گارشیا تو فوراً ہی امدادی کلب کے ارکان اور میڈیکل اردلی کو لینے واپس چلا گیا۔ باقی افراد کا طبی معائنہ شروع ہوا کہ ان میں سے کسی کو فوری علاج کی ضرورت تو نہیں معائنہ کرنے والا فوج کا ایک ڈاکٹر تھا جس نے رائے دی کہ پورا گروپ کے آٹھوں باشندے اطمینان سے سفر کر سکتے ہیں۔ ویسے بھی ان کے رویّے سے یوں لگتا تھا جیسے وہ کسی پکنک پر آئے ہوئے ہیں۔ انتہائی کمزوری کے باوجود وہ اپنے غم بھول گئے تھے اور اتنے دنوں بعد خود کو اپنے جیسے انسانوں میں پاکر مسلسل ان سے باتیں کر رہے تھے کچھ نے قریب کے

دریا پر جا کر منہ ہاتھ دھویا، کچھ کسانوں سے باتیں کرتے رہے۔ گسٹاف زربینو نے تولکیلان سے گھوڑا مانگا کہ تھوڑی دیر وہ اس کی سواری کرنا چاہتا تھا۔

آدھ گھنٹے بعد گارشیا امدادی کلب کے تینوں ارکان اور میڈیکل اردلی کو لے کر واپس پہنچ گیا۔ پھر سب ہیلی کاپٹروں میں سوار ہوئے اور سان فرنینڈو کی طرف روانہ ہو گئے۔ فیتو سٹراچ، لوبی فرینکوئیس، مونچو سبیلا اور گسٹاف زربینو پہلے ہیلی کاپٹر میں تھے۔ سان فرنینڈو پہنچ کر جوں ہی وہ کمانڈ ہیڈ کوارٹر کی گراؤنڈ میں اترے تو فیتو کی ماں اور باپ اپنے بیٹے کے منتظر تھے۔ دو مہینوں کے انتظار اور نا امیدیوں کا کرب ان کے چہروں پر سمٹ آیا تھا۔ بیٹے سے ملنے کی خوشی بھی تھی لیکن درد کے لمحات اتنی جلدی بھلائے نہیں جا سکتے تھے۔ جوں ہی ہیلی کاپٹر کے پر رکے، دروازے کھلے، دونوں آگے بڑھے اور اپنے بیٹے کو بازوؤں میں لے کر رونے لگے۔ زربینو اور لوبی فرینکوئیس کے والدین بھی موجود تھے۔ دس ہفتے پہلے حادثے کے بعد ہی انہوں نے اپنے بیٹوں پر صبر کر لیا تھا لیکن زندہ سلامت، ایک بار پھر وہ ان کے سامنے موجود تھے۔ ڈاکٹر فرینکوئیس کے لیے تو یہ روز حشر تھا کہ جس کے بارے میں اس نے کبھی سوچا تھا نہ کبھی اس کی توقع تھی کہ قیامت کے اس دن کا مشاہدہ اسے اپنی زندگی میں اس طرح کرنا ہوگا۔

دوسرے ہیلی کاپٹر میں رائے ہارلے، جیویر متھول، انطونیو وزنطین اور پانچو ڈیلگاڈو سوار تھا۔ ان چار میں سے صرف رائے ہارلے کے والدین موجود تھے۔ انہوں نے اپنے بیٹے کو دیکھا تو تمام جہان کا درد ان کے چہروں پر سمٹ آیا۔ انہیں یہ خیال تو تھا کہ ان کا بیٹا کمزور ہو چکا ہوگا، لیکن ہڈیوں کے ڈھانچے پر مشتمل، نحیف و نزار سی اس شکل کا تو انہوں نے تصور بھی نہ کیا تھا۔

ایک بار پھر سب کا معائنہ کیا گیا۔ ڈاکٹروں نے رائے دی کہ وہ ٹھیک ٹھاک ہیں اور فوری طور پر انہیں کسی علاج کی ضرورت نہیں چنانچہ باہمی مشورے کے بعد لوراگوے کے ناظم الامور سیزر رشا۔ لون نے یہ فیصلہ دیا کہ انہیں سان فرنینڈو کے ہسپتال بھیجنے کی بجائے فوری طور پر سانٹیاگو روانہ کیا جائے۔ یہ ۲۳ر دسمبر ہفتے کا دن تھا اور اس کا خیال تھا کہ وہ کرسمس کا دن اپنے قریبی دوستوں اور عزیزوں میں منائیں چنانچہ سب افراد ایک بار پھر ہیلی کاپٹروں میں سوار ہوئے۔ زربینو اور رائے ہارلے کے والدین کو اپنے

بیٹوں کے ساتھ سفر کرنے کی اجازت دے دی گئی۔ تھوڑی دیر بعد وہ سانٹیاگو کے ایک بڑے ہسپتال کی چھت پر اترے۔

○

ادھر سان فرنینڈو کے ہسپتال میں جو لڑکے داخل تھے، رات انہوں نے وہیں گذاری۔ آرام دہ بستر ان کی روحوں کو سکون دینے کے لیے کافی نہیں تھے۔ دانیال فرنینڈیز سویا تو اس نے خواب میں دیکھا کہ وہ ایک ایوالانچ کی زد میں آگیا ہے۔ چیخیں مارتا ہوا وہ اٹھ کر بیٹھا تو اس نے دیکھا کہ اس پر سفید برف کا نہیں، اجلی اجلی چادروں اور کمبلوں کا بوجھ تھا۔ اس نے دوبارہ سونے کی کوشش کی۔ تھوڑی دیر بعد وہ پھر بڑبڑایا، "یہ کون مجھے ٹانگیں مار رہا ہے؟" آنکھ کھلی تو اس نے خود کو ہسپتال کے بستر میں اکیلا پایا۔

کوشے انسیارٹی زیادہ گہری نیند سویا۔ اس کی آنکھ پرندوں کے چہچہانے سے کھلی۔ وہ لیٹا رہا۔ جب نرس آئی تو اس نے اس سے کھڑکی کھولنے کی درخواست کی۔ صبح کی تازہ ہوا کمرے میں در آئی تو اس نے آنکھیں بند کر کے گہرے گہرے سانس لیے۔ باقی لڑکوں میں سے جو صحت مند تھے۔ برآمدے میں آبیٹھے اور کھڑکی میں سے باہر جھانکنے لگے جہاں اینڈیز پہاڑوں کے دامن میں سبزہ لہلہا رہا تھا۔

تقریباً آٹھ بجے پادری انڈریز ایک ٹیپ ریکارڈر لیے ہسپتال آیا اور لڑکوں کے بیانات ریکارڈ کیے۔ مینجینو نے کہا،

"جان بچانے کی شدید خواہش اور خدا پر بھرپور ایمان ہمارے احساسات پر حاوی تھا۔ ہم سب متحد رہے۔ جب کسی ایک کا حوصلہ پست ہو جاتا تو باقی سب اس کی ہمت بڑھاتے۔ ہم ہر رات دعائیہ نظمیں پڑھتے تھے جس نے ہمیں ایمان ویقین سے سرشار کیے رکھا۔ اس ایمان نے ہمیں اب تک زندہ رکھا۔
اس تجربے نے مجھے بالکل بدل دیا ہے۔ اب میں مختلف آدمی ہوں
تعریف اور شکر خدا ہی کو لائق ہے۔"

کارلیٹوس پیگیز نے کہا،

"ہمیں امید ہے کہ ہمارے تجربے سے دنیا میں خدا پر ایمان کو فروغ ہوگا۔

اپنے بچھڑ جانے والے دوستوں کی وجہ سے ہمارا تجربہ سوگوار ضرور ہے، لیکن اس نے ہمیں بہت کچھ سکھایا ہے۔ یہ میری زندگی کا عظیم تجربہ تھا۔۔۔۔۔ مجھے رگبی کے کھلاڑی ہونے کی حیثیت سے بھی طویل تجربات حاصل ہیں۔ جب ایک گول ہوتا ہے تو اس کے پیچھے انفرادی نہیں پوری ٹیم کی کوشش شامل ہوتی ہے۔ اس تجربے میں یہ بات نمایاں ہیں۔ ہم اگر بچ گئے ہیں تو اس میں انفرادی کوششوں کا دخل نہیں۔ ہم سب نے ایک ٹیم کی طرح وقت گذارا، خدا پر بھرپور ایمان رکھا اور اس سے دعا کرتے رہے۔"

ساڑھے دس بجے ایک پریس کانفرنس کا اہتمام کیا گیا تھا اور بے تاب صحافیوں کو اجازت دی گئی کہ وہ لڑکوں سے مل لیں۔ گذشتہ روز سے ہی انہوں نے ہسپتال کو گھیرے میں لے رکھا تھا اور اندر آنے کے لیے بے چین تھے۔ انسیارٹی اور مینجینو تو اپنے بستر ہی میں رہے لیکن باقی لڑکے ہسپتال کے برآمدے میں آ گئے اور فوٹو گرافروں کو موقع دیا کہ وہ ان کی تصویریں بنا لیں۔ آج وہ صاف ستھرے کپڑوں میں ملبوس تھے۔ کچھ تو ہسپتال والوں نے خرید دیے تھے اور کچھ شہر کی تاجر برادری نے تحفتاً پیش کیے تھے۔ پریس کانفرنس مختصر تھی۔ جب ان سے پوچھا گیا کہ پہاڑوں میں زندہ رہنے کے لیے وہ کیا کھاتے رہے تو ان کا جواب تھا کہ سفر پر روانہ ہونے سے پہلے انہوں نے مینڈوزا سے بہت سا پنیر خریدا تھا، کچھ وہ کام آیا اور کچھ وہ جھاڑیاں جو آس پاس اگ رہی تھیں۔

گیارہ بجے ہسپتال کے قریبی چرچ میں دعائیہ اجتماع کا اہتمام تھا۔ تین پادریوں اور ایک بشپ نے دعائیں پڑھیں۔ لڑکوں کو پہیے دار کرسیوں پر ہسپتال سے لایا گیا اور سب سے اگلی صفوں میں جگہ دی گئی ۔۔۔ ان کے نحیف چہروں پر شکر کے جذبات نمایاں تھے۔ پہاڑوں میں گذارے جانے والے دنوں میں ایک لمحے کے لیے بھی خدا پر ان کا ایمان متزلزل نہ ہوا تھا۔ خدا کی محبت پر یقین رکھتے ہوئے وہ زندہ رہنے کے لیے کوشاں رہے اور وہ تاریخی لمحہ آ پہنچا تھا جب وہ چرچ میں جمع ہو کر اجتماعی عبادت کے ذریعے شکر کا اظہار کر سکیں۔

انہوں نے پادریوں سے برکت حاصل کی اور سانٹیاگو جانے کے لیے تیار ہو گئے فیصلہ یہ ہوا تھا کہ مینجینو اور انسیارٹی کو ایمبولینس کے ذریعے سانٹیاگو کے بڑے ہسپتال

لے جایا جائے گا جب کہ باقی افراد سیدھے شیرٹن ہوٹل جائیں گے اور پوراگوئے سے آنے والے دوستوں اور عزیزوں کے ہمراہ کرسمس منائیں گے۔ روانگی سے قبل کچھ لڑکوں نے سان فرینڈو کے شہریوں کی دعوتیں بھی قبول کیں۔ کیفیا فیملی نے ڈاکٹر آسین کے ساتھ دوپہر کا کھانا کھایا۔ پیریڈو، اپنی بہن، سالے اور والد سمیت ایک شخص رکی کے ریسٹورنٹ گیا جہاں سے بعد میں انہیں ایک شیورلیٹ کار میں سانٹیاگو روانہ کر دیا گیا۔

لاس میٹینز سے سانٹیاگو کے ہسپتال پہنچنے والوں میں جیویر متھول پہلا شخص تھا۔ ہسپتال کی سب سے اوپری منزل ان کے لیے خالی کروائی گئی تھی اور چونکہ ہیلی کاپٹر ہسپتال کی چھت پر اترے تھے اس لئے صرف ایک منزل نیچے آنے میں کوئی دقت نہ ہوئی۔ البتہ ہسپتال کی راہداریاں عام لوگوں سے بھری پڑی تھیں جو ان کے استقبال کو وہاں جمع تھے وہ پوراگوئے کے باشندوں کی معجزانہ زندگی پر خدا کی تقدیس بیان کر رہے تھے اور کئی لوگوں کی آنکھوں میں آنسو جھلملا رہے تھے۔

متھول کو کمرے میں لے جایا گیا تو سب سے پہلے اس نے نہانے کی خواہش کا اظہار کیا۔ نرس اسے قریبی غسل خانے میں لے گئی۔ متھول نے انتظار کیا کہ نرس واپس چلی جائے لیکن وہ بولی کہ اسے اس کا ذمہ دار ٹھہرایا گیا ہے اس لیے وہ ایک لمحے کو بھی اسے اکیلا نہیں چھوڑے گی۔ وہ کتنا ہی شرمیلا کیوں نہ ہوتا، اس وقت اسے خود سے اتنی گھن آرہی تھی کہ نرسوں کا ایک گروہ بھی ہوتا تو وہ جھجک محسوس نہ کرتا۔ اس لیے اپنے کیچٹ، غلیظ کپڑے اتارے اور گرم پانی کے نلکوں کی تیز پھوار کے نیچے کھڑا ہو گیا۔ پانی تیز گرم تھا لیکن اسے راحت محسوس ہو رہی تھی۔ اس نے مل مل کر خود کو صاف کیا۔ پھر تولیے سے جسم خشک کر کے ہسپتال کے دیے ہوئے ڈھیلے ڈھالے کپڑے پہن لیے۔ وہ خود کو ہلکا پھلکا اور نیا آدمی محسوس کر رہا تھا۔ پہیوں والی کرسی پر بیٹھ کر واپس اپنے کمرے میں آیا تو باقی لڑکے اپنے گندے کپڑوں میں ملبوس اس کے کمرے میں جمع تھے۔ متھول بولا،

"کون ہیں یہ غلیظ لوگ ــــــ نکالو انہیں میرے کمرے سے۔"

نہلانے دھلانے کے بعد ڈاکٹروں نے سب کا تفصیلی طبی معائنہ کیا، ان کے ایکسرے لیے گئے خون کے ٹیسٹ کئے گئے۔ معائنے کے بعد یہ رائے دی گئی کہ متھول اور ہارلے کے علاوہ سب کرسمس منانے شیرٹن ہوٹل جا سکتے ہیں۔ ان دونوں کو انسیارٹی اور مینجینو کے ساتھ رکھا گیا جو

سان فرینڈو سے وہاں پہنچ چکے تھے۔ ان چاروں میں رائے بارسے کی حالت سب سے نازک تھی۔ خون کے معائنوں سے پتہ چلا تھا کہ اس میں پوٹاشیم کی سخت کمی پیدا ہو گئی تھی جو بعض اوقات دل کے لیے خطرناک تھی۔

باقی افراد نہ صرف ٹھیک ٹھاک تھے بلکہ ان کی شوخیاں بھی لوٹ آئی تھیں۔ گستاف زربینو نئے جوتے خریدنے ہسپتال سے بھاگ نکلا۔ باہر اس کا والد مل گیا۔ دونوں بازار چلے گئے۔ مونچو سبیلا کو کوکا کولا کی ایک بوتل ہاتھ لگ گئی، وہ بلا تردد اسے غٹا غٹ پی گیا۔

ڈاکٹر ان کی رپورٹوں پر غور کر رہے تھے اور وہ کھانے کو مانگ رہے تھے۔ نرس ان کے لیے چائے، بسکٹ اور پنیر لے کر آئیں۔ مزید پنیر کا مطالبہ کیا گیا جسے پورا کر دیا گیا۔ اس کے فوراً بعد لنچ کا بندوبست کیا گیا جو گوشت، آلوؤں، ٹماٹروں، سبزیوں اور جیلی پر مشتمل تھا۔ جیلی تو ایک منٹ میں ختم ہو گئی۔ پھر انہوں نے کرسمس کیک کا مطالبہ کیا۔ انہیں بتایا گیا کہ فی الحال کیک نہیں ملے گا، وہ آرام فرمائیں۔

سات بجے شام ڈیلگاڈو، سبیلا، فرنیکوئیس، ورزنطین، زربینو اور فلیٹوسٹراچ کرسمس کی تقریب میں شرکت کے لیے شیرٹن ہوٹل گئے۔ پیچھے رہ جانے والوں کو نو بجے کرسمس کیک پیش کیا گیا۔ ساتھ ہی یہ بتایا گیا کہ گیارہ بجے انہیں ایک اور حیران کن چیز پیش کی جائے گی اور واقعی مقررہ وقت پر انتہائی لذیذ چاکلیٹ اور کریم سے بنائی گئی ایک ڈش لائی گئی۔ چاروں نے پیٹ بھر کر کھائی اور لمبی تان کر سو گئے۔

ایک گھنٹے بعد جیویر متھول کی آنکھ کھلی تو اس کے پیٹ میں سخت درد تھا۔ اس نے گھنٹی بجا کر نرس کو بلایا اور کہا کہ کھانا ہضم کرنے کی کوئی دوا لائے۔ وہ ایک گولی لائی جسے کھا کر متھول پھر سو گیا لیکن گھنٹے کے بعد دوبارہ اٹھ بیٹھا۔ اس کے معدے نے الم غلم کھانے پر سخت احتجاج کیا ہوا تھا۔ اسے دست لگ گئے تھے۔

۲۳ دسمبر کی شام تک یوراگوئے کے وہ تمام شہری جو حادثے میں بچ جانے والوں سے ملنے کے لیے چلی آئے تھے۔ سانٹیاگو میں کہیں نہ کہیں مقیم ہو چکے تھے۔ بچنے والے لڑکے ان کے والدین اور رشتہ دار شیرٹن ہوٹل میں ٹھہرے جب کہ بچھڑ جانے والوں کے عزیز شہر کے ایک اور حصے میں نسبتاً متوسط ہوٹل سریلون میں مقیم تھے۔

وہاں گستاف نکولیچ کے والد نے وہ دو خط کھولے جو زربینو نے اسے دیے تھے۔

یہ خط اس کے بیٹے نے پہاڑوں پر اس کے نام لکھے تھے۔ ایک خط میں لکھا تھا،

"یہ بات آپ کے لیے ناقابل اعتبار ہو گی۔ خود مجھے بھی اس پر اعتبار نہیں آرہا ——— کہ آج ہم نے مرجانے والے ساتھیوں کی لاشوں کا گوشت کاٹا۔

زندہ رہنے کے لیے ہمارے پاس کھانے کو یہی کچھ رہ گیا ہے۔۔۔۔۔۔۔

اگر یہ نوبت آئی کہ کسی اور کو بچانے کے لیے میرے جسم کے گوشت کی ضرورت پڑی تو میں بخوشی اپنا جسم پیش کر دوں گا۔"

سرپلون میں مقیم افراد میں گسٹاف نکولچ پہلا شخص تھا جسے یہ بات پتہ چلی کہ بچنے والے افراد ان کے بیٹوں کی لاشیں کھاکر زندہ رہے ہیں۔ وہ پہلے ہی غمگین تھا۔ یہ خط پڑھ کر بالکل ادھ موا ہو گیا۔ دوسرا خط اس کی ہونے والی بہو کے نام تھا۔ لیکن اس نے وہ خط چھپا لیا۔

ادھر شیرٹن ہوٹل میں جمع ہونے والے افراد رنگ رلیاں منا رہے تھے۔ ان میں سے آدھے کے والدین وہاں موجود تھے۔ پوچو ڈیلگاڈو اور رابرٹو کینیسا کی وفادار منگیتر بھی ان کے ساتھ تھیں ہسپتال میں کوشے السیارٹی کی منگیتر اس کے پاس پہنچ گئی تھی۔ ہوٹل کا نقشہ فیر چائلڈ سے یکسر مختلف تھا۔ وہاں بے بسی کے ڈیرے تھے، یہاں خوشیاں بکھری پڑی تھیں۔ عمارت بھی نئی تھی، ایک تالاب تھا اور ایک ریسٹورنٹ۔ موخرالذکر جگہ سے اٹھنے والی خوشبوئیں لڑکوں کی اشتہا تیز کر رہی تھیں اور ان کی زیادہ توجہ کا مرکز یہی ریسٹورنٹ تھا۔ گوشت کے پارچے، سلاد، کیک، آئس کریم، ہر چیز کی شامت آئی ہوئی تھی۔ کوئی اور وقت ہوتا تو شاید کوئی بزرگ اس حریصانہ رویے پر یقیناً اعتراض کرتا لیکن یہ موقع ایسا تھا کہ ہر طرف قہقہے بکھر رہے تھے۔ لڑکوں کی حریصانہ نظریں اور بڑے بڑے لقمے بھی باعث مسرت تھے۔

سبیلا اور کینیسا خوشی کے ان لمحات میں بھی خود کو سنبھالے ہوئے تھے اور انتہائی وقار کا مظاہرہ کر رہے تھے۔ جب ڈاکٹر سرا کو نے کینیسا سے پوچھا کہ فیر چائلڈ کے مقابلے میں ہوٹل تو زبردست عیاشی لگ رہا ہو گا تو اس نے سنجیدگی سے جواب دیا کہ اس کے نزدیک ہوٹل کی آئس کریم اور کسان کی جھونپڑی میں کھائی جانے والی پنیر میں کوئی فرق نہیں تھا۔

خوشی کے ان لمحات میں کوئی اداس تھا تو وہ چند والدین جنہیں یہ فکر کھائے جارہی تھی۔

کہ جب دنیا کو یہ پتہ چلے گا کہ یہ لوگ خود کو زندہ رکھنے کے لیے اپنے ساتھیوں کی لاشوں کا گوشت کھاتے رہے ہیں تو کیا ہوگا۔ لڑکوں کو اس کی فکر نہیں تھی۔ انہوں نے جو کچھ کیا وہ اس پر مطمئن تھے اور یہ بات ان کے نزدیک کسی طرح بھی معقول نہ تھی کہ انہیں متبادل راستہ اختیار کرنا چاہیے تھا یعنی لاشوں کے احترام میں وہ انہیں ہاتھ نہ لگاتے اور خود بھی موت کے منہ میں چلے جاتے لیکن سریلون ہوٹل سے آنے والے لڑکوں کے عزیز بھی یہاں پہنچ گئے تھے اور جاننا چاہتے تھے کہ ان کے بیٹوں، بھائیوں کی موت کن حالات میں واقع ہوئی۔ وہ مسلسل سوالات کر رہے تھے۔ اس کے علاوہ ہوٹل کے چاروں طرف صحافیوں اور فوٹوگرافروں کا ہجوم تھا صحافی سوال پہ سوال کر رہے تھے اور فوٹوگرافر تصویر پہ تصویر اتارے جا رہے تھے۔ لڑکے قطعاً اس موڈ میں نہیں تھے کہ ان تلخ یادوں کو دہرایا جائے جو ان کے لاشعور میں رچ بس گئی تھیں اس رات سبیلا کی کئی بار آنکھ کھلی۔ وہ جب اٹھتا روم سروس کو فون کرتا اور کچھ نہ کچھ کھانے کو طلب کرتا۔ اس کے بھائی پر بھی یہ رات بھاری گذری کہ وہ اس کے کمرے ہی میں سو رہا تھا۔

۲۴ دسمبر کو مرکزی ہسپتال میں رکھے جانے والے چاروں مریضوں کو بھی شیریٹن ہوٹل جانے کی اجازت مل گئی اور سولہ کے سولہ افراد ایک بار پھر اکٹھے ہو گئے۔ اکٹھے رہنے کے یہ لمحات بہت مختصر تھے۔ فرینکوئیس اور دانیال فرنینڈیز اور ان کے گھر والے فوری طور پر سانٹیاگو واپس جانا چاہتے تھے۔ دانیال کے دونوں چچا اور چچیاں اس کے ساتھ تھیں لیکن وہ اپنے والدین سے ملنے کے لیے بے تاب تھا اور نہیں چاہتا تھا کہ وہ خوامخواہ سانٹیاگو آنے کی زحمت گوارا کریں۔

باقی لڑکوں نے سوچا کہ وہ بازار جا کر اپنے لیے کپڑے خرید لائیں۔ وہ ٹیکسی لینا چاہتے تھے لیکن مقامی لوگ ان کی خوشیوں میں برابر کے شریک تھے، وہ اصرار کر کے انہیں اپنی کاروں میں بازار لے گئے۔ برف میں آہستہ آہستہ چلنے کی انہیں عادت پڑ گئی تھی۔ بازاروں میں بھی وہ اسی رفتار سے آہستہ آہستہ یوں چل رہے تھے گویا زور سے قدم رکھا تو برف میں دھنس جائیں گے۔ اپنی چال اور کمزور سی صحت کی وجہ سے وہ صاف پہچانے جاتے تھے کہ وہ انیڈیز کے پہاڑوں میں بچ جانے والے افراد ہیں۔ شہر کے لوگوں نے ان سے انتہائی محبت کا سلوک کیا اور ایسی شفقت سے انہیں ملے گویا خود ان کے بیٹے ہوں۔ دکانوں میں جا کر انہوں

نے اپنے لیے کپڑوں کا انتخاب کیا تو دکانداروں نے پیسے لینے سے انکار کر دیا۔ اور اصرار کیا کہ وہ کپڑے ان کی طرف سے تحفے سمجھ کر قبول کریں۔ سگرٹوں کی قلت تھی۔ ایک دکان پر سگریٹ لینے والوں کی قطار لگی ہوئی تھی۔ انہوں نے بھی قطار میں کھڑا ہونا چاہا لیکن جو لوگ سگریٹ لے چکے تھے انہوں نے انتہائی خلوص سے اپنی سگرٹیں انہیں پیش کر دیں۔

جب وہ ہوٹل واپس پہنچے (ہیر بڈو شہر کے وسط سے پیدل چل کر آیا) تو ایک گروپ کی شکل میں بیٹھ گئے۔ انہوں نے سفید شراب کی ایک بوتل کا آرڈر دیا تو قریبی میز پر بیٹھے لوگوں نے اپنی بوتل انہیں پیش کر دی۔ ایک بچہ دوڑا دوڑا آیا اور چیونگم کا ایک بکس انہیں تھما کر لوٹ گیا۔

ہر کوئی انہیں تحسین بھری نظروں سے دیکھ رہا تھا، صرف اس لیے نہیں کہ وہ چلی کی طویل سرحدوں کے ساتھ ساتھ واقع اینڈیز پہاڑوں کی سختیاں جھیل آئے تھے بلکہ اس لیے بھی کہ ان کی زندگیاں کسی معجزے سے کم نہ تھیں۔ ایک عورت کا بیٹا بیمار تھا۔ اس نے ان لڑکوں کی خبر سنی تو وہ یہ اعتقاد لے کر ہوٹل آئی کہ اگر وہ ان میں سے کسی کو گلے لگائے گی اور شفقت سے اس کے سر پر ہاتھ پھیرے گی تو اس کا اپنا بیٹا بھی ٹھیک ہو جائے گا۔

اسی شام ہیر اگوئے کے ناظم الامور سینر شار لون کی طرف سے کرسمس پارٹی کا اہتمام کیا گیا ان سب کے لیے یہ انتہائی خوشی کا موقع تھا۔ چار دن پہلے تک والدین کو یہ معلوم نہیں تھا کہ ان کے بیٹے زندہ ہیں یا مر کھپ گئے اور لڑکوں کو یہ امید نہیں تھی کہ وہ کرسمس اپنے والدین کے ساتھ منائیں گے۔ میڈلون روڈریگیز روزینہ سٹراچ، یلیشا کینیسا اور سارہ سٹراچ نے قوت ایمانی کے بل بوتے پر جو محنت کی تھی، اس کا صلہ مل گیا تھا۔

کارلوس پینیز ولارو، جارج زربینو، والٹر ہارلے اور جوان کارلوس کینیسا دیوانہ وار چپہ چپہ چھانتے رہے تھے، خدا نے انہیں خوشیوں سے نواز دیا تھا۔ ان کے بیٹے ان کی نظروں کے سامنے تھے۔ جیسے ابراہیمؑ اور اسحٰقؑ کے معاملوں میں ہوا تھا، خدا نے عین وقت پر ان کی قربانی قبول کر لی تھی لیکن ان کے بیٹوں کو بچا لیا گیا تھا۔

اسی رات یوراگوئے کے ایک مذہبی عالم نے لڑکوں سے تفصیلی گفتگو کی۔ وہ سانٹیاگو کی کیتھولک یونیورسٹی میں خدائی تعلیمات کا پروفیسر تھا اور سینر شار لون کی دعوت پر ہوٹل میں آیا تھا۔ دوسرے روز لڑکوں کے اعزاز میں ایک مذہبی اجتماع ہونے والا تھا اور

اس کی گفتگو اسی سلسلے میں تھی۔ اس کا نام فادر روڈریگویز تھا، وہ صبح پانچ بجے تک نینو سٹراہچ، گستاف زربینو اور دوسرے لڑکوں سے باتیں کرتا رہا جنہوں نے اسے بتایا کہ زندہ رہنے کے لیے انہیں اپنے ساتھیوں کی لاشوں کا گوشت کھانا پڑا ___ سان فرنینڈو میں پادری اینڈریز کی طرح اس فادر نے بھی بلا توقف ان کے فیصلے کو سراہا اور بتایا کہ مذہب میں زندہ انسان کی زندگی سب سے مقدم ہے اور مجبوری کی حالت میں جو قدم انہوں نے اٹھایا، وہ درست تھا۔ لڑکوں کے ذہنوں میں جو تھوڑی بہت بے چینی تھی وہ اس پادری کی تسلی و تشفی سے دور ہو گئی۔

دوسرے دن کیتھولک یونیورسٹی میں مذہبی اجتماع ہوا جس سے خطاب کرتے ہوئے فادر روڈریگویز نے حادثے میں بچنے والوں کو زبردست خراجِ تحسین پیش کیا اور گوشت کھانے کا ذکر کیے بغیر کہا کہ زندہ رہنے اور اپنی جانیں بچانے کے لیے انہوں نے جو اقدامات بھی کیے، درست تھے۔ بچنے والوں یا ان کے رشتہ داروں کے ذہن میں شریعت مسیحی کے وہ تمام قانونی پہلو واضح تو نہیں تھے جن کے مطابق مجبوری کی حالت میں حرام کو حلال روا رکھا گیا ہے لیکن چرچ کے فادر نے جو کچھ کہا وہ ان کی تسلی اور ذہنی اطمینان کے لیے کافی تھا

یہ طوفان سے پہلے کا سکون تھا۔ دنیا کے کونے کونے سے صحافی سانٹیاگو آئے ہوئے تھے اور گدھوں کی طرح لڑکوں کے اردگرد منڈلا رہے تھے۔ ابھی تک انہیں کوئی کام کی خبر نہیں ملی تھی۔ لڑکوں اور ان کے عزیزوں نے بھی اس واقعے کا سنسنی خیز پہلو ابھی تک صرف اس لیے چھپائے رکھا تھا کہ وہ مونٹی ویڈیو پہنچ جائیں۔ لیکن خبر چھپ نہ سکی پہلے پیرو کے ایک اخبار میں یہ خبر چھپی، پھر ارجنٹینا، چلی اور برازیل کے اخبارات نے ایک طوفان کھڑا کر دیا۔ صحافیوں نے ایک دفعہ پھر ان لڑکوں پر یلغار کر دی۔ وہ پریشان تھے، کیا کہیں کیا نہ کہیں۔ انہوں نے ان خبروں کی تردید کی تو ۲۶ دسمبر کو سانٹیاگو کے ایک اخبار نے پہلے صفحے پر ایک انسانی ٹانگ کی تصویر شائع کر دی جو آدھی کھائی ہوئی تھی اور برف میں فیرچائلڈ کے قریب پڑی تھی۔ لڑکوں نے باہم مشوروں کے بعد یہ فیصلہ کیا کہ وہ کسی ایک اخبار کی تردید کی بجائے مونٹی ویڈیو واپس پہنچ کر ایک پریس کانفرنس سے خطاب کریں گے۔ یہ بات بھی طے پا گئی کہ پریس کانفرنس ان کے پرانے سکول سٹیلا میرس کالج میں ہو گی۔

ان کی کوششیں ایک زبردست سیلاب کے سامنے تنکوں کا بند باندھنے کے مترادف تھیں۔ امدادی کلب کے ارکان نے جو کچھ اخبارات کو مہیا کیا تھا، اس نے چاروں طرف ایک آگ سی لگادی۔ دنیا بھر کے اخبارات نے آسمان سر پر اٹھالیا۔ صحافیوں نے تابڑ توڑ سوالات کئے، رائی کے پہاڑ بنائے۔ ایک صحافی نے تو یہاں تک لکھ دیا کہ ایوالانچ محض ایک ڈھونگ ہے۔ جو اس حقیقت کو چھپانے کے لیے رچایا گیا ہے کہ حادثے میں بچنے والوں میں جو طاقتور تھے، انہوں نے جان بوجھ کر کمزور لوگوں کو ہلاک کر دیا تاکہ ان کے لیے خوراک مہیا ہوسکے۔ ایک اور میگزین نے جو برہنہ تصاویر شائع کرنے میں شہرت رکھتا تھا، دو صفحات پر فیئر چائلڈ کے ارد گرد بکھری ہڈیوں اور انسانی اعضاء کی تصویریں شائع کیں۔ ایک اور اخبار نے شہ سرخیوں کے ساتھ اس کی خبر شائع کی اور عنوان جمایا "خدا انہیں معاف کرے" کچھ والدین یہ خبریں پڑھ کر رونے لگے۔

شیرٹن ہوٹل میں ماحول یکسر بدل گیا۔ خوشی اور اطمینان کی جگہ کشیدگی پھیل گئی تھی۔ لڑکے سراسیمہ تھے۔ اس سے بچنے کے لیے انہوں نے فوری طور پر مونٹی ویڈو واپس جانے کا فیصلہ کیا۔ ابتدائی طور پر گرچہ ان کے ارادے یہی تھے کہ وہ بسوں یا ٹرینوں کے ذریعے واپس جائیں گے لیکن اس صورتِ حال سے وہ اتنے پریشان ہوئے کہ دلوں میں خوف کے باوجود انہوں نے جہازوں میں سفر کو ترجیح دی۔ یوراگوے کے ناظم الامور شارلون نے ۲۸ دسمبر کو بوئنگ ۷۲۷ طیارے کا بندوبست کیا۔ الگورٹا اور پیرایڈو نے بھی شیرٹن ہوٹل تو چھوڑ دیا لیکن وہ اپنے دوستوں کی دعوتوں کو مسترد نہ کرسکے۔ تاہم قیام کے لیے انہوں نے سانٹیاگو کے مضافات میں رہنا پسند کیا جہاں وہ رپورٹروں کے سوالات اور فوٹوگرافروں کے کیمروں سے بچ سکتے تھے۔ پیرایڈو کے لیے ویسے بھی ان تقریبات میں کوئی دلچسپی نہ تھی۔ وہ گرچہ خود بچ گیا تھا لیکن دو خواتین، جنہیں وہ دنیا جہان سے زیادہ پیار کرتا تھا، وہیں اینڈیز کے پہاڑوں پر برف میں منجمد رہ گئی تھیں۔

۱۵

وطن واپسی

یوراگوئے کے ان جوان افراد کا اینڈیز کے پہاڑوں میں دس ہفتے گذارنا اور زندہ بچ نکلنا بجائے خود اتنی اہم خبر تھی کہ دنیا بھر کے اخبارات، ریڈیو اور ٹیلیوژن سٹیشنوں نے اسے نمایاں جگہ دی تھی لیکن جب یہ انکشاف ہوا کہ یہ افراد لاشوں کا گوشت کھا کھا کر زندہ رہے ہیں تو ذرائع ابلاغ میں ایک نیا بھونچال آگیا۔ یوراگوئے کو چھوڑ کر اردگرد کے ممالک میں ان خبروں کو خوب ہوا دی گئی۔

یوراگوئے کے اخبارات نے اپنے ہم وطنوں کے بچنے اور امدادی مہم کی سرگرمیوں کی خبریں نمایاں طور پر شائع کی تھیں لیکن جب لاشوں کا گوشت کھائے جانے کے بارے میں نت نئی افواہیں اڑیں تو مونٹی ویڈیو کے اخبارات کے ادارتی شعبوں نے ان پر شک و شبے کا اظہار کیا۔ اس وقت اگرچہ سنسر شپ اٹھ چکا تھا اور اخبارات پر کوئی خاص پابندی نہ تھی لیکن پھر بھی صحافیوں نے اپنے طور پر فیصلہ کیا کہ جب تک ان کے ہم وطن واپس پہنچ کر خود کوئی وضاحت نہ کریں وہ ان خبروں کے بارے میں خاموشی اختیار کریں گے۔ یہ فیصلہ ان کی حب الوطنی کا برملا اظہار تھا۔

یہ نہیں کہا جا سکتا کہ ان میں ایسے صحافی نہیں تھے جو ان افواہوں کی تصدیق یا تردید کے لیے بے تاب نہیں تھے بلکہ صورت حال یہ تھی کہ ان خبروں سے متعلق افراد سانٹیاگو میں تھے اور صحافتی اصولوں کا تقاضا بھی تھا کہ ان کا انتظار کیا جائے۔ دانیال فرنینڈیز مونٹی ویڈیو پہنچنے والوں میں پہلا شخص تھا۔ اس کے والدین اسے ایئرپورٹ پر ملے اور کار میں بٹھا کر سیدھے گھر لے آئے۔ کسی اور شخص کو اندر نہ آنے دیا گیا لیکن دوسرے دن کرسمس تھی۔ ان کے گھر کو دوستوں، رشتہ داروں اور صحافیوں نے گھیر رکھا تھا۔ فرنینڈیز نے محسوس کیا کہ گھر کے دروازے زیادہ دیر تک بند نہیں رکھے جا سکتے۔ اس نے ایک دوست کو اندر لانے کے لیے دروازہ کھولا لیکن پھر اسے بند نہ کیا جا سکا۔ صحافیوں اور

دوستوں کا ایک گروہ اندر گھس آیا اور بڑے اصرار کے بعد فرنینڈیز انٹرویو دینے کے لیے تیار ہو گیا۔

ایک صحافی نے کاغذ کا ایک پرزہ اس کی طرف بڑھاتے ہوئے اسے پڑھنے کو کہا۔ ٹیلیکس پر بھیجی گئی ایک خبر تھی جس میں کہا گیا تھا کہ وہ اور اس کے باقی ساتھی انسانی گوشت کھاتے رہے ہیں۔

"اس کے بارے میں مجھے کچھ نہیں کہنا۔" فرنینڈیز نے کہا۔

"تم اس کی تصدیق کرتے ہو یا تردید؟" صحافی نے پوچھا۔

"اپنے ساتھیوں کی وطن واپسی تک مجھے اس کے بارے میں کچھ نہیں کہنا۔"

جب یہ گفتگو جاری تھی تو فرنینڈیز کے باپ نے ٹیلیکس پیپر اٹھایا اور خبر پڑھنے لگا۔ خبر پڑھ کر اس کے تن بدن میں آگ لگ گئی۔ وہ با آواز بلند بولا "جس نے یہ خبر لکھی ہے وہ کتے کا بچہ ہے اور جو یہ خبر یہاں لایا ہے وہ اس سے بھی زیادہ خبیث ہے۔" یہ کہتے ہوئے بینوئل فرنینڈیز اس صحافی کو دھکے دے کر باہر نکالنے کو تھا کہ ایک واقف کار نے بازو سے پکڑ کر اسے روک لیا۔ صحافی خود ہی باہر چلا گیا۔

صحافی کے جانے کے بعد فرنینڈیز اپنے بیٹے کو ایک طرف لے گیا اور اسے کہا کہ وہ ایسی خبروں کی سختی سے تردید کرے۔

"لیکن یہ درست ہیں۔"

بیٹے نے بتایا۔ ایک دفعہ تو باپ بھی ہکا بکا رہ گیا لیکن آہستہ آہستہ اسے سمجھ آئی کہ یہ قدم انہوں نے انتہائی مجبوری کی حالت میں اٹھایا تھا۔ اس کے بعد وہ سوچتا رہا کہ یہ بات پہلے سے اس کے دماغ میں کیوں نہ آئی۔ آخر زندہ رہنے کے لیے انہوں نے کچھ کرنا تھا۔

بوئنگ ۷۲۷، جسے شارلون نے زندہ بچنے والوں اور ان کے خاندانوں کے لیے چارٹر کیا تھا کو خاص عملہ فراہم کیا گیا تھا۔ یہ وہی عملہ تھا جو صدر ایلندے کے ہمراہ رہتا تھا۔ طیارہ ۲۸، دسمبر کو ایئر پورٹ پر تیار کھڑا تھا اور چلی کے شہریوں کا ایک عظیم اجتماع ایئر پورٹ کی عمارت میں جمع تھا۔ وہ پورٹاگوئے کے باشندوں کو الوداع کہنے آئے تھے۔

وہ چار بجے جہاز میں سوار ہوئے لیکن ٹیک آف سے پہلے انہیں تقریباً ایک گھنٹہ انتظار کرنا پڑا۔ ایک وجہ تو ورنظین تھا جو شہر میں صحافیوں میں گھرا ہوا تھا، دوسری وجہ

موسم کی اطلاعات تھیں جن کے مطابق اینڈیز کے پہاڑوں پر موسم ٹھیک نہیں تھا، البتہ عملے نے مسافروں کو یہ بات نہیں بتائی۔ انہیں یہ کہا گیا کہ جہاز میں پھلوں کا ذخیرہ ختم ہو گیا ہے اور اسی کا انتظار ہے۔

وزنلین کے پہنچنے کے بعد بھی جہاز کافی دیر کھڑا رہا۔ لڑکے پیٹیاں باندھے کسمسا رہے تھے۔ ان میں سے اکثریت اس وقت بھی جہاز چھوڑ دینا چاہتی تھی۔ انہوں نے صرف اس لیے بذریعہ جہاز جانے پر رضامندی کا اظہار کیا تھا کہ بذریعہ ریل ان کا سفر طویل تھا جو ان کی صحت کے لیے مضر ثابت ہو سکتا تھا۔

بالآخر موسم صاف ہونے کی اطلاعات ملیں اور جہاز ٹیک آف کر گیا۔ کچھ دیر بعد ہی پائلٹ نے اعلان کیا کہ وہ کیوریکو پر پرواز کر رہے ہیں۔ اس نے دعوت دی کہ لڑکوں میں سے کوئی اس قصبے کو دیکھنا چاہے جو ان کے لیے اتنی زبردست اہمیت کا حامل رہا تھا تو کاک پٹ میں آ کر نیچے جھانک سکتا ہے لیکن کسی نے اس اعلان کی طرف توجہ نہ دی۔ وہ سب نہ صرف اس بات پر بدحواس تھے کہ ایک بار پھر جہاز میں سفر کر رہے تھے بلکہ یوراگوئے میں انہیں جس صورت حال کا سامنا کرنا تھا، اس کے بارے میں سوچ سوچ کر بھی وہ پریشان ہو رہے تھے۔ توجہ ہٹانے کے لیے وہ آپس میں اور اپنے ہمراہی چیلی کے دو صحافیوں سے گفتگو کر رہے تھے۔ ان میں سے ایک پیبلو تھا جو پونچو ڈیلگاڈو کے ساتھ والی نشست پر بیٹھا تھا جب جہاز کیراسکو ایئرپورٹ پر اترنے کے لیے نیچے جھکا تو ڈیلگاڈو کے خوف میں اضافہ ہو گیا۔ اس نے پیبلو کا بازو تھام لیا۔ باقی لوگوں نے لڑکوں کا دھیان بٹانے کے لیے یوراگوئے زندہ باد چیلی زندہ باد کے نعرے لگانے شروع کر دیے۔ جہاز نے مونٹی ویڈیو کے اوپر چکر لگایا تو دریائے پلیٹ کا گدلا پانی گھروں کی چھتیں، گلیاں اور بازار نظر آنے لگے۔ لڑکوں نے ایک بار پھر وطن کے بام و در دیکھے تو جھوم اٹھے اور مل کر اپنا قومی ترانہ گانا شروع کر دیا۔

آزادی ہو یا موت
ہمیں وقار کے ساتھ قبول ہے

ترانہ ختم ہوتے ہی جہاز نے یوراگوئے کی سرزمین کو چھوا، پھر ٹیکسی کرتا ہوا اڈے

کی اسی عمارت کے سامنے آکھڑا ہوا جہاں سے گیارہ ہفتے پہلے وہ خوش خوش روانہ ہوئے تھے
اُس جانے اور اس آنے میں بڑا فرق تھا۔ اس وقت ان کے خاندانوں کے اکا دکا فرد انہیں
الوداع کہنے آئے تھے اور اب مونٹی ویڈیو کا پورا شہر انہیں خوش آمدید کہنے امڈ آیا تھا۔ بس
یوں لگا کہ یوراگوئے کے صدر کی اہلیہ بھی موجود تھیں۔ ایئر پورٹ کی عمارت کی چھت پر شہریوں کا ایک
ہجوم تھا نیچے پولیس کے دستے تھے جو شہریوں کو رن وے پر آنے سے روکے ہوئے تھے۔
لڑکوں اور ان کے خاندان کے افراد کو جہاز سے بسوں میں سوار کرایا گیا اور ان کی اس
خواہش کے باوجود کہ انہیں عمارت کی بالکونی کے سامنے سے گذارا جائے تاکہ وہ اپنے دوستوں
کو دیکھ کر ہاتھ ہلا سکیں، انہیں سیدھا ایئر پورٹ سے باہر لے جایا گیا اور سٹیلا میرس کالج
پہنچا دیا گیا۔ وہاں ان کے استقبال کا شاندار انتظام تھا۔ ایک رنگا رنگ شامیانے کے
نیچے سٹیج لگائی گئی تھی۔ لاؤڈ سپیکر نصب کئے گئے تھے، صحافیوں کے بیٹھنے کا اہتمام کیا گیا
تھا۔ غرض یوں لگتا تھا جیسے سالانہ جلسہ تقسیم انعامات منعقد ہو رہا ہو۔
یہ ایک عجیب ملی تقریب تھی۔ ہر طرف کیمرے کھٹک رہے تھے، روشنیوں کے جھپاکے
ہو رہے تھے۔ آنے والوں کی خوشی تھی، بچھڑنے والوں کا غم —— سٹیج پر بیٹھے ہوئے
لڑکوں میں کالج ٹیم کے صرف تین کھلاڑی نظر آ رہے تھے، کینیا، زربینو اور وزنطین
پیریڈو اور ہارلے ابھی تک چلی ہی میں تھے۔ کالج کے لڑکوں کی نگاہیں اپنے دوسرے
چیمپئن کھلاڑیوں کو ڈھونڈ رہی تھیں لیکن پیریز، پلیٹرد، نکولچ، بلیسیون، ایبل،
میگری، نوگویرا اور شا —— ان میں سے کوئی بھی نہ تھا۔
لڑکوں نے پریس کانفرنس کا پورا انتظام کالج کی انتظامیہ اور لڈکر یچین پر چھوڑ
دیا تھا اور انہوں نے اس کا انتظام بڑی خوبی سے کیا تھا۔ پریس کانفرنس کا کمرہ صحافیوں
اور فوٹو گرافروں سے کھچا کھچ بھرا ہوا تھا۔ زندہ بچنے والوں اور حادثے میں ہلاک ہو
جانے والوں کے والدین اور قریبی اعزہ بھی کمرے میں موجود تھے۔ فیصلہ یہ ہوا تھا کہ
حادثے میں بچنے والے افراد باری باری بولیں گے اور ہر شخص تجربات کا کوئی ایک پہلو
بیان کرے گا۔ آخر میں پریس کو سوال پوچھنے کی دعوت دی جائے گی۔ انسانی گوشت
کھانے کے بارے میں اتفاق نہ ہو سکا تھا۔ کچھ لڑکوں کا خیال تھا کہ انہیں صاف صاف
اصل صورت حال بتانی چاہیے کچھ اور کی رائے تھی کہ اس بارے میں گول مول جواب

دیے جائیں جب کہ کینیسا اور اس کے والد کی رائے تھی کہ اس بات کی سختی سے تردید کر دی جائے۔ آخر اس بات پر اتفاق ہوا کہ اس معاملے کو انسپارٹی پر چھوڑ دیا جائے۔ وہ ان سب میں حاضر دماغ تھا اور خیال تھا کہ اس معاملے کو خوبصورتی سے نمٹا لے گا لیکن پریس کانفرنس سے پہلے صحافیوں اور فوٹو گرافیوں کا ہجوم دیکھ کر وہ گھبرا گیا۔ پونچو ڈیلگاڈو نے پیش کش کی کہ معاملہ اس پر چھوڑ دیا جائے۔

کانفرنس شروع ہوئی۔ تمام کمرے پر سکوت طاری ہو گیا۔ جہاز کے مسافروں نے ایک ایک کر کے وہ داستان سنانی شروع کی جس میں دلیری کی جھلکیاں بھی تھیں، سوگوار لمحوں کا عکس بھی۔ آخر میں پونچو ڈیلگاڈو کی باری آئی اور اس کی وہ تمام فصاحتیں اور بلاغتیں لوٹ آئیں۔ اس نے نہایت موثر انداز میں خطاب شروع کیا،

"جب ایک شخص صبح سویرے اس حالت میں بیدار ہو کہ اس کے چاروں طرف پہاڑوں کا سکوت ہو، برف سے ڈھکی ہوئی بلند چوٹیاں ہیں تو منظر بہت ہی پُر وقار اور سنسنی خیز لگتا ہے لیکن اس منظر میں خوف بھی پنہاں ہوتا ہے۔ انسان خود کو تنہا، اکیلا، بالکل اکیلا محسوس کرتا ہے۔ خدا کے سوا کسی اور ہستی کا احساس نہیں ہوتا۔ میں آپ کو یقین دلاتا ہوں خدا وہاں خود موجود تھا۔ ہم سب نے اسے محسوس کیا، اپنے دلوں کے اندر، اس لیے نہیں کہ ہم سب بہت نیک افراد تھے اور سارا سارا دن عبادت میں مصروف رہتے تھے نہیں بلکہ اس لیے کہ خدا کا وجود وہاں ویسے ہی واضح طور پر محسوس ہوتا ہے۔ ہم جسے "خدا کا ہاتھ" کہتے ہیں، وہاں دل کی آنکھ سے صاف دکھائی دیتا ہے اور انسان چاہتا ہے کہ اس کی رہنمائی میں چلے —— اور جب وہ لمحہ آیا کہ ہمارے پاس کھانے کو کچھ نہ رہا، ہمیں خیال آیا کہ اگر یسوع مسیح اپنے حواریوں کی خاطر اپنے جسم کی قربانی دے سکتا تھا تو ہمیں بھی اس کے نقش قدم پر چلنا چاہیے اور ایک دوسرے کو اپنے خون اور گوشت کی قربانی کرنی چاہیے اسی جذبے نے ہمیں زندہ رہنے میں مدد دی —— وقت گذر گیا ہے ہم انسانی گوشت کے رسیا نہیں ہوئے۔ یہ زندگی بچانے کی ایک جدوجہد تھی —— اس کے سوا کوئی چارہ کار نہ تھا —— دیارِ غیر میں ہم نے اس موضوع

کو نہایت احتیاط سے بیان کرنے کی کوشش کی لیکن اپنے ہم وطنوں کے درمیان ہم لگی لپٹی رکھے بغیر، پوری بات بیان کر رہے ہیں۔"

ڈیلگاڈو کے بات ختم کی تو پورے کمرے پر خاموشی طاری تھی۔ ہر آدمی متاثر دکھائی دیتا تھا اور جب اولڈ کرسچین کے صدر جوان دانیال نے صحافیوں کو دعوت دی کہ وہ کوئی سوال پوچھنا چاہیں تو پوچھ سکتے ہیں، تو کہا گیا کہ نہیں کوئی سوال نہیں۔ اس پر بین الاقوامی پریس اور یوراگوئے کے صحافیوں کا شکریہ ادا کیا گیا اور مرنے والوں کو خراج تحسین کے ساتھ پریس کانفرنس ختم کر دی گئی۔

اس پریس کانفرنس کی اشاعت سے اخبارات میں اٹھنے والا طوفان تھم گیا اور لڑکے اس قابل ہوئے کہ سکون سے اپنے اپنے گھروں کو لوٹ کر ان خوابوں کی تعبیریں دیکھ سکیں جن کے تانے بانے وہ برف کی قید کے دوران بنتے رہے تھے۔ پہاڑوں میں انہیں جس بے کسی کا سامنا کرنا پڑا تھا اس کے اثرات ان کے دل و دماغ پر اتنے گہرے مرتب ہوئے تھے کہ ان کے عام رویے میں اس کی جھلک صاف محسوس کی جا سکتی تھی۔ کئی لڑکے حساس اور چڑچڑے ہو گئے تھے۔ اپنے والدین، بہن بھائیوں اور دوستوں سے بات بات پر الجھ جاتے۔ چھوٹی چھوٹی چیزوں پر طوفان کھڑا کر دیتے۔ کبھی ان پر خاموشی کے لمبے لمبے دورے پڑتے، کبھی بولنے پر آتے تو مسلسل بولتے چلے جاتے۔ کھانے کا تو کوئی حساب ہی نہیں تھا۔ جونہی کھانا لگتا تمام آداب کو بالائے طاق رکھتے ہوئے وہ اس پر ٹوٹ پڑتے۔ بڑے بڑے نقموں میں کھانا کھاتے اور بعد میں مٹھائیوں یا سویٹ ڈشوں سے بھی یہی سلوک کرتے۔ لڑکوں کے والدین خاموشی سے انہیں دیکھتے رہتے۔ ماہرینِ نفسیات نے انہیں بتا دیا تھا کہ اتنے دنوں انسانی تمدن سے دور رہنے کی وجہ سے ان کے رویوں میں تبدیلیاں محسوس ہوں گی لیکن وہ صبر سے انہیں برداشت کریں کیونکہ امکان یہی تھا کہ وقت گذرنے کے ساتھ ساتھ وہ خود بخود ٹھیک ہو جائیں گے۔

کچھ والدین پر بھی اس حادثے کے عجیب اثرات رونما ہوئے تھے۔ وہ اپنے بیٹوں پر صبر کر بیٹھے تھے لیکن دوبارہ ملاقات کی اچانک خوشیوں نے انہیں عجیب احساسات سے نوازا تھا۔ مثلاً کوشے انسیارٹی کی والدہ کو یہ خوف لاحق تھا کہ اس کا بیٹا کہیں دوبارہ نہ بچھڑ جائے۔ وہ ہر وقت اسے اپنی نظروں کے سامنے رکھتی۔ کھانا کھاتے ہوئے اسے اپنے سامنے

بٹھاتی یہاں تک کہ اسے سلاتی بھی اپنے کمرے میں جب وہ آنکھیں موند لیتا تو وہ منجھی بس اسے تکتی رہتی۔

کچھ والدین کو بیٹوں کی واپسی کی خوشی تو تھی لیکن یہ خیال حوا بن کر خیالات پر چھا گیا تھا کہ اُن کے بیٹے آدم خوری کرتے رہے ہیں۔ پادریوں اور مذہبی رہنماؤں کے بیانات نے گرچہ انہیں کسی حد تک مطمئن کر دیا تھا لیکن پھر بھی وہ مختلف پادریوں کے پاس گئے۔ مونٹی ویڈور کے بشپ نے زیادہ وزنی دلائل کے ساتھ انہیں مطمئن کرنے کی کوشش کی۔ اس نے کہا، "جان بچانے کے لیے کسی مردہ انسان کا گوشت کھانا بالکل ایسے ہی ہے جیسے ناگزیر حالت میں ایک انسان اپنا کوئی عضو کسی دوسرے کو عطیہ کر دیتا ہے۔ جیسے آنکھ، گردے یا کھال کا عطیہ ـــــ جب کسی زندہ انسان کے زخم پر کسی اور کی کھال یا گوشت لگایا جاتا ہے تو وہ اس کے جسم کا حصّہ بن جاتا ہے ـــــ کوئی اسے ملامت نہیں کرتا کہ اس نے کسی اور کی آنکھ، گردہ یا کوئی اور حصّہ کیوں استعمال کیا۔"

مونٹی ویڈو کے آرچ بشپ نے اس رائے کی تصدیق کی، "اخلاقی طور پر اس میں اعتراض والی کوئی بات نہیں جب معاملہ زندگی اور موت کا ہو تو جو کچھ بھی میسّر آئے، اسے کھا کر زندگی کی حفاظت کرنا ضروری ہے چاہے اس کے کھانے سے کتنی ہی کراہت محسوس کیوں نہ ہوتی ہو۔"

خدائی تعلیمات کے ماہر فادر گینو کونسیٹی نے لکھا، "فرد معاشرے میں جیتا ہے اور معاشرے کے مجموعی ماحول سے فائدہ اٹھاتا ہے۔ جب زندگی اور موت کا سوال آن پڑے تو فرد کا فرض بنتا ہے کہ جو مدد بھی وہ کسی کی جان بچانے کے لیے کر سکتا ہے، ضرور مہیا کرے اور اگر بات اس مردہ جسم کی ہو جسے ویسے بھی گل سڑ کر ختم ہو جانا ہو تو اس کا استعمال کسی طرح بھی قابلِ اعتراض نہیں ٹھہرایا جا سکتا۔ ہم اخلاقی طور پر پورا گوشت کے جہاز کے حادثے میں زندہ بچنے والوں کے عمل کو جائز قرار دیتے ہیں کیونکہ انہوں نے خود کو یقینی موت سے بچانے کے لیے وہ خوراک استعمال کی جو میسّر تھی۔ زندگی بچانے کے لیے بے جان انسانی جسم کا استعمال سراسر جائز اور مناسب ہے۔"

ان آراء کی روشنی میں ان افراد کے بارے میں تنقید ختم ہو گئی اور پریس میں انہیں قومی ہیرو بنا کر پیش کیا جانے لگا۔ گرچہ ہر انٹرویو اور مضمون میں یہ بات دہرائی جاتی تھی۔

کہ ان کا زندہ بچ نکلنا کپور گوٹے کے تمام افراد کی کارکردگی کا نتیجہ تھا لیکن یہ قدرتی بات تھی کہ ان میں سے چند زیادہ نمایاں ہو جائیں۔ کچھ تو ویسے ہی پس منظر میں چلے گئے۔ پیڈرو الگورٹا اپنے والدین کے پاس ارجنٹینا چلا گیا۔ دانیال فرنینڈیز بھی اپنے والدین کے کاموں میں ہاتھ بٹانے لگا۔ اس کے دو کزن فیٹو اور ایڈورڈ وسٹراچ اتنے کم گو تھے کہ پہاڑوں میں انتظام و انصرام میں انہوں نے جو کردار ادا کیا تھا اس کی پبلسٹی کا انہیں خیال ہی نہ آیا۔ البتہ پونچو ڈیلگا ڈو نے خوب شہرت حاصل کی۔ وہ بولنے میں ماہر تھا اور پہلی کانفرنس میں "آدم خوری" کے موضوع پر بھی اسی نے بڑے موثر انداز میں گفتگو کی تھی۔ اس نے بعد میں بھی کئی اخبارات اور ٹیلیویژن سٹیشنوں کو انٹرویو دیے۔ اور خوب مشہور ہوا۔ تاہم اس کے ساتھیوں نے اس شہرت پر کسی پسندیدگی کا اظہار نہیں کیا۔

اسی طرح پیرڈو کے کردار کو بھی اس کے ساتھیوں نے اچھی نظر سے نہیں دیکھا۔ وہ اپنی پرانی زندگی کی طرف لوٹ گیا تھا۔ بلکہ اب پہلے سے زیادہ دلیر ہو گیا تھا۔ پہلے وہ شرمیلا اور کم گو تھا، اب ہر ہوٹل، سوئمنگ پول اور نائٹ کلب میں نظر آتا تھا۔ اس کے اردگرد خوبصورت لڑکیوں کے جرمٹ ہوتے بلکہ ایک مقابلہ حسن میں تو اس نے جج کے فرائض بھی انجام دیے ـــــ دوسرے افراد جن میں السیارٹی، متھول اور مینگینو شامل تھے اس خیال کے حامل تھے کہ ان کی زندگی تحفہ خداوندی تھی جسے یوں عیاشیوں میں برباد نہیں کیا جانا چاہیے۔ گرچہ پیرڈو ذاتی طور پر اس بات پر شک وشبے کا اظہار کرتا تھا لیکن دکھوں میں ایک ساتھ رہنے والے افراد سے جو رشتہ استوار ہو چکا تھا، اس کے احترام میں اس نے اپنی سرگرمیاں چھوڑ دیں اور ایک قصبے میں نٹ بولٹ کی دکان کھول کر اس میں مصروف ہو گیا۔ خدا کے موضوع پر بات ہوتی تو وہ اپنی الجھنوں کا اظہار کیے بغیر نہ رہ سکتا۔

"اگر خدا رحم دل ہے تو اس نے اس کی ماں کو کیوں نہ بچایا؟ پنچائتو اور سوسنا مرنے سے پہلے اتنی اذیت میں مبتلا کیوں رہے؟"

جواب ملتا، "شاید خداوند انہیں جنت میں دیکھنا چاہتا تھا۔"

"میری ماں اور بہن جنت میں کیونکر خوش رہ سکتی ہیں جب کہ میں اور میرا باپ زمین پر ان کے لیے تڑپ رہے ہیں۔" وہ کہتا۔

الگورٹا کے خیالات پیرپڈو سے ملتے جلتے تھے ۔اس کا کہنا تھا۔ کہ ان کی مدد کے لیے آسمان سے فرشتے نازل نہیں ہوئے تھے ۔ وہ اگر محض خدا پر بھروسہ کر کے بیٹھے رہتے تو کبھی کے مر کھپ گئے ہوتے اس کا انسان پر ایمان بڑھ گیا تھا ۔

البتہ کچھ احساسات ان سب میں مشترک تھے ۔ زندگی کے بارے میں ان تمام کا رویہ بدل گیا تھا۔ ان سب کو احساس تھا کہ زندگی نہایت عارضی شے ہے ۔ مال و دولت سب کی نظروں میں بے معنی ہو گئی تھی ۔ اکثر لڑکوں نے خدا کی عظمت و ہیبت کو محسوس کیا تھا اور ان کا خیال تھا کہ انہیں خدا کی محبت نے بچایا ہے چنانچہ وہ خدائی تعلیمات کو عام کرنا چاہتے تھے ۔

○

فیر چائلڈ کے مسافروں میں سے ۲۹ افراد واپس نہیں آئے تھے ۔ سولہ افراد انتیس افراد کی خبر لائے تھے ۔ ان کے اعزہ کے لیے یہ خبر محض موت کی تصدیق ہی نہیں اس خدشے کا اظہار بھی تھا کہ ان کی لاشوں کو کھایا گیا ہے ـــــ تمام تر وسعت قلبی کے باوجود اس خیال سے ان کے دل پارہ پارہ ہوئے جاتے تھے لیکن اکثریت نے ان خبروں پر زبردست صبر و تحمل کا مظاہرہ کیا ۔ کارلوس کا والد اپنی بیوی سمیت پریس کانفرنس میں آیا تھا ۔ بعد میں اس نے ایک اخبار کو انٹرویو دیتے ہوئے کہا ،

" ہم خوش ہیں کہ جہاز میں پینتالیس افراد سوار تھے ۔ ان کی تعداد زیادہ تھی ۔ تبھی تو یہ ممکن ہوا کہ کم از کم یہ سولہ افراد واپس آسکیں ۔ میں پہلے سے یہ بات جانتا تھا اور ان سولہ افراد کی واپسی سے اس کی تصدیق ہو گئی ہے ایک ڈاکٹر کی حیثیت سے مجھے احساس تھا کہ ان حالات میں زندہ رہنے کے لیے ان افراد کو انتہائی جرأت مندانہ فیصلے کرنے ہوں گے ۔ اب جب کہ میرے اس احساس کی تصدیق ہو گئی ہے میں دہراتا ہوں ، کہ خدا کا شکر ہے کہ وہ تعداد میں پینتالیس تھے جس کی وجہ سے کم از کم سولہ گھرانوں کو ان کے بچے واپس مل گئے "

آرطورو نوگویرا کے والد نے مختلف اخبارات کو ایک خط لکھا ،

"ڈیئر سر!

اپنے دلوں میں ابھرتی خواہشات کے احترام میں یہ چند لفظ لکھ رہا ہوں۔ انیڈیز کے حادثے میں بچنے والے سولہ افراد کی عظمت کو سلام کرنا اور خراج تحسین پیش کرنا مقصود ہے۔ خراج تحسین اس لیے کہ اس بات کے کافی ثبوت ہیں کہ انہوں نے انتہائی دلیری، عزم وہمت اور ایمان ویقین کا مظاہرہ کیا۔ دل کی انتہائی گہرائیوں سے سلام اس لیے کہ انہوں نے حادثے کے بعد سے اس کی موت تک ہمارے پیارے بیٹے اور اپنے بھائی ڈگوپرا کی دل جوئی اور علاج میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی۔ میں وطن کے ہر شہری کو دعوت دیتا ہوں کہ وہ چند لمحوں کے لیے نظم وضبط، دلیری اور ایک دوسرے کے کام آنے کے ان اسباق پر غور کریں جو یہ نوجوان افراد ہمیں سکھا گئے ہیں۔ شاید اس سے ہمیں اپنی خود پسندی اور جھوٹی خواہشات پر غالب آنے کا موقع مل سکے اور ہم میں اپنے بھائیوں میں دل چسپی لینے کے احساسات پیدا ہو سکیں۔"

ماؤں نے بھی اسی حوصلے کا اظہار کیا۔ کچھ کے نزدیک ان کے بیٹے بچ رہنے والوں کی شکل میں زندہ تھے۔ یہ بات سمجھنا زیادہ مشکل نہیں تھا کہ اگر ان کے بیٹے زندہ رہتے، اور دوسرے مر جاتے تو وہ بھی وہی کچھ کرتے جو زندہ رہنے والوں نے کیا اور اگر تمام کے تمام پینتالیس افراد بچ جاتے، تو تمام بھوک کے ہاتھوں ختم ہو جاتے۔ ان سب کو یہ احساس تھا کہ ان سے بچھڑنے والے یقیناً جنت میں ہوں گے کیوں کہ ان کے مردہ جسم بھی انسانوں کے کام آئے اب وہ ان تمام یادوں کو بھلانا چاہتی تھیں۔ کچھ کے زخم انتہائی گہرے تھے۔ سنورا کوسٹی مالی کا ایک بیٹا کیراسکو کے ساحل پر سمندر میں ڈوب گیا، اس کا شوہر پیراگوئے میں اچانک مر گیا تھا اور اب اس کے مختصر خاندان کا یہ آخری فرد اس دردناک حادثے کی نذر ہو گیا تھا۔

گستاف نکولیچ کے والدین کو یہ جان کر انتہائی صدمہ ہوا تھا کہ ان کا بیٹا حادثے کے دو ہفتے بعد تک زندہ رہا تھا۔ انہیں جیرارڈ کروئی سے جو نیر پر غصہ آتا تھا جس نے انہیں غلط سمت میں بھیج دیا تھا۔ وہ اگر ٹنگویریریکا پہاڑ کی جانب تلاش جاری رکھتے تو امکان تھا کہ اپنے زخمی بیٹے تک پہنچ جاتے اور بروقت طبی امداد سے اس کی جان بچ جاتی۔

یہ سچ ہے کہ کرویسے کی غیب دانی نے تلاش کو غلط رخ پر ڈال دیا تھا لیکن اس نے کئی باتیں ایسی بھی بتائی تھیں جو بعد میں سوفیصد درست ثابت ہوئیں۔ اس نے کہا تھا کہ کبراسکو ایئر پورٹ پر ایک لڑکے کے کاغذات کی جانچ پڑتال میں افسروں کو کسی الجھن کا سامنا ہے یہ بات صحیح تھی۔ اس نے کہا تھا کہ پائلٹ جہاز نہیں اڑا رہا — یہ بھی درست تھی کہ حادثے کے وقت جہاز کا کنٹرول معاون پائلٹ لیگویریرا کے پاس تھا۔ اس نے بتایا تھا کہ جہاز کے بازو نہیں ہیں، اس کا اگلا حصہ پچک گیا ہے اور اگلے حصے کا دروازہ آدھا کھلا ہے یہ تمام باتیں ٹھیک تھیں۔ کرویسے نے وہ زاویے اور رخ بھی ٹھیک ٹھیک بیان کئے تھے جن پر پرواز کرکے کوئی پائلٹ فیرچائلڈ کے ڈھانچے کو دیکھ سکتا تھا۔ اس نے کہا تھا کہ اسے خطرے کا نشان نظر آ رہا ہے اور قریب ہی ایک گاؤں ہے جس میں میکسکو سٹائل کے گھر بنے ہوئے ہیں۔ گرچہ ہیریڈا اور کینیسا کو چلی کی طرف جاتے ہوئے یہ نشان نظر نہیں آئے لیکن بعد میں ارجنٹینا کی طرف سے آنے والی ایک مہم کے افراد نے خطرے کا یہ نشان پایا جو حادثے والی جگہ سے زیادہ دور نہیں تھا۔ قریب ہی ایک گاؤں مِناس ڈہی سومنار بھی موجود تھا۔ کرویسے نے فیرچائلڈ کے اردگرد کا علاقہ بیان کرتے ہوئے کہا تھا کہ وہاں تین پہاڑ ہیں، جن میں ایک بغیر چوٹی کے ہے، قریب ہی ایک جھیل ہے اور یہ پلینچون درے سے ۱۴ میل جنوب میں ہے۔ لڑکوں کے والدین اس جگہ پر پہنچ گئے تھے لیکن فیرچائلڈ درہ پلینچون سے ٹھیک ۱۴ میل شمال میں گرا تھا۔ جہاز کسی پہاڑ کے نیچے تھا نہ کسی جھیل کے پاس۔ نہ ہی ایمرجنسی لینڈنگ کے لیے پائلٹ نے کسی جھیل کا رخ کیا تھا۔ حادثے کا سبب کاربوریٹر کی خرابی نہیں تھا اور نہ ہی پائلٹ اپنے کیبن میں اکیلا تھا جیسا کہ کرویسے نے بتایا تھا۔

سنورا ویلیٹا کے خواب حیرت انگیز حد تک درست ثابت ہوئے تھے لیکن سولہ آنے درست بات ایک مفلوک الحال شخص نے بتائی تھی جو مونٹی ویڈو کے پسماندہ ضلعے میرو ناس میں مقیم تھا۔ اس نے ایک نقشے پر نشان لگا کر دیا تھا۔ یہ نشان نرماس ڈیل فیلکو سے انیس میل دور تھا اور فیرچائلڈ ٹھیک اسی جگہ گرا تھا۔ میڈیلون کی ماں اور جو آن جوز منتھول نے اس شخص سے ملاقات کی تھی۔ لڑکوں کی واپسی پر جب یہ بات ثابت ہو گئی کہ اس مفلوک الحال شخص کی بات سو فیصد درست ثابت ہوئی ہے تو

جو آن جوز متھول ڈھونڈتا ڈھونڈتا اس شخص کے پاس گیا اور اسے بہت سا روپیہ اور گوشت بطور تحفہ دے کر آیا جو اس نے اپنے پڑوسیوں میں تقسیم کر دیا۔

○

یوراگوئے اور چلی کی فضائیہ کی طرف سے حادثے کے اسباب کا پتہ چلانے کے لیے تحقیقات کا اہتمام کیا گیا۔ دونوں طرف سے حادثے کا سبب پائلٹ کی غلطی بتائی گئی جس نے اپنی دانست میں کیوریکو پہنچ کر جہاز کی بلندی کم کرنا شروع کر دی تھی تاکہ سانٹیاگو پر اتر سکے۔ درحقیقت وہ ابھی اینڈیز پہاڑوں کے درمیان میں تھا اور کیوریکو سے بہت دور۔ وہ پہاڑ جس پر جہاز گرا تھا ارجنٹینا کی سرحد پر تھا۔ جہاز کا ڈھانچہ ساڑھے گیارہ ہزار فٹ کی بلندی پر پڑا تھا اور وہ پہاڑ جسے عبور کر کے پیریڈو اور کینیسا لاس میٹینز پہنچے تھے، ساڑھے تیرہ ہزار فٹ اونچا تھا۔ اندازہ لگایا کہ یہ افراد اس پہاڑ پر چڑھنے کی بجائے اگر جہاز کی ٹیل کی سمت میں بڑھتے رہتے تو تین دن کے بعد وہ ایک سڑک پر آ نکلتے۔ کینیسا نے جو سڑک دیکھی تھی وہ محض نظر کا دھوکہ تھا۔ فیرچائلڈ کے ڈھانچے سے صرف پانچ میل مشرق کی طرف ایک ہوٹل تھا جو گرچہ صرف گرمیوں میں کھلتا تھا لیکن اس وقت بھی وہاں بند ڈبوں میں خوراک وافر مقدار میں موجود تھی۔

جہاز کے ریڈیو کو ٹھیک کرنے کی کوشش میں انہوں نے دو ہفتوں سے زائد وقت صرف کیا۔ ان کی یہ کوشش کبھی بھی کامیاب نہ ہوتی۔ پیغام بھیجنے کے لیے ٹرانسمیٹر کو ۱۱۵ وولٹ اے سی کرنٹ کی ضرورت تھی جب کہ وہ جس بیٹری کو استعمال کرنے کی کوشش کر رہے تھے صرف ۲۴ وولٹ ڈی سی کرنٹ مہیا کر سکتی تھی۔

حالات کے تجزیے سے کیا ہاتھ آنا تھا۔ گرچہ کچھ والدین یوراگوئے ایئر فورس سے ناراض تھے۔ ان کے پائلٹوں کی نااہلی کی وجہ سے یہ حادثہ ہوا تھا لیکن ملک کی سیاسی تاریخ کا ایک نازک موڑ تھا وہ مسلح افواج کے اس اہم شعبے کے خلاف غم و غصے کا اظہار نہیں کر سکتے تھے۔ مجموعی طور پر انہوں نے اسے خدا کی رضا سمجھ کر قبول کر لیا اور جو لوگ بچ گئے تھے ان کی واپسی پر اس کا شکریہ ادا کیا۔

جیوبر متھول کو پہاڑوں پر ایک اونگھ سی آئی رہتی تھی لیکن اب وہ ساحل سمندر

پر رہتا تھا اور اس کی بیماری خود بخود ٹھیک ہو گئی تھی۔ اپنے دوسرے ساتھیوں کی طرح اسے بھی یقین تھا کہ خدا نے ان کی جانیں کسی خاص مقصد کے تحت بچائی ہیں۔ سب سے پہلا کام جو اس نے سوچا یہ تھا کہ وہ للیانہ کی جگہ ماں بن کر اپنے بچوں کی پرورش کرے گا۔ وہ اپنے ساس سسر کے پاس آکر رہنے لگا تھا جو پہلے سے اس کے بچوں کی دیکھ بھال کر رہے تھے۔ اپنے بچوں میں رہ کر وہ مطمئن تھا۔ للیانہ اسے یاد آتی تھی لیکن یہ سوچ کر دل کو تسلّی دے لیتا تھا کہ وہ بھی جنت میں خوش وخرم ہو گی۔

ایک دن سوچوں میں گم، وہ ساحل کے ساتھ ساتھ سیر کر رہا تھا۔ اس کی تین سالہ بیٹی میری نوئیل اس کے ہمراہ تھی اور اٹھکیلیاں کرتی اس کے ساتھ ساتھ چل رہی تھی۔ اس کی معصوم باتوں کا سلسلہ ٹوٹتا ہی نہ تھا۔ اچانک وہ رکی، باپ کے سامنے آئی اور اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بولی،

"پاپا! آپ جنت سے جا کر واپس آئے ہیں نا ——— ہیں نا؟
ماما کب واپس آئیں گی؟"

جیویر گھٹنوں کے بل جھکا اور اپنی معصوم بیٹی کو سمجھانے لگا،

"میری بیٹی! سمجھنے کی کوشش کرو نا ——— آپ کی ماما اتنی اچھی ہیں......
اتنی اچھی..... کہ خدا کو اپنی جنت ان کے بغیر سونی لگتی ہے....
تبھی تو وہ خدا کے ساتھ رہ رہی ہیں۔"

۱۸، جنوری ۱۹۷۳ء کو ایک ٹیم ہیلی کاپٹروں میں اس جگہ پر پہنچی جہاں فیر چائلڈ کا ڈھانچہ پڑا تھا۔ یہ ٹیم اینڈیز ریسکیو کور کے دس ارکان، ایس اے آر کے فریڈی برنیلاس، یوراگوئے فضائیہ کے ایک افسر اور ایک پادری پر مشتمل تھی۔ جائے حادثہ پر پہنچ کر انہوں نے خیمے نصب کئے اور بچی کھچی لاشوں کو اکٹھا کرنے لگے۔ برف پگھل چکی تھی اور وہ لاشیں بھی نظر آنے لگی تھیں جو اب تک برف میں چھپی ہوئی تھیں۔ کچھ لاشیں پہاڑ کی چوٹی کے قریب پڑی تھیں انہیں اٹھا کر نیچے لایا گیا۔ حادثے سے آدھ میل کے فاصلے پر، ایک نسبتاً ہموار قطعہ زمین کا انتخاب کیا گیا یہ جگہ قبر بنانے کے لیے مناسب تھی اور امکانی حد تک ایوالانچوں کی زد سے بھی باہر تھی۔ قبر کھود کر صحیح سالم

نعشیں، بکھرے ہوئے انسانی اعضا اور ہڈیاں دفن کر دی گئیں۔ قبر کے سرہانے ایک کتبہ لگایا گیا جس پر تین فٹ اونچا لوہے کا بنا ہوا صلیب کا ایک نشان نصب کیا گیا۔ اس نشان پر نارنجی رنگ کر دیا گیا۔ اس کے ایک طرف کالے حروف میں لکھا گیا،

"دنیا کی طرف سے یوراگوئے کے بھائیوں کو سلام۔"

دوسری طرف یہ حروف لکھے گئے،

"اے خدا، تو قریب تر ہے، تیرے حوالے۔"

تدفین کے بعد دعاؤں سے فارغ ہو کر پادری نے حاضرین سے مختصر خطاب کیا پھر امدادی کلب کے ارکان طیارے کے ڈھانچے کی طرف آئے، اس پر پیٹرول چھڑکا اور آگ لگا دی۔ ہوا تیز تھی۔ آگ جلد ہی بھڑکتے شعلوں میں بدل گئی۔ پہاڑوں کا سکوت پہلے ہی ایوالانچوں کی غراہٹوں سے کئی بار مضطرب ہو چکا تھا۔ چلی کے ان مٹھی بھر باشندوں نے مناسب جانا کہ مزید تاخیر کے بغیر واپس لوٹ آئیں۔